عن الإمام الحسن العسكري (ع)

نَحنُ حُجج الله علی خلقه، وجدّتنا فاطمة حُجّة الله علینا

اثبات فضائل الزہراء سلام اللہ علیہا

تالیف

آیت اللہ سید ہاشم ہاشمی

ترجمہ

سید سبطین علی نقوی امروہوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيمِ

إِنَّا أَنْزَلْناهُ في‏ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَ ما أَدْراكَ ما لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝

(قدر:۱-۳)

اثباتِ فضائل زہراء

سلام اللہ علیہا

سلام اللہ علیہا

اثباتِ فضائل زہراء

تالیف: آیت اللہ سید ہاشم ہاشمی

تلخیص: سید مہدی مجتہد سیستانی

ترجمہ: سید سبطین علی نقوی امروہوی

نام کتاب.............. اثباتِ فضائل زہراء سلام اللہ علیہا
مؤلف................ آیت اللہ سید ہاشم ہاشمی
مترجم................ سید سبطین علی نقوی امروہوی
نظرثانی................ سید زین عباس زیدی
کمپوزنگ.............. سید سبطین علی نقوی امروہوی
ناشر................. Ziaraat.com
سال اشاعت.......... ۲۰۱۹ عیسوی، بمطابق ۱۴۴۰ ہجری قمری
ہدیہ.................

DOT Management Foundation- Ziaraat.com
Under the supervision of Sabil-e-Sakina (S.A) Online Islamic Digital Library

✆0092(0)3332000464	✉webmaster@ziaraat.com	fb.com/ziaraatdotcom
🖷0092(0)3333589401	mail@dmfpak.org	www.dmfpak.org

انتساب

حقیقت لیلۃالقدر، کوثر رسول، ممتحنہ قبل از خلقت، مدافعہ حریمِ ولایتِ علوی، مطیعِ محضِ اولی الامرِ زمان، بنت خیر البشر، زوجہ خیر العرب، مادر حسنینِ شریفین، صدیقہ کبری، شہیدہ عظمیٰ، راضیہ، مرضیہ، فاضلہ، ذکیہ، تقیہ، نقیہ، مبارکہ، محدثہ، مظلومہ، مغضوبہ، حوراءالانسیہ، بضعۃ رسول، مرکز رضائے رب غفور، سیدۃ النساء اہل الجنۃ فاطمۃ الزہرا بنت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام

مہر سپہر عزّ و شرافت ہے فاطمہ
شرحِ کتابِ عصمت و عفت ہے فاطمہ
مفتاحِ بابِ گلشنِ جنت ہے فاطمہ
نورِ خدا و آیۂ رحمت ہے فاطمہ
رتبے میں وہ زنانِ دو عالم کا فخر ہے
حوّا کا افتخار ہے، مریم کا فخر ہے

(انیس)

مقدمہ مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی ابی القاسم المصطفی محمد و آلہ الطیبین

الطاہرین. و لعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین.

خدا نے اپنی مخلوقات کو بے شمار نعمتوں سے نوازا یہاں تک کہ خود ہی اپنے کلام حکیم میں فرمادیا: اگر تم میری نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کرسکو گے۔ اس کی یہ نعمتیں ہر ایک کو اس کی ظرفیت و مقام کے اعتبار سے عطا ہوئیں، جتنا ظرف بلند ہوتا گیا عطا اتنی اعلیٰ ہوتی گئی۔ خدا نے موجودات کو نیستی سے نکال کر ہستی کی ردا پہنائی یہ اس کی عطا ہے، پھر موجودات میں سے ایک کو خواہشات کے ساتھ عقل کی نعمت سے سرفراز کرکے اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز بخشا یہ اس کی ایک اور عطا ہے، پھر اسی اشرف مخلوق کو تسلیم کی منزل پر لاکر اسلام کی نعمت سے مالا مال کیا یہ اس کی ایک اور عطا ہے، پھر اسی مسلم کو ایمان کے درجے سے سرفراز فرما کر مومن بنادیا یہ اس کی ایک اور عطا ہے، پھر اسے تقویٰ دے کر متقی بنادیا یہ اس کی ایک اور عطا ہے، پھر اس متقی کو ولایت دے کر ولی بنادیا یہ اس کی ایک اور عطا ہے، ان اولیاء میں سے کچھ کو چن کر نبی بنادیا یہ اس کی ایک اور عطا ہے، ان نبیوں میں سے بعض کو رسول بنادیا یہ اس کی ایک

اور عطا ہے، انہی رسولوں میں سے پانچ کو عزم کی نعمت سے نواز کر اولی العزم بنا دیا یہ اس کی ایک اور عطا ہے، ان اولی العزم نبیوں میں سے ایک کو مصطفٰی کر کے سید لولاک و وجہ تخلیق کائنات بنایا یہ اس کی ایک اور عطا ہے۔ خدا نے چاہا کہ اب اپنی عطاؤں کے نکتہ اختتام کو کمال تک پہنچائے اور اپنے محبوب کو ایسی عطا سے نوازے جس سے وہ راضی ہو جائے تو ارشاد فرمایا:

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے تمہیں فاطمہؑ کی صورت میں خیر کثیر عطا کی ہے!!!

یقیناً فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی عطاؤں کی وہ معراج ہیں جنہیں عطا کرنے کے انتظامات میں سے ایک انتظام معراج ہے۔ یہ خدا کی وہ کنیز ہے جس کی رضا خدا کی رضا اور جس کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے۔ جو تمام عالم کی خواتین کی سردار ہے۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کا چین ہے، جو بضعت رسول ہے، جو اس کائنات کے نظام میں امامت تکوینی کی حامل ہے۔ حد یہ ہے کہ اس بی بی دو عالم کے فضائل جن و انس کے بس میں نہیں کہ شمار کر سکیں اور زمین پر موجود اشجار و بحور کی دسترس میں نہیں کہ روشنائی اور قلم بن کر انہیں رقم کر سکیں۔

البتہ ان صاحبان فضل و کرامت کے مقامات کو قبول کرنے کے لیے زمین قلب کی زرخیزی، روح کی بلندی، ذہن کی بالیدگی، نفس کی پاکیزگی اور باطن کی آمادگی درکار ہوتی ہے۔ جہاں اس یادگار رسالت و نبوت اور مرکز عصمت بی بیؑ کے ہر اس مرتبے اور مقام کو قبول کرنے والے موجود ہیں جس سے خدا نے اسے بہرہ مند فرمایا ہے وہیں ایسے بھی ہیں جو ان

مقامات میں شک و تردید ایجاد کرتے ہیں۔ یہ شک و تردید کبھی تعصب کی وجہ سے ہوتی ہے، کبھی نادانی اور جہالت کی وجہ سے، کبھی قابلیت کی کمی اور سفاہت کی وجہ سے تو کبھی دشمن کے ہاتھوں اپنا دین وایمان بیچ دینے یا بنا پیسوں کے اس کا مزدور بننے کی وجہ سے۔ ہمارے لیے کسی بھی شخصیت سے بڑھ کر معصومینؑ کی ذات ہے اور اگر طے یہ پایا ہے کہ کسی شخصیت کو محور بنایا جائے تو بے شک اس کی سب سے زیادہ حقدار خود یہی معصوم ذوات مقدسہ و نورانیہ ہیں۔ لہذا اس چیز میں تفریق کیے بنا کہ کوئی غیر ہو یا ظاہراً ہماری ہی صفوں میں موجود کوئی شخص، مقامات و فضائل معصومینؑ کے دفاع و اثبات کے لیے ہم کسی قسم کی رعایت نہ کرتے ہوئے سب کو بیک جنبش قلم جواب دیں گے۔

کتاب حاضر کا موضوع بھی جناب سیدہؑ کے فضائل کا اثبات اور ان کا دفاع ہے۔ یہ کتاب دراصل جناب حجت الاسلام والمسلمین سید ہاشم ہاشمی کی کتاب ((**حوار مع فضل الله حول الزهراء**ؑ)) کی تلخیص کا ترجمہ ہے، جسے جناب سید مہدی مجتہد سیستانی صاحب نے انجام دیا ہے۔ اصل کتاب عربی زبان میں ہے جس میں جناب سیدہؑ کے فضائل پر اٹھائے گئے ان اعتراضات اور شکوک کا جواب دیا گیا ہے جو مختلف تقاریر یا کتب میں بیان کیے گئے تھے۔ موجودہ کتاب میں نہ فقط یہ کہ تلخیص انجام پائی ہے بلکہ مطالب بھی ایک نئے انداز میں پیش کیے گئے ہیں نیز کہیں کہیں تلخیص کے ساتھ ساتھ حاشیائی مطالب کا اضافہ بھی کیا گیا۔ ہم اس کتاب کی تلخیص کا ہی اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں تاکہ مومنین کے قلوب معرفت اہلبیتؑ سے

اور زیادہ منور اور مشککین کے قلوب میں موجود مرض کو دور کرنے کا سامان کیا جائے اور یوں ان پر حجت بھی تمام کر دی جائے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں اس صورت سے قبول فرمائے کہ دنیا میں در سیدہؑ کا جاروب کش اور آخرت میں ان کی شفاعت کا حقدار قرار دے۔ آمین۔

سید سبطین علی نقوی امروہوی الحیدری،

مقیم حال قم المقدس

پیش گفتار مترجم

کتاب حاضر عالم بزگوار سید ہاشم ہاشمی کی تالیف ((**حوار مع فضل الله حول الزهراء**)) کا تلخیص وار ترجمہ ہے، جس میں... جناب سیدہؑ کے مقامات و فضائل کے سلسلے میں وارد کیے گیے شبہات کا کامل اور اجتہادی انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ عربی زبان میں تھی اس لیے اکثر فارسی زبان دان حضرات اس کے مطالب سے محروم تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے کا ترجمہ کرنے کی ٹھانی جو جناب فاطمہؑ کے کچھ فضائل کے بارے میں ہے۔ اور خدا کی مدد و نصرت سے ہم نے ان ۲۴۰ صفحات کا پانچ دن میں ترجمہ و تلخیص انجام دی اور اس کا نام ((دفاع از مقامات فاطمہؑ)) رکھا، اس امید کے ساتھ کہ یہ ناچیز (کاوش) مہدی فاطمہؑ کے کچھ زخموں کا مداوا بنے اور حضرت حق عزوجل کی بارگاہ میں درجہ قبولیت سے ہمکنار ہو، ان شاءاللہ!

اس کتاب کے ترجمے اور تلخیص میں جو کام انجام دیے گئے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ بعض طویل اور اضافی حصے یا وہ حصے جو قاری کو الجھا سکتے تھے یا اسے کسی مشکل میں ڈال سکتے تھے، حذف کیے گئے ہیں۔

۲۔ بہت سے کلمات اس لیے کہ متن رواں ہو جائے، اختصار کے ساتھ نقل بمضمون کی روش کے تحت پیش کیے گئے ہیں۔

۳۔اصلی شبہات کی جانب فقط مختصر بیان کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

۴۔ بعض فصول کو حذف کیا ہے اور بعض فضول کے مطالب کو دوسری فصول میں ضم کیا ہے۔

۵۔ بعض جگہوں پر مطالب کے نظم و ترتیب کو بدلا ہے۔

۶۔بیان کی قسم کو بعض حصوں میں بدلا گیا ہے۔

۷۔ بعض مطالب کو بڑھایا گیا ہے اور انہیں ایک اور خط میں لکھا گیا ہے۔ [1]

۸۔ بعض مقامات پر ایک مطلب جو دو باتوں پر مشتمل تھا، ہم نے اسے دو مطالب کی صورت میں درج کیا ہے۔

۹۔ بعض مقامات پر دو مطالب ایک مطلب پر مشتمل تھے لہذا ہم نے انہیں ایک مطلب کی صورت میں بیان کیا ہے۔

۱۰۔ ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں بلکہ رواں اور کبھی نقل بہ مضمون کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

[1] ہم نے یہ مطالب [...] اس علامت کے درمیان درج کیا ہے.(مترجم)

۱۱۔اس لیے کہ متن طولانی نہ ہو اور پڑھنے والا تھک نہ جائے، ہم نے عموماً حدیث کے راویوں کو حذف کر دیا ہے، سوائے ان مقامات کے جہاں رجالی بحث کی ضرورت تھی۔

۱۲۔آیات و روایات کے عربی متن کو درج نہیں کیا گیا مگر ان مقامات پر جہان عربی متن کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔[1]

۱۳۔ جہاں بھی اہل سنت کے اقوال میں اہلبیتؑ کے اسماء کا ذکر ہوا ہے ہم نے وہاں سلام و صلوات کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۔ کتاب کا مقدمے میں مؤلف اور خود متخلص دونوں کے مطالب کو ایک جگہ تلفیقی صورت میں لکھا ہے۔

متن کتاب میں بعض مقامات پر روایات کی اسناد کی تحقیق کی گئی ہے جس کی وجہ سے ان مقامات پر رجالی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں، ممکن ہے کہ قاری ان سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے الجھن کا شکار ہو جائے لہذا ہم یہیں پر ان اصطلاحات کے معنی بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ کتاب کے مطالب سمجھنے میں مددگار ثابت ہو سکے۔

ثقہ راوی: وہ جس کا کلام قابل اعتماد ہو۔

---

[1] البتہ ہم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ کم از کم آیات و روایات کی اصل عربی عبارات ترجمے کے ساتھ نقل کی جائیں. (مترجم)

راوی حسن: وہ راوی جس کی تمجید و تحسین تو ہوئی ہو لیکن اس کا تعارف بطور ثقہ نہ کروایا گیا ہو۔

روایت مستفیض: وہ خبر جس کے راوی زیادہ ہوں اور ہر طبقے میں کم از کم تین افراد نے اسے روایت کیا ہو۔

مجہول راوی: وہ جس کا نام کتب رجال میں نہ آیا ہو یا اگر آیا ہو تو اس کے مجہول ہونے کی تصریح کی گئی ہو۔

مہمل راوی: وہ جس کا کتب رجال میں نام آیا ہو لیکن اس کی مدح یا ذم میں کوئی توضیح پیش نہ کی گئی ہو۔

روایت مرسل: وہ روایات جس کا کم از کم ایک راوی ذکر نہ کیا گیا ہو یا کسی ایسے نے امام سے (براہ راست) روایت کی ہو جو (فاصلہ زمانی یا مکانی کی وجہ سے) امام سے روایت نہیں کر سکتا تھا۔

روایت متواتر: وہ روایت جسے بہت زیادہ افراد نے از روئے یقین روایت کیا ہو اس صورت میں کہ ان سب کا اس روایت کو گھڑنے کے سلسلے میں گھٹ جوڑ کرنا محال ہو اور آدمی اس کے ذریعے سے یقین تک پہنچ جائے۔

روایت حسن: وہ خبر جس کے تمام راوی شیعہ امامی ہوں لیکن اس کا کم از کم ایک راوی بطور ثقہ متعارف نہ کروایا گیا ہو۔

روایت منکر: وہ روایت جو فقط ایک سند کی حامل ہو اور اس کا مضمون بھی مشہور روایت کے مخالف ہو۔

روایت مضمر: وہ روایت جس کا راوی اس امام معصوم کا نام بیان نہ کرے جس سے اس نے روایت نقل کی ہو اور فقط کہے کہ میں نے ان سے سنا یا ان سے پوچھا یا میں نے انہیں لکھا یا انہوں نے فرمایا؛ ایسی روایت عام شرائط کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر یہ کہ راوی ایسا ہو جو امام معصوم کے سوا کسی اور سے سوال نہ کرتا ہو۔

ایک رجالی نکتہ: آیت اللہ خوئیؒ کی معجم رجال الحدیث میں نظریہ تھی کہ کامل الزیارات کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن بعد میں انہوں نے اپنی اس نظر سے رجوع کر لیا تھا، اور فقط ان راویوں کو ثقہ مانتے تھے جن سے صاحب کامل الزیارات نے براہ راست روایات نقل کی ہیں۔ [1] نتیجتاً اس کتاب کی روایات کی صحت و عدم صحت کا حکم آیت اللہ خوئیؒ کی آخری نظر کے مطابق ہو گا۔

والحمد للہ رب العالمین،

سید مہدی مجتہد سیستانی،

۱۴ شعبان ۱۴۳۲

[1] صراط النجاۃ: ج ۲، ص ۴۵۷.

مقدمہ

آخری چند سالوں میں شیعہ معاشرے میں ایک سنجیدہ نوعیت کا خطرہ ظاہر ہوا ہے، اور وہ شیعوں کے پاک عقائد اور ان کی روشن تاریخ پر طعنہ زنی، ان کا تمسخر اڑانا اور ان میں شک ایجاد کرنا ہے۔ یہ مسئلہ ابتداء میں تو اعتقادی و فقہی مسائل میں غلط احتمالات کے بیان کے ساتھ ظاہر ہوا لیکن بڑی تیزی کے ساتھ شیعہ مسلمات کے انکار تک جا پہنچا۔ امام زمانہؑ کے وجود کا انکار، یا یہ کہ روز غدیر ولایت کا بیان کرنا اس طرح نہیں تھا کہ لوگوں کو شک و شبہات سے باہر لے آتا، یا یہ کہ روز غدیر لوگوں کی بیعت ایک تبرکی بیعت تھی نہ کہ بیعت اطاعت، یا یہ کہ جناب زہراءؑ کو شہید نہیں کیا گیا، یا یہ کہ معلوم نہیں کہ بی بی زنان عالم کی سردار ہیں یا نہیں، یا یہ کہ عصمت معصومین جبری ہے اور کوئی قدر و قمیت نہیں رکھتی، یا یہ کہ آئمہ شفاعت و توسل کا وسیلہ نہیں ہیں، یا یہ کہ مسئلہ امامت اسلام کے یقینی مسائل میں سے نہیں ہے وغیرہ جیسے شبہات (جو ایجاد کیے جا رہے ہیں) اور افسوس کے ساتھ یہ شکوک و شبہات دور جدید کے امکانات کو بروئے کار لاتے ہوئے بہت ہی سرعت کے ساتھ مختلف صورتوں میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان شایع کر دیے جاتے ہیں اور یہ معاشرے میں بسنے والے پیر و جوان کے اذہان کو انحراف کی طرف کھینچے لے جاتے ہیں۔ پھر ستم بالائے

ستم یہ کہ ان سب شکوک کے ایجاد کرنے والے خود کو راسخ العقیدہ شیعہ کہتے ہیں جو (اپنی دانست میں) خیمہ تشیع کا دفاع کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انحرافی عقائد اور بے جا تعصبات کو نوچ پھینکیں۔ ان سب مسائل کے درمیان مسئلہ فاطمیہ سب سے زیادہ حملوں کا شکار ہوا ہے۔ ہم نے بھی اس ضمن میں شکوک پیدا کرنے والوں میں سے ایک بڑے شک پیدا کرنے والے کے جواب میں ایک اجتہادی نوعیت کی کتاب لکھنے کی ٹھانی تاکہ اپنی باری کے تحت ان انحرافات کے مقابل کھڑے ہو سکیں اور اپنی ذمہ داری کے مطابق تشیع کے انحاف کی کوششوں کے مقابل کھڑے ہو سکیں۔ البتہ (یہ بات بھی یاد رہے) کہ شیعوں کا ایک صاحب ہے جو ان کی حفاظت کرتا رہے گا اور اہلبیتؑ بھی ایک خدا رکھتے ہیں جو ان کے مکتب کا مدافع رہے گا۔

فصل اول
فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا
سیدۂ نساء عالمین ہیں

اعتراض: اس بات کے جاننے کا کیا فائدہ ہے کہ جناب فاطمہؑ عالم کی بقیہ تمام خواتین، یہاں تک کہ جناب مریمؑ سے بھی افضل ہیں یا نہیں؟ یہ ایسا علم ہے جس کے جاننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور اس سے ناواقف کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا! اس کے علاوہ کہ یہ برتری معلوم (و ثابت) نہیں!

جواب: صحیح انداز میں سمجھانے کے لیے ہم چند حصوں میں مطالب بیان کریں گے:

پہلا حصہ: معرفت کے بارے میں

اس حصے کی توضیح ہم کچھ عناوین کے تحت پیش کریں گے:

پہلا عنوان: معرفت کی قدو قیمت

شیخ صدوق کتاب عیون اخبار الرضاؑ میں سلیمان غازی سے وہ امام رضاؑ سے اور وہ اپنے آباء و اجداد کے توسط سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: الْإِيمَانُ إِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَ عَمَل؛ ایمان، زبان سے اقرار، قلب سے شناخت اور اعضاء

سے عمل ہے۔[1]

یہ حدیث تاکید کرتی ہے کہ ایمان تین چیزوں پر استوار ہے: زبان سے تصدیق، قلب سے قبول اور اس کے مطابق عمل کرنا جسے قبول کیا ہے۔ آیات و روایات اس یقینی مطلب کی تاکید کرتی ہیں کہ عمل اور قبول قلبی کے درمیان کبھی جدائی نہیں ہو سکتی۔

خدائے تعالی فرماتا ہے: ﴿وَ مَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِناً قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى﴾ اور وہ جو اپنے خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اعمال صالح کے ساتھ اس کی بارگاہ میں پہنچیں تو ان کے لیے بہشت کے بالاترین درجات ہیں۔[2]

نیز فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ﴾ وہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے تو خدا انہیں ان کے ایمان کے ذریعے سے ہدایت کرتا ہے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی روایت مروی ہے: الْإِيمَانُ مَا وَقَرَ فِي الْقُلُوبِ وَ صَدَّقَتْهُ الْأَعْمَالُ؛ ایمان وہ چیز ہے جو قلب میں ڈالا جاتا ہے اور اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔[4]

امیر المومنینؑ سے روایت ہوئی ہے: الْإِيمَانُ وَ الْعَقْلُ أَخَوَانِ تَوْأَمَانِ وَ رَفِيقَانِ لَا يَفْتَرِقَانِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَى أَحَدَهُمَا إِلَّا بِصَاحِبِهِ. ایمان و عمل دو ہمزاد بھائی

---

[1] عیون اخبار الرضا: ج۱، ص۲۲۷، ح۵.

[2] طہ: ۷۵.

[3] یونس: ۹.

[4] بحار الانوار: ج۵۰، ص۲۰۸.

اور دوست ہیں جو کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے خدا ان میں سے ایک کے بنا دوسرے کو قبول نہیں کرتا۔[1]

بعض روایات صحیح اعتقاد کے بغیر عمل انجام دینے کو نفاق شمار کرتی ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے بھی اعتقاد کے ساتھ گفتار کے میل کی تائید کی ہے، اور ان دونوں کی ناسازگاری سے ڈرایا ہے۔

خداوند متعال فرماتا ہے: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ ما هُمْ بِمُؤْمِنين﴾ بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا اور روز قیامت پر ایمان لے آئے جب کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔[2]

نیز ارشاد فرماتا ہے: ﴿قالَتِ الْأَعْرابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَ لكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمانُ في‏ قُلُوبِكُم﴾ اور بادیہ نشین عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اے رسول ان سے کہیے: تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔[3]

کثیر تعداد میں روایات نقل ہوئی ہیں جو قول کی عمل کے ساتھ ہمراہی اور ان دونوں میں جدائی کی نفی کرتی ہیں۔

---

[1] غرر الحکم: ص۵۵.

[2] بقرہ:۸.

[3] حجرات: ۱۴

ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَ مَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعا إِلَى اللَّهِ وَ عَمِلَ صالِحاً﴾ اور کون اس شخص سے زیادہ خوش گفتار ہے جو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے اور عمل صالح بجالاتا ہے۔[1]

نیز فرماتا ہے: ﴿أَ حَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَ هُمْ لا يُفْتَنُونَ ۞ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكاذِبِينَ﴾ کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے تا کہ وہ کہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کی آزمائش نہ ہو؟ بے شک کہ ہم نے ان کا بھی امتحان لیا جو ان سے پہلے تھے بے شک خدا جانتا ہے کہ کون سچا ہے اور یقیناً وہ جھوٹوں کو جانتا ہے۔[2]

نیز فرماتا ہے: ﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ ما لا تَفْعَلُونَ ۞ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا ما لا تَفْعَلُونَ﴾ اے وہ جو ایمان لائے وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اور خدا کی نظر میں یہ بات بہت ہی ناپسندیدہ ہے کہ جو تم کہتے ہو اس پر خود عمل نہیں کرتے۔[3]

عبد اللہ بن جعفر حمیری امام صادقؑ سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الْإِيمَانُ قَوْلٌ وَ عَمَلٌ أَخَوَانِ شَرِيكَانِ ایمان، گفتار اور عمل ہے اور یہ دونوں دو برابر کے شریک بھائی ہیں۔[4]

---

[1] فصلت: ۳۳.

[2] عنکبوت: ۲و۳.

[3] صف: ۲و۳.

[4] قرب الاسناد: ص ۲۵، ط موسسہ آل البیتؑ.

اگر انسان اپنی جانب رجوع کرے اور مراحل ایمان کے بارے میں تفکر سے کام لے تو قطعاً دیکھے گا کہ ایمان ابتدا میں اعتقاد قلبی سے شروع ہوتا ہے جو ایک شخص کو زبانی اقرار کی جانب لے جاتا ہے اور پھر اس عقیدے کے مطابق عمل تک پہنچا دیتا ہے اور یہ قدرتی سفر و سیر مختلف ادیان کے متدین افراد کے درمیان پائی جاتی ہے۔

دوسرا عنوان: عقیدے، اقرار اور عمل میں سے کون سا اہم ہے؟

ایک حقیقی مومن کا کمال ایمان ان تینوں سے وابستہ ہے۔ امام صادقؑ سے روایت ہے:

الایمان الاقرار وعمل ونیة؛ ایمان اقرار، عمل اور نیت ہے۔[1]

ان تینوں میں سے جس میں بھی پیشرفت و ترقی ہو گی، درجہ ایمان زیادہ ہو گا کیونکہ ایمان ان تین پر استوار ہے البتہ یہ ان معنوں میں نہیں کہ یہ تینوں ایک ہی درجہ رکھتے ہیں اور یہ تینوں ہی اہمیت کے حساب سے یکساں ہیں۔ نتیجے میں بالاترین حد اظہار تک اقرار کی اہمیت ،اقرار کرنے والے کے مسلمان ہونے اور اس کے پاک ہونے نیز اس کے ہاتھوں سے ذبح شدہ جانور کے حلال ہونے اور اس کے ساتھ نکاح کرنے کے جواز کے حکم کا اجراء ہو گا۔ لیکن ممکن ہے کہ اس شخص کا اقرار قلبی اعتقاد کے بغیر ہو کہ اس صورت میں وہ منافقین کے گروہ میں سے شمار ہو گا، جس کے نتیجے میں اس کے اعمال و اقرار کے عوض اسے کوئی ثواب نصیب نہیں ہو

[1] تحف العقول: ص۲۷۶.

گا۔ کیونکہ یہ ایک ایسے نفس سے صادر ہوا ہے جو اپنے کہے کی تصدیق کرنے والا نہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب و قبولیت اعمال کا معیار دل میں عقائد حقہ کا راسخ ہونا ہے اور اگر کوئی شخص اس مقام کا حامل نہ ہو تو اس پر فقط اسلام کا حکم (ظاہری) جاری ہو گا اور اسے مومن حقیقی شمار نہیں کیا جائے گا۔

روایت صحیحہ میں فضیل بن یسار امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں: إِنَّ الْإِيمَانَ مَا وَقَرَ فِي الْقُلُوبِ وَ الْإِسْلَامَ مَا عَلَيْهِ الْمَنَاكِحُ وَ الْمَوَارِيثُ وَ حَقْنُ الدِّمَاءِ؛ **ایمان وہ چیز ہے** جسے دل میں ڈالا گیا ہے اور اسلام وہ چیز ہے کہ جس پر ازدواج، وراثت اور حرمت جان و خون کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔[1]

قاسم صیرفی کی روایت، جو امام صادقؑ سے نقل ہوئی ہے، میں آیا ہے: الْإِسْلَامُ يُحْقَنُ بِهِ الدَّمُ وَ تُؤَدَّى بِهِ الْأَمَانَةُ وَ تُسْتَحَلُّ بِهِ الْفُرُوجُ وَ الثَّوَابُ عَلَى الْإِيمَانِ. **اسلام سے خون محفوظ ہوتا ہے اور امانت ادا کی جاتی ہے اور ازدواج حلال ہو جاتا ہے لیکن ثواب ایمان پر مرتب ہوتا ہے۔**[2]

شیخ کلینیؒ سند صحیح کے ساتھ حمران بن اعین سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے امام محمد باقرؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: الْإِيمَانُ مَا اسْتَقَرَّ فِي الْقَلْبِ وَ أَفْضَى بِهِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ صَدَّقَهُ الْعَمَلُ بِالطَّاعَةِ لِلَّهِ وَ التَّسْلِيمِ لِأَمْرِهِ وَ الْإِسْلَامُ مَا ظَهَرَ مِنْ قَوْلٍ

---

[1] الکافی: ج ۲، ص ۲۶، ح ۳.

[2] الکافی: ج ۲، ص ۲۵، ح ۶.

أَوْ فِعْلٍ وَ هُوَ الَّذِي عَلَيْهِ جَمَاعَةُ النَّاسِ مِنَ الْفِرَقِ كُلِّهَا وَ بِهِ حُقِنَتِ الدِّمَاءُ وَ عَلَيْهِ جَرَتِ الْمَوَارِيثُ وَ جَازَ النِّكَاحُ وَ اجْتَمَعُوا عَلَى الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ وَ الصَّوْمِ وَ الْحَجِّ فَخَرَجُوا بِذَلِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَ أُضِيفُوا إِلَى الْإِيمَانِ وَ الْإِسْلَامُ لَا يَشْرَكُ الْإِيمَانَ وَ الْإِيمَانُ يَشْرَكُ الْإِسْلَامَ وَ هُمَا فِي الْقَوْلِ وَ الْفِعْلِ يَجْتَمِعَانِ كَمَا صَارَتِ الْكَعْبَةُ فِي الْمَسْجِدِ وَ الْمَسْجِدُ لَيْسَ فِي الْكَعْبَةِ وَ كَذَلِكَ الْإِيمَانُ يَشْرَكُ الْإِسْلَامَ وَ الْإِسْلَامُ لَا يَشْرَكُ الْإِيمَانَ وَ قَدْ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ ﴿قالَتِ الْأَعْرابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَ لكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾[1] فَقَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ أَصْدَقُ الْقَوْلِ قُلْتُ قُلْتُ فَهَلْ لِلْمُؤْمِنِ فَضْلٌ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي شَيْءٍ مِنَ الْفَضَائِلِ وَ الْأَحْكَامِ وَ الْحُدُودِ وَ غَيْرِ ذَلِكَ فَقَالَ لَا هُمَا يَجْرِيَانِ فِي ذَلِكَ مَجْرَى وَاحِدٍ وَ لَكِنْ لِلْمُؤْمِنِ فَضْلٌ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي أَعْمَالِهِمَا وَ مَا يَتَقَرَّبَانِ بِهِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ قُلْتُ أَ لَيْسَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ يَقُولُ ﴿مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها﴾[2] وَ زَعَمْتَ أَنَّهُمْ مُجْتَمِعُونَ عَلَى الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ وَ الصَّوْمِ وَ الْحَجِّ مَعَ الْمُؤْمِنِ قَالَ أَ لَيْسَ قَدْ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ ﴿فَيُضاعِفَهُ لَهُ أَضْعافاً كَثِيرَةً﴾[3] فَالْمُؤْمِنُونَ هُمُ الَّذِينَ يُضَاعِفُ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُمْ حَسَنَاتِهِمْ لِكُلِّ حَسَنَةٍ سَبْعُونَ ضِعْفاً فَهَذَا فَضْلُ الْمُؤْمِنِ وَ يَزِيدُهُ اللَّهُ فِي حَسَنَاتِهِ عَلَى قَدْرِ صِحَّةِ إِيمَانِهِ أَضْعَافاً كَثِيرَةً وَ يَفْعَلُ اللَّهُ بِالْمُؤْمِنِينَ مَا يَشَاءُ مِنَ الْخَيْرِ قُلْتُ أَ رَأَيْتَ مَنْ دَخَلَ فِي الْإِسْلَامِ أَ لَيْسَ هُوَ دَاخِلًا فِي الْإِيمَانِ فَقَالَ لَا وَ لَكِنَّهُ قَدْ أُضِيفَ إِلَى

---

1 الحجرات:۱۴۔

2 الأنعام:۱۶۰۔

3 البقرة:۲۴۵۔

الْإِيمَانِ وَ خَرَجَ مِنَ الْكُفْرِ وَ سَأَضْرِبُ لَكَ مَثَلًا تَعْقِلُ بِهِ فَضْلَ الْإِيمَانِ عَلَى الْإِسْلَامِ أَ رَأَيْتَ لَوْ بَصُرْتَ رَجُلًا فِي الْمَسْجِدِ أَ كُنْتَ تَشْهَدُ أَنَّكَ رَأَيْتَهُ فِي الْكَعْبَةِ قُلْتُ لَا يَجُوزُ لِي ذَلِكَ قَالَ فَلَوْ بَصُرْتَ رَجُلًا فِي الْكَعْبَةِ أَ كُنْتَ شَاهِداً أَنَّهُ قَدْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَ كَيْفَ ذَلِكَ قُلْتُ إِنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَى دُخُولِ الْكَعْبَةِ حَتَّى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ قَدْ أَصَبْتَ وَ أَحْسَنْتَ ثُمَّ قَالَ كَذَلِكَ الْإِيمَانُ وَ الْإِسْلَامُ. ایمان وہ چیز ہے جو قلب میں مستقر ہوتا ہے اور قلب کی خدا کی جانب ہدایت کرتا ہے، اور خدا کے حکم کی اطاعت اور اس کے عمل کے سامنے تسلیم ہونے کی تصدیق کرتا ہے اور اسلام وہ چیز ہے کہ گفتار یا اعمال سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ اسلام وہ چیز ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اپنے تمام فرقوں کے ساتھ اس پر ہیں اور اس کے ذریعے سے ان کا خون محترم و محفوظ ہو جاتا ہے اور ارث کے احکامات ان پر مرتب ہوتے ہیں اور نکاح کرنا حلال قرار پاتا ہے اور لوگ نماز، زکات، روزے اور حج پر اجتماع کرتے ہیں اور اس کے واسطے سے کفر سے خارج اور ایمان سے منسوب ہوتے ہیں، اسلام ایمان کے ساتھ شریک نہیں جبکہ ایمان اسلام کے ساتھ شریک ہے اور یہ دو گفتار و عمل میں ایک ساتھ ہیں ویسے ہی جیسے کعبہ مسجد (الحرام) میں ہے لیکن مسجد (الحرام) کعبے میں نہیں ایسے ہی ایمان اسلام کے ساتھ شریک ہے لیکن اسلام ایمان کے ساتھ شریک نہیں...

میں نے عرض کی: کیا مسلمان پر مومن کو فضائل، احکامات اور حدود وغیرہ میں کوئی فضیلت حاصل ہے؟ امام نے فرمایا: نہیں، اس بارے میں یہ دونوں ایک سا ہی معاملہ رکھتے ہیں لیکن مومن و مسلم کے اعمال اور وہ جس کے ذریعے سے یہ خدا کے متقرب شمار ہوتے ہیں میں

مومن کو مسلم پر فضیلت حاصل ہے۔

میں نے عرض کی: کیا خدا نہیں فرماتا کہ جو کوئی بھی نیکی لائے گا (چاہے مومن ہو یا مسلم) اس کے لیے دس برابر اجر ہے اور آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ لوگ نماز، زکات، روزے اور حج پر مومن کے ساتھ جمع ہوتے ہیں؟

امام نے فرمایا: کیا خدائے عزوجل نہیں فرماتا: اس کے لیے چند برابر اضافہ فرمائے گا؟ لہذا مومن وہی ہیں جن کے لیے خدائے عزوجل حسنات کو بڑھادے گا، ہر نیکی کے بدلے ستر نیکیاں اور یہ مومن کا فضل ہے، خدا مومن کی نیکیوں میں اس کے ایمان کی صحت کے مطابق چند برابر نیکیاں بڑھادے گا، اور وہ جس قسم کی بھی نیکی چاہے مومن کے ساتھ انجام دے۔

میں نے عرض کی: کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اسلام کے دائرے میں داخل ہوا ہے وہ ایمان کے دائرے میں داخل نہیں ہوا؟

امام نے فرمایا: نہیں (داخل نہیں ہوا) لیکن ایسا شخص ایمان کی جانب منسوب ہوا ہے اور کفر سے خارج ہو گیا ہے، میں تیرے لیے ایک مثال بیان کرتا ہوں جس کے ذریعے سے تو اسلام پر ایمان کی فضیلت کو پالے گا۔ اگر تو کسی شخص کو مسجد الحرام میں دیکھے تو کیا گواہی دے گا کہ تو نے اسے کعبے میں دیکھا ہے؟

میں نے کہا: ایسی شہادت دینا میرے لیے جائز نہیں۔

امام نے فرمایا: اگر تو کسی مرد کو کعبے میں دیکھے تو کیا گواہی دے گا کہ تو نے اسے مسجد الحرام

میں دیکھا ہے؟

میں نے کہا: جی میں گواہی دونگا۔

امام نے فرمایا: کیوں؟

میں نے کہا: کیونکہ وہ کعبے میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک مسجد الحرام میں داخل نہ ہو

امام نے فرمایا: بالکل صحیح کہا۔اس کے بعد فرمایا: ایمان واسلام بھی ایسے ہی ہیں۔[1]

اس بناپر اگر اقرار کرنے والے کا اقرار اور اعمال قلبی اعتقاد کی بناپر نہ ہوں، تو اس کے اقرار و عمل کی کوئی قیمت نہیں اور ایسا عمل کرنے والا پروردگار کی بارگاہ میں کسی چیز کا مستحق قرار نہیں پائے گا۔ فقط مومن ہے جو اجر و ثواب اور قربِ الہی کا مستحق ہے۔ البتہ روایات کا ایک مجموعہ عمل کی اہمیت پر تاکید کرتا ہے اور عمل انجام نہ دینے والے کو دائرہ ایمان سے خارج شمار کرتا ہے۔ جیسا کہ عبدالرحیم قصیر کو امام صادقؑ کے لکھے گئے خط میں وارد ہوا ہے:

فَإِذَا أَتَى الْعَبْدُ كَبِيرَةً مِنْ كَبَائِرِ الْمَعَاصِي أَوْ صَغِيرَةً مِنْ صَغَائِرِ الْمَعَاصِي الَّتِي نَهَى اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَنْهَا كَانَ خَارِجاً مِنَ الْإِيمَانِ سَاقِطاً عَنْهُ اسْمُ الْإِيمَانِ وَ ثَابِتاً عَلَيْهِ اسْمُ الْإِسْلَامِ فَإِنْ تَابَ وَ اسْتَغْفَرَ عَادَ إِلَى دَارِ الْإِيمَانِ؛ جب بندہ گناہان کبیرہ میں سے کوئی کبیرہ گناہ یا گناہان صغیرہ میں سے کوئی ایسا صغیرہ گناہ انجام دیتا ہے جس کی خدا نے نہی فرمائی

[1] الکافی: ج ۲، ص ۲۶، ح ۵۔

ہو تو وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور اس سے اسم ایمان ساقط ہو جاتا ہے لیکن اسم اسلام اس پر ثابت رہتا ہے پس اگر وہ توبہ و استغفار کرے تو ایمان کی قلمرو میں لوٹ آتا ہے۔[1]

البتہ یہ بات بیان سے نہ رہے کہ گناہ گار روز قیامت عفو و شفاعت سے بہرہ مند ہو گا لیکن یہ اسی وقت ہو گا جب اس کا اعتقاد قلبی صحیح ہو لیکن وہ جو صحیح عقائد اور ولایت اہلبیتؑ پر ایمان نہیں رکھتے وہ ان میں سے کسی چیز کے مستحق نہیں اور یہ ہم نے ان روایات کی وجہ سے کہا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اعمال کی قبولیت اہلبیتؑ کی ولایت کے اعتقاد سے مشروط ہے بلکہ خدا اور رسول پر ایمان کی قبولیت بھی اسی امر سے مشروط ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: وہ حدیث شریف جو ہم نے بیان کی ہے جو ولایت و معرفت اہلبیتؑ کو اعمال کی قبولیت کی شرط قرار دیتی ہے، امور مسلمہ میں سے محسوب ہوتی ہے بلکہ مذہب تشیع کی ضروریات میں سے ہے اور اس بارے میں روایات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب کی توان و قدرت سے باہر ہیں اور اس سے زیادہ حجم کی خواستگار بھی... ان سب کے مجموعے سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ ولایت اہلبیتؑ خدا کی بارگاہ میں اعمال کی قبولیت بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کی قبولیت کی بھی شرط ہے۔[2]

---

[1] الکافی: ج ۲، ص ۲۷.

[2] الاربعون حدیثا: ص ۵۱۲.

یہاں سے عمل پر اعتقاد قلبی کی شدید اہمیت آشکار ہو جاتی ہے۔ البتہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ عمل کی قدر و قیمت کم کریں یا کسی شخص کو ترک عمل کی دعوت دیں اس دلیل کی بنا پر کہ وہ عقائد حقہ کا معتقد اور تصدیق کرنے والا ہے، لیکن یہاں پر غرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز، روزہ، جہاد جیسے اعمال صالحہ کثرت سے انجام دے، لیکن صحیح عقیدے کا حامل نہ ہو تو اس کا عمل گرد و خاک کی طرح پراگندہ ہو جائے گا اور خدا اسے منہ کے بل آتش میں جھونک دے گا۔ دوسری جانب اگر اعمال حقہ کے ہوتے ہوئے عمل میں کمی ہو اور کبھی گناہ کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہو تو ایسے شخص کا حال (پھر بھی) پہلے شخص سے بہتر ہو گا چاہے یہ عذاب اخروی میں تخفیف کے باعث ہو یا خدا کے لطف کے ذیل میں اس کے گناہوں سے چشم پوشی کے ذریعے۔

تیسرا عنوان: وہ عقیدہ جو معرفت کے بغیر ہو، قبول نہیں

ظاہر ہے کہ قلبی اعتقاد معرفت کے بنا کامل نہیں اور کوئی بھی انسان کسی چیز کی معرفت کے بغیر اس کا معتقد نہیں ہوتا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ درجہ اول میں ایمان کی بنیاد، معرفت ہے، وہ معرفت جس پر قلبی اعتقاد استوار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں ایمان کی قبولیت کا معیار معرفت کو قرار دیا گیا ہے نہ کہ اعتقاد کو اور یہ اس وجہ سے ہے کیونکہ اعتقاد خود معرفت پر کھڑا ہے۔

امام محمد باقرؑ سے روایت ہوئی کہ آپ نے فرمایا: لَا يُقْبَلُ عَمَلٌ إِلَّا بِمَعْرِفَةٍ وَ لَا مَعْرِفَةَ إِلَّا بِعَمَلٍ وَ مَنْ عَرَفَ دَلَّتْهُ مَعْرِفَتُهُ عَلَى الْعَمَلِ وَ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ فَلَا عَمَلَ لَهُ. عمل قبول نہیں ہوتا مگر معرفت کے ذریعے سے، اور معرفت نہیں مگر عمل کے ساتھ اور جو معرفت کا حامل ہوگا، وہ اسے عمل کی جانب لے جائے گی اور جو معرفت نہ رکھتا ہو اس کے لیے عمل نہیں ہے۔[1]

شیخ کلینیؒ نے عین یہی روایت امام صادقؑ سے نقل کی ہے اس فرق کے ساتھ کہ آخری جملے کی جگہ یہ آیا ہے: أَلَا إِنَ الْإِيمَانَ بَعْضُهُ مِنْ بَعْضٍ. جو کوئی بھی عمل نہ کرے، اس کے لیے کوئی معرفت نہیں۔[2]

[البتہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان اس کی شناخت میں غلطی کر بیٹھتا ہے کیونکہ شناخت کے مقدمات غلط ہوتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود اپنے ذہن کے سامنے بے جا تعصب کو معرفت کے نام پر پیش کرتا ہے۔ واضح ہے کہ ہمارا بنا معرفت کے کسی چیز کے معتقد نہ ہونے سے مقصود معرفت حقیقی ہے۔]

چوتھا عنوان: معرفت کا کردار

معرفت کی اہمیت عقائد حق کو عقائد باطل سے تشخیص دینے میں آشکار ہوتی ہے، اس بناپر

[1] تحف العقول: ص ۲۱۵.

[2] الکافی: ج ۱، ص ۴۴.

جس کی معرفت مرض زدہ ہو وہ تمام تر انحرافات کے ساتھ مذاہب باطل کی پیروی کرتا ہے۔ نتیجتاً ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص خدا کے جسم ہونے، انسان کا اپنے اعمال انجام دینے میں مجبور ہونے، سعادت کے لیے بنا عمل فقط اعتقاد رکھنے کو کافی سمجھنے اور انبیاء کے معصوم نہ ہونے وغیرہ کا معتقد ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف درجات ایمان میں ترقی کے لیے معرفت ایک اہم کردار عطا کرتی ہے، آیات و روایات میں یہ مطلب بیان ہوا ہے کہ خدا کے تقرب و تبعد کے معاملے میں مومنین کے درجات و رتبات ان کے درجات ایمان کے حساب سے ہیں۔

خداوند متعالم ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجاتٍ﴾ خدا اہل ایمان اور صاحبان علم کا مقام بلند کرتا ہے۔[1]

شیخ کلینیؒ عبدالعزیز قراطیسی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: يَا عَبْدَ الْعَزِيزِ إِنَّ الْإِيمَانَ عَشْرُ دَرَجَاتٍ بِمَنْزِلَةِ السُّلَّمِ يُصْعَدُ مِنْهُ مِرْقَاةً بَعْدَ مِرْقَاةٍ فَلَا يَقُولَنَّ صَاحِبُ الِاثْنَيْنِ لِصَاحِبِ الْوَاحِدِ لَسْتَ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى الْعَاشِرِ فَلَا تُسْقِطْ مَنْ هُوَ دُونَكَ فَيُسْقِطَكَ مَنْ هُوَ فَوْقَكَ وَ إِذَا رَأَيْتَ مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكَ بِدَرَجَةٍ فَارْفَعْهُ إِلَيْكَ بِرِفْقٍ وَ لَا تَحْمِلَنَّ عَلَيْهِ مَا لَا يُطِيقُ فَتَكْسِرَهُ- فَإِنَّ مَنْ كَسَرَ مُؤْمِناً فَعَلَيْهِ جَبْرُهُ. اے عبدالعزیز! ایمان کے دس درجات ہیں ویسے ہی جیسے سیڑھیوں سے ایک ایک کر کے اوپر چڑھا جاتا ہے۔ پس جو سیڑھی کے دوسرے درجے پر کھڑا

---

[1] مجادلہ: ۱۱۔

ہے اسے پہلے درجے پر کھڑے شخص سے یہ نہیں کہنا چاہیے: تو ایمان کا حامل نہیں اور یونہی یہ معاملہ سیڑھی کے دسویں درجے تک جاتا ہے۔ نیز وہ جو تجھ سے ایمان میں کم تر ہے اسے بے ایمان نہ جان (کیونکہ اس صورت میں) وہ جو تجھ سے بالاتر درجہ ایمان رکھتا ہے تجھے بے ایمان جانے گا۔ اور جب تو دیکھ کہ کوئی تجھ سے کمتر درجہ ایمان رکھتا ہے تو اسے نرمی اور محبت کے ساتھ اپنے درجے تک اوپر لے کر آ اور جس چیز کی وہ طاقت نہیں رکھتا اس کا بوجھ اس پر نہ ڈال مبادا وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے کیونکہ جو کوئی بھی کسی مومن کی ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنے تو اس کی بھرپائی بھی اسی کے ذمہ ہو گی۔[1]

پانچواں عنوان: وہ روایات جو معرفت کے حساب سے ایمان کی رتبہ بندی پر دلالت کرتی ہیں

یہ روایات چند قسم کی ہیں:

پہلی قسم: وہ روایات جو سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ کے درجہ ایمان کے تفاوت پر دلالت کرتی ہیں، من جملہ:

---

[1] الکافی: ج ۲، ص ۴۴، ح ۲.

الف) شیخ مفیدؒ امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمانؓ سے فرمایا: لَوْ عُرِضَ عِلْمُكَ عَلَى مِقْدَادَ لَكَفَرَ؛ اگر تیرا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے گا۔[1]

ب) فتال نیشاپوری امام صادقؑ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: الْإِيمَانُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ فَالْمِقْدَادُ فِي الثَّامِنَةِ وَ أَبُو ذَرٍّ فِي التَّاسِعَةِ وَ سَلْمَانُ فِي الْعَاشِرَةِ. ایمان کے دس درجات ہیں، مقداد اٹھویں درجے پر، ابوذر نویں جبکہ سلمان دسویں درجے پر ہیں۔[2]

ج) شیخ مفید عیسیٰ بن حمزہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے امام سے عرض کیا: الْحَدِيثُ الَّذِي جَاءَ فِي الْأَرْبَعَةِ قَالَ وَ مَا هُوَ قُلْتُ الْأَرْبَعَةُ الَّتِي اشْتَاقَتْ إِلَيْهِمُ الْجَنَّةُ قَالَ نَعَمْ مِنْهُمْ سَلْمَانُ وَ أَبُو ذَرٍّ الْغِفَارِيُّ وَ الْمِقْدَادُ وَ عَمَّارٌ قُلْتُ فَأَيُّهُمْ أَفْضَلُ قَالَ سَلْمَانُ ثُمَّ أَطْرَقَ ثُمَّ قَالَ عَلِمَ سَلْمَانُ عِلْماً لَوْ عَلِمَهُ أَبُو ذَرٍّ الْغِفَارِيُّ كَفَرَ. ان چار افراد کے بارے میں جو حدیث وارد ہوئی ہے (کیا وہ صحیح ہے)؟ امام نے فرمایا: کون سی حدیث؟ میں نے عرض کی: یہ کہ بہشت چار افراد کی مشتاق ہے۔ امام نے فرمایا: وہ سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار ہیں۔ میں نے کہا: ان میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا: سلمان اور اس کے بعد آپ خاموش ہو گئے؛ پھر فرمایا: سلمان کے پاس وہ علم تھا کہ اگر ابوذر اس سے واقف ہوتے تو کافر ہو جاتے۔[3]

---

[1] الاختصاص: ص ۱۱؛ اختیار معرفۃ الرجال: ص ۲۳، ح ۱۱.

[2] روضۃ الواعظین: ص ۳۰۷.

[3] الاختصاص: ص ۱۲.

اس کے علاوہ اسی زمینے میں دوسری وارد شدہ روایات جو اختیار معرفۃ الرجال اور الکافی میں درج ہیں۔[1]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلمان کی ابوذر و مقداد و عمار پر برتری ان کے علم و معرفت کی برتری کی وجہ سے تھی۔

شیخ طوسیؒ اسی زمینے میں آیہ مباہلہ کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب (یعنی علماء تشیع) کا کہنا ہے کہ حسنینؑ اپنے نانا اور بابا کے بعد صحابہ میں سب سے افضل تھے کیونکہ کثرت ثواب کثرت اعمال پر متوقف نہیں اور اس وجہ سے ان کی کم سنی اس امر میں مانع نہیں کہ ان کی خدا کی معرفت واطاعت اور ان کا رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرنا ایسا ہو کہ یہ اپنے تمام ہم عصر افراد سے زیادہ مستحق ثواب قرار پائیں۔[2]

دوسری قسم: وہ روایات جو بیان کرتی ہیں کہ کلام اہلبیتؑ صعب المستصعب (یعنی دشوار اور سخت فہم) ہے اور ہر کوئی اسے سمجھ نہیں سکتا۔ اگر ہم ان احادیث کو متواتر نہ بھی کہیں تو کم از کم یہ مستفیض ضرور ہیں؛ من جملہ:

الف) بصائر الدرجات میں امام صادقؑ سے صحیح سند کے ساتھ نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: حَدِيثُنَا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لَا يُؤْمِنُ بِهِ إِلَّا مَلَكٌ مُقَرَّبٌ أَوْ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ أَوْ عَبْدٌ

---

1 اختیار معرفۃ الرجال: ص۱۷، ح۴۰؛ الکافی: ج۱، ص۴۰۱، ح۲.

2 التبیان فی تفسیر القرآن: ج۲، ص۴۸۵.

امْتَحَنَ اللَّهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ فَمَا عَرَفَتْ قُلُوبُكُمْ فَخُذُوهُ وَ مَا أَنْكَرَتْ فَرُدُّوهُ إِلَيْنَا. ہماری حدیث دشوار اور سخت فہم ہے، اس پر ایمان نہیں لاتے مگر ملک مقرب، یا نبی مرسل یا وہ شخص جس کے دل کا خدا نے ایمان کے ذریعے امتحان لے لیا ہو پس جو کچھ (ان احادیث) میں سے تمہارے قلوب نے سمجھ لیا انہیں قبول کر لو اور جنہیں قبول نہیں کیا انہیں ہماری جانب ہی پلٹا دو۔[1]

ب) جابر جعفی امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: يَا جَابِرُ حَدِيثُنَا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ، أَمْرَدُ ذَكْوَانُ وَعْرٌ أَجْرَدُ لَا يَحْتَمِلُهُ وَ اللَّهِ إِلَّا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ أَوْ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ أَوْ مُؤْمِنٌ مُمْتَحَنٌ، فَإِذَا وَرَدَ عَلَيْكَ يَا جَابِرُ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِنَا فَلَانَ لَهُ قَلْبُكَ فَاحْمَدِ اللَّهَ، وَ إِنْ أَنْكَرْتَهُ فَرُدُّوهُ إِلَيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ، وَ لَا تَقُلْ كَيْفَ جَاءَ هَذَا! وَ كَيْفَ كَانَ وَ كَيْفَ هُوَ! فَإِنَّ هَذَا وَ اللَّهِ الشِّرْكُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ. اے جابر ہماری حدیث بہت ہی دشوار اور سخت فہم ہے۔ خدا کی قسم اسے برداشت نہیں کر سکتے مگر نبی مرسل یا ملک مقرب یا وہ مومن جس کا امتحان لیا جا چکا ہو، پس جب بھی تجھ تک ہمارے امر میں سے کچھ پہنچے اور تیرا قلب اسے قبول کرے تو اس پر خدا کی حمد کر اور اگر تیرا دل اس سے انکار کرے تو اسے ہماری طرف پلٹا دے اور یہ نہ کہہ ایسا کلام کس طرح کہا جا سکتا ہے؟ اور کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یہ کیا ہے؟ کیونکہ خدا کی قسم یہ خدائے عظیم کے ساتھ شرک ہے۔[2]

---

[1] بصائر الدرجات: ص ۴۱، ح ۴.

[2] اختیار معرفۃ الرجال: ص ۱۱۳، ح ۳۴۱.

ج) شیخ کلینیؒ ابو بصیر سے نقل کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّ عِنْدَنَا وَ اللَّهِ سِرّاً مِنْ سِرِّ اللَّهِ وَ عِلْماً مِنْ عِلْمِ اللَّهِ وَ اللَّهِ مَا يَحْتَمِلُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَ لَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَ لَا مُؤْمِنٌ امْتَحَنَ اللَّهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ وَ اللَّهِ مَا كَلَّفَ اللَّهُ ذَلِكَ أَحَداً غَيْرَنَا وَ لَا اسْتَعْبَدَ بِذَلِكَ أَحَداً غَيْرَنَا وَ إِنَّ عِنْدَنَا سِرّاً مِنْ سِرِّ اللَّهِ- وَ عِلْماً مِنْ عِلْمِ اللَّهِ أَمَرَنَا اللَّهُ بِتَبْلِيغِهِ فَبَلَّغْنَا عَنِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ مَا أَمَرَنَا بِتَبْلِيغِه... اے ابا محمد! بے شک ہمارے پاس خدا کے اسرار میں سے سر اور اس کے علم میں سے علم ہے، خدا کی قسم انہیں کوئی برداشت نہیں کر سکتا، نہ ملک مقرب، نہ نبی مرسل اور نہ وہ مومن جس کے دل کا خدا نے امتحان لے رکھا ہو، خدا کی قسم، خدا نے ہمارے سوا کسی کو ان کی ذمہ داری نہیں سونپی اور اس مورد میں ہمارے سوا کسی غیر سے طلب بندگی نہیں کی۔ بے شک ہمارے پاس خدا کے سر میں سے سر اور اس کے علم میں سے علم ہے جس کی تبلیغ کا خدا نے ہمیں حکم نہیں فرمایا، پس ہم نے اسی کی تبلیغ کی جس کا خدا نے ہمیں حکم فرمایا تھا...[1]

تیسری قسم: وہ روایات جن میں بعض اصحاب کی مدح وارد ہوئی ہے؛ من جملہ:

الف) فضل بن شاذان ایک واسطے سے امام رضاؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابو حمزہ ثمالی اپنے زمانے کے سلمان تھے... اور یونس (بن عبد الرحمن) اپنے زمانے کے سلمان تھے۔

ب) ابو جعفر بصری کہتے ہیں: میں یونس بن عبد الرحمن کے ہمراہ امام رضاؑ کی خدمت میں

[1] الکافی: ج۱، ص ۴۰۲، ح۵.

مشرف ہوا، یونس نے اپنے حق میں دوسرے اصحاب کی جانب سے کی جانے والی بدگوئیوں کی شکایت کی، امام نے ان سے فرمایا: ان کے ساتھ نرمی برتو کیونکہ ان کی عقول رسا نہیں ہیں۔

ج) ایک اور حدیث میں آیا ہے: یونس بن عبدالرحمن نے امام رضاؑ سے عرض کی: جَعَلَنِيَ اللَّهُ فِدَاكَ إِنِّي أُحَامِي عَنْ هَذِهِ الْمَقَالَةِ وَ هَذِهِ حَالِي عِنْدَ أَصْحَابِي! فَقَالَ لَهُ أَبُو الْحَسَنِ (ع): يَا يُونُسُ وَ مَا عَلَيْكَ مِمَّا يَقُولُونَ إِذَا كَانَ إِمَامُكَ عَنْكَ رَاضِياً! يَا يُونُسُ حَدِّثِ النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، وَ اتْرُكْهُمْ مِمَّا لَا يَعْرِفُونَ، ... يَا يُونُسُ وَ مَا عَلَيْكَ أَنْ لَوْ كَانَ فِي يَدِكَ الْيُمْنَى دُرَّةٌ ثُمَّ قَالَ النَّاسُ بَعْرَةٌ أَوْ قَالَ النَّاسُ دُرَّةٌ، أَوْ بَعْرَةٌ فَقَالَ النَّاسُ دُرَّةٌ، هَلْ يَنْفَعُكَ ذَلِكَ شَيْئاً فَقُلْتُ لَا، فَقَالَ: هَكَذَا أَنْتَ يَا يُونُسُ، إِذْ كُنْتَ عَلَى الصَّوَابِ وَ كَانَ إِمَامُكَ عَنْكَ رَاضِياً لَمْ يَضُرَّكَ مَا قَالَ النَّاسُ. میں آپ پر قربان، میں تشیع کا دفاع کرتا ہوں اور میرے اصحاب مجھے کیا کیا نہیں کہتے! امام رضاؑ نے فرمایا: اے یونس! اگر تیرا امام تجھ سے راضی ہو تو ان کے کہنے سے تجھ پر کیا فرق پڑے گا؟ اے یونس لوگوں سے اس کے مطابق بات کرو جسے وہ جانتے ہیں اور اس بات کو چھوڑ دو جسے وہ نہیں جانتے... اے یونس! اگر تیرے ہاتھ میں موتی ہو اور لوگ اسے جانوروں کا فضلہ کہیں تو تجھے کیا نقصان ہوگا اور اگر تیرے ہاتھوں میں جانور کا فضلہ ہو اور دنیا اسے موتی کہے تو تجھے اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ تو بات ایسی ہے اے یونس! اگر تو ٹھیک راہ پر ہے اور تیرا امام بھی تجھ سے راضی ہے تو لوگوں کی باتیں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔[1]

[یہ احادیث اس بات کی خبر دیتی ہیں کہ یونس کی معرفت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔]

[1] اختیار معرفۃ الرجال: ص۴۸۷.

چوتھی قسم: وہ احادیث جو بصورت مطلق ایمان کی درجہ بندی کے بارے میں کلام کرتی ہیں؛ من جملہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَفْضَلُكُمْ إِيمَاناً أَفْضَلُكُمْ مَعْرِفَةً. تم میں ایمان میں سب سے افضل وہ ہے جو معرفت میں سب سے برتر ہے۔[1]

امیر المومنینؑ سے نقل ہوا ہے: إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبَ أَوْعِيَةٌ فَخَيْرُهَا أَوْعَاهَا؛ قلوب ظروف ہیں اور ان میں بہترین وہ ہے جو سب سے زیادہ وسیع ہو۔[2]

چھٹا عنوان: خدا سے محبت کے درجات، درجات معرفت کے فرق سے وابستہ ہیں

ملا مہدی نراقیؒ اس زمینے میں راقم ہیں: جان لو کہ تمام مومنین اصل محبت میں خدا کی نسبت مشترک ہیں لیکن ایک اندازے کے مطابق دو سبب کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں: پہلا سبب، ان کا معرفت اللہ اور حب دنیا میں تفاوت ہے بے شک اکثر لوگ معرفت اللہ میں سے ہاتھوں میں کچھ نہیں رکھتے مگر اسی قدر کہ جس قدر ان کے کانوں نے سنا ہے کہ وہ فلاں فلاں صفت کا حامل ہے، بنا اس کے کہ وہ ان کی حقیقت معنیٰ تک پہنچیں۔ وہ معتقد ہیں کہ یہ موجودات جو مشاہدہ کی جاتی ہیں، اس کی خلق کردہ ہیں اور وہ اس کے عجائب قدرت اور

---

1 جامع الاخبار: ص۳۶، ح۱۸.

2 نہج البلاغہ: حکمت ۱۴۷.

غرائب حکمت جو ان میں ودیعت کیا گیا ہے میں تدبر کے بغیر یہ کام کرتے ہیں لیکن عارفین مختلف مخلوقات کے دریائے تفکر وتدبر میں غوطہ زنی سے بہرہ مند ہیں اور انہیں مخفی حکمتیں ہاتھ لگتی ہیں اور عجیب مصلحتیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اس سے بہرہ مند ہے۔ پس زیادہ تر لوگ فرد عامی ہیں جو کسی عالم کو اس لیے کہ سنا ہے اس کی تحریر اچھی ہے، دوست جانتے ہیں اس چیز کے جانے اور معرفت حاصل کیے بنا کہ اس نے کیا لکھا ہے، در نتیجہ ان کے لیے اجمالی معرفت ہے اور اس کی اچھائی کی وجہ سے یہ اجمالی میل ورغبت رکھتے ہیں۔ لیکن عارفین کی مثال اس عالم کی طرح ہے جو اس عالم کی تحریر کی تحقیق کرتا ہے اور اس کے دقیق معنی اور رسا عبارتوں سے واقف ہوتا ہے۔ دوسری جانب چونکہ خدا کی حکمتوں کے دقائق اور اس کی قدرت کے عجائب تمام ہونے والے نہیں اور کسی کے لیے بھی ممکن نہیں کہ ان کا بطور کلی احاطہ کر سکے اور ہر کوئی اپنی استعداد کے مطابق ہی ان تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، لہذا محبت کے مراتب بھی تمام ہونے والے نہیں اور یوں ہر بندہ اس مرتبے تک ہی پہنچتا ہے جو اس کی معرفت کا تقاضا ہے۔[1]

[1] جامع السعادات: ج۳، ص ۱۷۰۔

ساتواں عنوان: اہلبیتؑ کے مقامات و فضائل کی معرفت و شناخت درجات کی بلندی کی وجوہات میں سے ہے۔

معرفت کی انواع میں سے ایک اہم قسم جس کے واسطے سے مومنین درجات ایمان میں ایک دوسرے پر برتری وفضیلت حاصل کرتے ہیں، اہلبیتؑ کے مقامات و فضیلتوں کی معرفت اور ان کی بارگاہ خدا میں منزلت کی شناخت ہے۔ اس بنا پر یہ روایت ہے جو سلمان نے امیر المومنینؑ سے نقل کی ہے کہ سلمان نے آپؑ سے کہا: اے کوفے کے مقتول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! خدا کی قسم اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ مژدہ ہو اور خدا سلمان کے قاتل پر رحم کرے، تو میں آپ کی شان میں وہ مقامات ذکر کرتا کہ نفوس خوفزدہ ہو جاتے۔[1]

شیخ کلینیؒ سند صحیح کے ساتھ امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں: ذِرْوَةُ الْأَمْرِ وَ سَنَامُهُ وَ مِفْتَاحُهُ وَ بَابُ الْأَشْيَاءِ وَ رِضَا الرَّحْمَنِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى الطَّاعَةُ لِلْإِمَامِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ؛ معرفت امام کے بعد سب سے افضل اور شریف ترین اطاعت، ایمان، دین کے دیگر امور کا جاننا، دوسری چیزوں کی شناخت کے سبب[2] اور خدائے رحمان کی رضایت (یعنی) امام کی اطاعت ہے۔[3]

---

1 نفس الرحمان فی فصائل سلمان: ص ۲۲۵.

2 مراۃ العقول: ج ۲، ص ۳۲۳؛ شرح مولی صالح مازندارنی: ج ۸، ص ۶۲.

3 الکافی: ج ۱، ص ۱۸۵، ح ۱.

اور جب کہ اہلبیتؑ کے مقامات کی معرفت کے سلسلے میں مومنین کے درمیان فرق پایا جاتا ہے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اصحاب آئمہؑ کو بہت زیادہ اور بدترین تہمتوں سے نوازا جاتا تھا۔ اور یہ فقط اس لیے ہوتا تھا کہ وہ ایسے مطالب روایت کرتے تھے جنہیں ضعیف درک رکھنے والے صاحبان قبول نہیں کر پاتے تھے۔

اسی زمینے میں سند صحیح کے ساتھ عبد الحمید بن ابی العلاء سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِينَ قُتِلَ الْوَلِيدُ، فَإِذَا النَّاسُ مُجْتَمِعُونَ، قَالَ فَأَتَيْتُهُمْ فَإِذَا جَابِرٌ الْجُعْفِيُّ عَلَيْهِ عِمَامَةُ خَزٍّ حَمْرَاءُ وَ إِذَا هُوَ يَقُولُ: حَدَّثَنِي وَصِيُّ الْأَوْصِيَاءِ وَ وَارِثُ عِلْمِ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ (ع)، قَالَ، فَقَالَ النَّاسُ جُنَ جَابِرٌ جُنَ جَابِرٌ. جب ولید مارا گیا میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ لوگ جمع ہیں ناگہاں دیکھا کہ جابر جعفی جو سرخ رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے، کہہ رہے ہیں: مجھ سے حدیث کہی وصی الاوصیاء، وارث علم انبیاء محمد بن علی (الباقرؑ) نے۔ بعض افراد نے کہا: جابر دیوانہ ہو گیا ہے، جابر دیوانہ ہو گیا ہے۔[1]

[جبکہ جابر کا کہا تو اہلبیتؑ کے بالکل ہی ابتدائی مقامات کے بارے میں تھا]

جابر جعفی سے روایت ہے: امام باقرؑ نے مجھے ۷۰ ہزار احادیث ارشاد فرمائیں جنہیں میں نے کسی ایک کے سامنے بھی نقل نہیں کیا اور نہ کبھی نقل کروں گا۔[2]

---

[1] اختیار معرفۃ الرجال: ص ۱۹۲، ح ۲۳۷.

[2] ایضاً: ص ۱۹۴، ح ۳۴۳.

یہی وجہ ہے کہ بعض شیعہ بعض ایسے حقائق کو جو صحیح سند سے وارد ہوئے ہیں یہاں تک کہ اہلسنت کہ یہاں بھی، بعید از حقیقت شمار کرتے ہیں۔ جیسے کہ یہ ایک حقیقت ہے جسے حاکم نیشاپوری نے صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى لَيَغْضَبُ لِغَضَبِكِ وَ يَرْضَى لِرِضَاكِ)) خدا تیرے غضب سے غضبناک اور تیری رضایت سے راضی ہوتا ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے: یہ حدیث صحیح السند ہے۔[1]

طبرانی نے بھی عین اسی حدیث کو نقل کیا ہے، ابن حجر ہیثمی نے بھی اسے نقل کیا ہے اور اسے حسن شمار کیا ہے۔[2] لیکن ذہبی نے اس کے راویوں میں سے ایک بنام حسین بن زید بن علی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا۔

ذہبی کے ساتھ مناقشہ

ذہبی اور اس جیسوں کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسی احادیث کو رد کرنے کی راہ نکال لیتے ہیں جن کا نتیجہ ان کے مذہب کی مصلحت کی ہمراہی نہ کر سکے اور اگر اس پر کذب و دروغگوئی کا الزام نہ لگا سکیں تو اس کے راوی کو منکر الحدیث کہہ کر متعارف کرواتے ہیں اور یہ کسی راوی کی تضعیف کی آسان راہ ہے چاہے وہ وثاقت میں معروف ہی کیوں نہ ہو۔ اس حوالے سے ہمارے دلائل

---

1 مستدرک الصحیحین: ج۳، ص۱۵۳.

2 مجمع الزوائد: ج۹، ص۲۰۳.

درج ذیل ہیں:

الف) ذہبی حسین بن زید کے ترجمے میں ابن عدی سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا: میں نے حسین بن زید کی حدیث میں بعض منکرات دیکھی ہیں اور مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی اشکال نہیں ہوگا اور اس کے بعد ابن عدی اپنے کلام کے لیے اسی حدیث غضب فاطمہؑ سے شاہد لے کر آتا ہے۔ ذہبی نے اسے حسین بن زید کی تضعیف کے عنوان سے نقل کیا ہے[1] جب کہ ابن عدی کا یہ کلام بتاتا ہے کہ حسین بن زید میں بذات خود ضعف نہیں بلکہ چونکہ دوسرے حسین بن زید کی اس روایت کو منکر جانتے ہیں اس لیے اسے مورد تضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ خود ابن عدی اپنے کلام کے آخر میں کہتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

ب) ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۲۹۳ میں نقل کرتا ہے کہ دار قطنی (جسے بعض لوگ امیر المومنین فی الحدیث جانتے ہیں) نے حسین بن زید کو ثقہ شمار کیا ہے اور ابن ماجہ نے اپنی سنن کے باب جنائز میں حسین سے حدیث نقل کی ہے لیکن ذہبی نے دار قطنی کی نظر کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا۔

ج) ذہبی نے منکر حدیث ہونے کا ضابطہ نقل نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ محدث کے میل و میلان سے وابستہ ہے اسی وجہ سے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے حاکم نیشاپوری نے حسین کی

---

[1] میزان الاعتدال: ج ۱، ص ۵۳۵، رقم ۲۰۰۲.

حدیث کو صحیح، ہیثمی نے حسن لیکن ذہبی نے منکر و ضعیف شمار کیا ہے۔

د) خود ذہبی اپنے طریقے کو نقض کرتا ہے مثلاً قیس بن ابی حازم کے ترجمے میں کہتا ہے:... وہ عثمانی مذہب تھا... اور ابن مدینی نے کہا کہ یحیی بن سعید نے مجھ سے کہا: قیسم، منکر الحدیث ہے اور اس کے بعد عائشہ کی سرزنش میں حوأب کے کتوں والی حدیث نقل کی ہے، لیکن اس کے باوجود کہ یحیی بن سعید نے قیس کو منکر الحدیث کہا ہے، ذہبی اس کے بارے میں کہتا ہے: قیس کی حدیث سے اسلام کی تمام معتبر کتب میں احتجاج ہوتا ہے۔[1] کیوں؟ چونکہ قیس عثمانی مذہب ہے اور بعبارت دیگر، امیر المومنین علیؑ کا سخت دشمن، لیکن حسین بن زید (تو) فضیلت فاطمہؑ میں حدیث نقل کرتا ہے! لیکن بہرحال ذہبی کی کوشش بے نتیجہ ہے کیونکہ صحیح بخاری جسے تمام اہلسنت بنا کسی استثناء کے صحیح جانتے ہیں کی جلد نمبر ۵ صفحہ ۱۳۶ میں رسول اللہ ﷺ سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: فاطمة بضعة مني، فمن أغضبها أغضبني؛ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے پس جس نے بھی اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ یہ بات واضح ہے کہ جس نے بھی رسول اللہ ﷺ کو غضبناک کیا اس نے خدا کو غضبناک کیا اور یہ وہی چیز ہے جس کا قرار عائشہ کرتی ہیں، اس وقت جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: من أغضبك يا رسول الله أدخله الله النار؛ جو کوئی بھی آپؐ کو غضبناک کرے گا یا رسول اللہ ﷺ! خدا اسے آتش (جہنم) میں ڈالے گا۔[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ: ج۱، ص۶۱.

[2] صحیح مسلم: ج۴، ص۴۳.

اور اب (قیامت یہ ہے کہ) جس حدیث کو اہلسنت بھی صحیح کہتے ہیں، اسے بعض شیعہ بعید شمار کرتے ہیں!!

شیخ صدوقؒ اپنی کتاب امالی صفحہ ۳۱۳ مجلس ۶۱ حدیث ۱ میں نقل کرتے ہیں کہ صندل امام صادقؑ کے پاس آیا اور بولا: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ إِنَّ هَؤُلَاءِ الشَّبَابَ يَجِيئُونَّا عَنْكَ بِأَحَادِيثَ مُنْكَرَةٍ فَقَالَ لَهُ جَعْفَرٌ ع وَ مَا ذَاكَ يَا صَنْدَلُ قَالَ جَاءَنَا عَنْكَ أَنَّكَ حَدَّثْتَهُمْ أَنَّ اللَّهَ يَغْضَبُ لِغَضَبِ فَاطِمَةَ وَ يَرْضَى لِرِضَاهَا قَالَ فَقَالَ جَعْفَرٌ ع يَا صَنْدَلُ أَ لَسْتُمْ رَوَيْتُمْ فِيمَا تَرْوُونَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى لَيَغْضَبُ لِغَضَبِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ وَ يَرْضَى لِرِضَاهُ قَالَ بَلَى قَالَ فَمَا تُنْكِرُونَ أَنْ تَكُونَ فَاطِمَةُ ع مُؤْمِنَةً يَغْضَبُ اللَّهُ لِغَضَبِهَا وَ يَرْضَى لِرِضَاهَا قَالَ فَقَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسالَتَهُ. اے اباعبداللہ! یہ جوان آپ کی طرف سے آئے تھے اور ایک منکر حدیث نقل کر رہے تھے۔ امام نے فرمایا: اور وہ کون سی حدیث ہے اے صندل! بولا: یہ آئے اور کہتے ہیں کہ آپ نے ان کے لیے حدیث بیان کی کہ: بے شک خدا فاطمہؑ کے غضبناک ہونے پر غضبناک اور ان کی رضایت سے راضی ہوتا ہے۔ امام نے فرمایا: اے صندل کیا تم جو روایات نقل کرتے ہو ان میں یہ روایت نقل نہیں ہوئی کہ خدا اپنے بندہ مومن کے غضب کی وجہ سے غضبناک اور اس کی رضایت سے راضی ہوتا ہے؟ کہا: ہاں یہ تو ہے۔ امام نے فرمایا: پس تو کیوں اس بات سے انکاری ہے کہ فاطمہؑ ایک مومنہ خاتون

ہیں اور خدا ان کے غضب کی وجہ سے غضبناک اور ان کی رضایت سے راضی ہے؟ صندل نے کہا: خدا آگاہ ہے کہ اپنی رسالت کہاں قرار دے۔

آپ اس شخص کا مقامات اہلبیتؑ کی معرفت کے حوالے سے حال دیکھیے کہ امام مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس سے نرمی سے پیش آئیں اور اس سے مناقشے میں سطح سے اس قدر نیچے آکر بات کریں کہ جناب سیدہؑ کو ایک مومنہ خاتون کے درجے تک لائیں تاکہ وہ اسی قدر سمجھ لے، اور اس جیسے بہت سے نمونے موجود ہیں۔

افضیلت و مقامات اہلبیتؑ کی معرفت افراد کے ایمان کی برتری کے عوامل میں سے ایک ہے اور در حقیقت افضیلت وجود صفات کمال کی کاشف ہے جن کے فہم کے سائے میں ایک ایسا جذبہ پایا جاتا ہے جو عارف شخص کو ان کمالات کی جانب کھینچتا ہے اور کم از کم کسی شخص کے لیے کمال تک پہنچنے کے عوامل مشخص کرتا ہے، اور بالاخر یہی چیز اسے ایک دن کمال کی طرف آگے بڑھاتی ہے اگر خدا چاہے۔

لیکن وہ جو عنصر کمال کو نہ پہچانے تو ان جیسوں کے بارے میں امام صادقؑ فرماتے ہیں: الْعَامِلُ عَلَى غَيْرِ بَصِيرَةٍ كَالسَّائِرِ عَلَى غَيْرِ الطَّرِيقِ لَا يَزِيدُهُ سُرْعَةُ السَّيْرِ إِلَّا بُعْداً. بنا بصیرت عمل کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو غلط راہ سے جا رہا ہے اور اس کی سرعت اسے اصل راہ سے دور کرنے کے سوا اور کچھ نہیں دیتی۔[1]

---

[1] الکافی: ج ا، ص ۴۳.

ایک انسان کے نزدیک تکریم و تقدیر، فرد مقابل کے کمالات کی معرفت کی میزان کے مطابق ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مقاماتِ اہلبیتؑ کے حوالے سے ہماری معرفت جس قدر زیادہ ہو گی ان ہستیوں کا احترام اور تکریم بھی اسی قدر زیادہ ہو گا، اور یہی وہ مقام ہے جہاں ہم بعض افراد کے کہے کو غلط سمجھ سکتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ: ہمیں جناب زہراءؑ کی شادی کے حوالے اس کی غیبی جوانب جاننے کی کوئی ضرورت نہیں اور بے ہودہ تاریخ نے اس بارے میں بہت کچھ کہا ہے۔

اسی زمینے میں شیخ صدوق صحیح سند کے ساتھ امام صادقؑ سے اور وہ اپنے اجداد کے توسط سے جناب امیرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: دَخَلَتْ أُمُّ أَيْمَنَ عَلَى النَّبِيِّ ص وَ فِي مِلْحَفَتِهَا شَيْءٌ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ص مَا مَعَكِ يَا أُمَّ أَيْمَنَ فَقَالَ إِنَّ فُلَانَةَ أَمْلَكُوهَا فَنَثَرُوا عَلَيْهَا فَأَخَذْتُ مِنْ نُثَارِهَا ثُمَّ بَكَتْ أُمُّ أَيْمَنَ وَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَاطِمَةُ زَوَّجْتَهَا وَ لَمْ تَنْثُرْ عَلَيْهَا شَيْئاً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص يَا أُمَّ أَيْمَنَ لِمَ تَكْذِبِينَ فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى لَمَّا زَوَّجْتُ فَاطِمَةَ عَلِيّاً أَمَرَ أَشْجَارَ الْجَنَّةِ أَنْ تَنْثُرَ عَلَيْهِمْ مِنْ حُلِيِّهَا وَ حُلَلِهَا وَ يَاقُوتِهَا وَ دُرِّهَا وَ زُمُرُّدِهَا وَ إِسْتَبْرَقِهَا فَأَخَذُوا مِنْهَا مَا لَا يَعْلَمُونَ وَ لَقَدْ نَحَلَ اللَّهُ طُوبَى فِي مَهْرِ فَاطِمَةَ ص فَجَعَلَهَا فِي مَنْزِلِ عَلِيٍّ ع. ام ایمن (کنیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس حال میں کہ جب ان کی چادر میں کوئی چیز تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ام ایمن تیرے پاس کیا ہے؟ بولیں: فلاں لڑکی کا عقد ہوا ہے اور اس پر کچھ نثار کیا گیا تھا اور میں نے اس میں سے کچھ اٹھایا ہے۔ اس کے بعد وہ

روتے ہوئے کہنے لگیں: اے رسول اللہ ﷺ آپ نے فاطمہ کی شادی کی لیکن اس پر کوئی چیز نثار نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے ام ایمن! غلط بیانی کیوں کرتی ہے؟ جب خدا نے فاطمہؑ کی علیؑ کے ساتھ تزویج کی تو بہشت کے درختوں کو حکم دیا کہ اہل بہشت پر اپنے زیور وحلے ویاقوت ودر وزمرد نچھاور کریں۔ اہل بہشت نے اس میں سے اس قدر نثار اٹھایا جس کا خودا نہیں حساب نہیں معلوم اور بے شک خدا نے طوبیٰ کو فاطمہؑ کا مہر قرار دیا اور فاطمہؑ کو علیؑ کے گھر میں رکھا۔[1]

اسی طرح ہم اس شخص کے کلام کے بارے میں بھی اندازا لگا سکتے ہیں جو کہتا ہے کہ جناب سیدہؑ کی مریمؑ اور باقی تمام عالم کی خواتین پر برتری بے فائدہ بات ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے کا علم رکھنا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ویسے ہی جیسے اس کا نہ جاننا کوئی نقصان نہیں دے گا۔ جبکہ بہت سی احادیث تمام انبیاء بلکہ تمام مخلوقات پر رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کی خبر دیتی ہیں اور ایسے ہی کثیر روایات اس عالم میں جناب امیرؑ کو دوسرے مرتبے پر سب سے افضل المخلوقات بیان کرتی ہیں، تو کیا اس زینے میں یہ تمام روایات جو اہلبیتؑ سے صادر ہوئی ہیں فضول اور بے کار ہیں (نعوذ باللہ)؟ اور اگر اس فضیلت کو جاننے کی ضرورت نہیں تھی اور یہ کسی درد کی دوا نہ تھیں تو کیا آئمہ نے اپنے وقت کو اس بے ہودہ چیز کے بیان میں ضایع کیا تھا؟ اگر بعض افراد کی بعض پر فضیلت کے بارے میں جاننے کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی تو پھر قرآن میں بعض انبیاء پر

---

[1] امالی صدوق: ص ۲۳۶.

بعض کی فضیلت کیوں بیان کی گئی ہے؟ من جملہ یہ آیت:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنا بَعْضَهُمْ عَلى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجاتٍ وَ آتَيْنا عيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّناتِ وَ أَيَّدْناهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ وَ لَوْ شاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ ما جاءَتْهُمُ الْبَيِّناتُ وَ لكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَ مِنْهُمْ مَنْ كَفَر﴾ ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی من جملہ ان میں سے وہ ہے جس نے خدا سے کلام کیا اور خدا نے بعض کے درجات کو بلند کیا اور ہم نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو اپنی نشانیاں دی اور اس کی روح القدس کے ذریعے تائید کی۔[1]

لیکن وہ جنہیں علم سے کچھ بہرہ نہ حاصل ہوا انہوں نے اس آیت میں مقام و مرتبے کی برتری کی بجائے برتری کی نعمت کے حامل ہونے کی برتری سے تفسیر کی ویسے ہی جیسے بنی اسرائیل سے متعلق نازل شدہ آیات میں برتری کا ذکر آیا ہے، جب کہ بہت سی دوسری آیات میں ان پر لعن و سرزنش بیان کی گئی ہے۔ جبکہ یہ نظر غلط ہے؛ کیونکہ قرآن مجید میں لفظ تفضیل بعض مقامات پر نعمت کے لیے ہے جیسے: ﴿وَ اللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلى بَعْضٍ فِي الرِّزْق﴾ اور خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملے میں فضیلت دی؛[2] اور بعض مقامات پر مقام و درجے سے متعلق ہے جیسے کہ اس آیت میں فرماتا ہے: ﴿وَ فَضَّلَ اللَّهُ

[1] بقرہ:۲۵۳.
[2] نحل:۷۱.

الْمُجاهِدينَ عَلَى الْقاعِدينَ أَجْراً عَظيماً﴾اور خدا نے مجاہدین کو تارکین جہاد پر اجر عظیم کے ذریعے فضیلت دی۔[1]

اور جو آیت ہمارے زیر بحث ہے اس میں بھی مقام و مرتبے کی برتری و فضیلت کا ذکر ہے کیونکہ اس میں بعض انبیاء کے مقامات عالیہ کے بارے میں کلام آیا ہے اور اس ضمن میں فرمایا ہے کہ ان میں بعض وہ ہیں جن سے خدا ہم کلام ہوا اور بعض دوسروں کی روح القدس کے ذریعے سے تائید کی اور یہ امتیازات وہ کرامات ہیں جنہیں خدا نے بعنوان برتری و فضیلت مقام ذکر کیا ہے نہ نعمت و روزی کی برتری کے عنوان سے، اور بزرگ علمائے دین کے اقوال بھی اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں؛ من جملہ:

الف) شیخ طوسیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: بے شک خدا نے بعض انبیاء پر بعض کی فضیلت کو کسی ہدف کے لیے بیان کیا ہے من جملہ یہ کہ کوئی انبیاء میں سے سب کے یکساں درجے کا قائل نہ ہو۔[2]

ب) شیخ طبرسیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں کلام شیخ کی تبیعت کی ہے۔[3]

---

[1] نساء: ۹۵.

[2] التبیان فی تفسیر القرآن: ج ۲، ص ۳۰۳.

[3] مجمع البیان: ج ۲، ص ۳۵۸، طبع دار احیاء التراث العربی.

ج)علامہ طباطبائیؒ راقم ہیں: اس کلام میں بعض انبیاء پر بعض کی الہی فضیلت پر دلالت موجود ہے، نتیجتاً انبیاء میں سے بعض افضل ہیں اور بعض دوسرے انبیاء کے مقابل کمتر البتہ تمام انبیاء کے لیے فضیلت موجود ہے کیونکہ خود رسالت فضیلت ہے جو ان کے درمیان مشترک ہے اس بناپر انبیاء کے درمیان مقام وفضیلت میں درجے کا فرق پایا جاتا ہے۔ اور یہ انبیاء کی امتوں کے تفاوت کے خلاف ہے کیونکہ ان کا فرق ایمان و کفر کی وجہ سے تھا... کہ اس فرق میں کوئی قدر مشترک موجود نہیں یہی وجہ ہے کہ خدا نے ان دونوں کے درمیان تفاوت کے لیے جداگانہ تعبیر استعمال کی ہے،اس نے انبیاء کے درمیان درجے کے فرق کو تفضیل کا نام دیا اور اسے خود سے نسبت دی((فضلنا)) لیکن لوگوں کے درمیان فرق کو اختلاف کا نام دیا ہے اور اسے خود لوگوں سے ہی نسبت دی ہے۔((اختلفوا))

ج)آیت اللہ سید عبد الاعلیٰ سبزواریؒ لکھتے ہیں: تمام انبیاء الہی فضیلت رسالت میں مشترک ہیں... لیکن درجات و مقامات میں متفاوت ہیں... اور درجے کی برتری امور اضافیِ نسبی میں سے ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ کسی ایک نبی کے لیے کسی ایک جہت سے برتری پائی جائے اور کسی اور نبی کے لیے کسی اور جہت سے البتہ اس بات میں شک نہیں کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقی تمام انبیاء کی نسبت سب سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔[1]

---

[1] المیزان فی تفسیر القرآن: ج۲، ص۳۱.

[پہلے حصے کا خلاصہ:

۱۔ ایمان تین حصوں سے تشکیل پایا ہے: اعتقاد قلبی، اقرار زبانی اور عقیدے کے مطابق عمل؛ان میں سے اہم ترین حصہ عقیدہ ہے۔

۲۔ اقرار اور عمل صحیح عقیدے کے بنا فائدہ مند نہیں لیکن اعتقاد اگر ناقص عمل کے ساتھ بھی ہو تب بھی کارساز ہے۔

۳۔ ولایت اہلبیتؑ کا اعتقاد اعمال کی قبولیت کی شرط ہے۔

۴۔ اعتقاد معرفت پر کھڑا ہے اور بنا معرفت کے اعتقاد قابل قبول نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بغیر معرفت کے عمل قابل قبول نہیں۔

۵۔ بیمار معرفت عقائد باطل کی پیروی کا باعث بنتی ہے۔

۶۔ ایمان کے مختلف درجات ورتبات ہیں اور ایمان کا بلند ہونا معرفت کی بلندی پر منحصر ہے۔

۷۔ خدا سے محبت کے درجے کا بڑھنا درجہ معرفت کے بڑھنے سے وابستہ ہے۔

۸۔ عمل کی قدر وقیمت کثرت سے نہیں بلکہ اس کا معیار ومیزان معرفت ہے۔

۹۔ اہلبیتؑ کے مقامات کی معرفت جتنی زیادہ ہوگی درجہ ایمان ومحبت بھی بڑھے گا اور انسان خدا کے نزدیک مقرب قرار پائے گا۔

۱۰۔ کسی فرد کی افضیلت اس میں صفات برجستہ اور کمالات کے موجود ہونے کے معنی میں ہے۔

۱۱۔ کسی شخص کی افضیلت کی شناخت اس کے کمالات کی معرفت کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

۱۲۔ کسی شخص کے کمالات کے سائے میں ہم بھی ان کمالات کی جانب جذب ہوتے ہیں اور کمال تک پہنچنے کی صحیح راہ پاتے ہیں، اس کے علاوہ صاحب کمال کے لیے ہمارے دل میں احترام میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

۱۳۔ بعض انبیاء کو بعض دیگر انبیاء پر فضیلت کا حاصل ہونا ایک اصل قرآنی ہے۔

۱۴۔ بہت سی روایات میں رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیاء بلکہ جمیع مخلوقات پر برتری، اہلبیتؑ کی برتری اور ان کے مقامات، امام علیؑ کی بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات پر برتری، امامین حسنینؑ کی برتری، جناب سیدہ فاطمہؑ کی تمام زنان عالم پر برتری وغیرہ کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ اور قطعاً یہ تمام قرآنی وروائی بیانات فضول اور بلاوجہ صادر نہیں ہوئے ہیں۔

نتیجہ: کثیر روایات کے مضمون کے مطابق اہلبیت کی فضیلت کی معرفت حاصل کرنا ہمارا فرض اور وظیفہ ہے۔]

دوسرا حصہ: تمام عالم کی مستورات پر جناب سیدہؑ کی سرداری کا اثبات

اس مسئلے میں ہم دو مرحلوں میں تحقیق کریں گے: ایک اہلسنت کی نظر کے مطابق اور دوسری اہل تشیع کی نظر کے مطابق۔

پہلا مرحلہ: اہلسنت کی نظر کے مطابق

اہلسنت نے جناب سیدہؑ کی شان میں جو روایات نقل کی ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا حصہ:

وہ احادیث جو جناب سیدہؑ کو چند دیگر خواتین کے ساتھ افضل النساء بتلاتی ہیں۔ یہ احادیث بیان کرتی ہیں کہ جناب سیدہؑ اور حضرت خدیجہؑ یا یہ دونوں جناب مریم و آسیہؑ کے ساتھ، عالمین اور اہل بہشت کی خواتین کی سردار ہیں؛ من جملہ:

الف) ترمذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتا ہے: حسبك من نساء العالمين: مريم ابنة عمران، وخديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، وآسية امرأة فرعون. تجھے عالمین کی

خواتین میں سے (برتری میں) مریم بن عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں۔[1]

اسی مضمون پر مشتمل حدیث احمد، ہیثمی اور حاکم نے بھی نقل کی ہے۔[2]

[البتہ مقاتل، ضحاک اور عکرمہ کی ابن عباس سے مروی روایت میں آیا ہے کہ: ان خواتین میں افضل خاتون فاطمہؑ ہیں۔[3] اگر حدیث کے اس حصے کو بھی قبول کیا جائے تو یہ دوسرے حصے سے مربوط روایات سے متعلق ہو جائے گی]

ب) احمد، ابن عباس سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا: خط رسول الله في الأرض أربعة خطوط، قال: أتدرون ما هذا؟ فقالوا: الله ورسوله أعلم، فقال رسول الله صلى الله عليه [وآله] وسلم: أفضل نساء أهل الجنة :خديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، وآسية بنت مزاحم امرأة فرعون، ومريم ابنة عمران. کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ کہنے لگے: خدا اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (یہ) جنت کی افضل خواتین ہیں: خدیجہ بنت

---

[1] الجامع الصحیح: ج۵، ص۷۰۳، ح۳۸۷۸.

[2] مسند احمد: ج۳، ص۱۳۵؛ موارد الظمان: ج۷، ص۱۶۸، ح۲۲۲۲؛ مستدرک علی الصحیحین: ج۳، ص ۱۵۷.

[3] العوالم: ج۱۱، ص۴۶.

خویلد، فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آسیہ بنت مزاحم ہمسر فرعون اور مریم بنت عمران۔[1]

واضح ہے کہ ان روایات میں ان خواتین کے نام کی ترتیب ان کے زمان زندگی یا ایک دوسرے پر برتری کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔

[ج) زید بن علی اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا امام حسینؑ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا: خدا نے تجھے اور تیری ماں کو عالم کی خواتین کی سرداری بخشی ہے۔[2]]

دوسرا حصہ:

وہ احادیث جو جناب زہراؑ کو دوسری خواتین پر لقب سیدۃ نساء العالمین یا سیدۃ نساء اہل الجنۃ کے ذریعے فضیلت بخشتی ہیں،؛ من جملہ:

الف) بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: فاطمة سيدة نساء أهل الجنة؛ فاطمہؑ مستورات اہل بہشت کی سردار ہے۔[3]

[ب) مسلم اپنی صحیح میں دو اسناد کے ساتھ روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی

---

[1] مسند احمد: ج ۱، ص ۲۹۳؛ مستدرک علی الصحیحین: ج ۳، ص ۱۶۰.

[2] مقتل خوارزمی: ص ۶۷، طبع قم.

[3] صحیح البخاری: ج ۵، ص ۲۵.

فاطمہؑ سے فرمایا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو مومن خواتین کی سردار یا اس امت کی خواتین کی سردار ہو۔[1]

عبارت میں تردید راوی کی جانب سے ہے لیکن جس عبارت کے ساتھ بھی روایت ہو جناب سیدہؑ کی برتری پر دلالت کرتی ہے یہاں تک کہ جناب مریمؑ پر بھی کیونکہ اگر لفظ مومنین صحیح ہو تو مریمؑ اس میں شامل ہیں اور اگر "اس امت کی خواتین" درست ہو تو جیسا کہ خود مسلم نے چار اسناد کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی افضل خواتین مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہے[2] اور یہ روایت ان دونوں کے مرتبے کے برابر ہونے پر دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی خدیجہ سے افضل ہو گا وہ مریم سے بھی افضل ہو گا اور چونکہ روایت نے کہا ہے کہ فاطمہؑ اس امت کی خواتین کی سردار ہیں اور خدیجہؑ بھی اس کا حصہ ہیں، تو یوں جناب سیدہؑ کی سرداری مریمؑ پر بھی ثابت ہو جاتی ہے۔[3]

---

[1] صحیح مسلم: ج ۷، ص ۱۴۳.

[2] ایضاً: ص ۱۳۲.

[3] اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے: کیونکہ اس بات پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ تمام انبیاء کی امتوں میں سب سے افضل امت رسول خاتم کی ہے لہذا لازم ہے کہ سب سے افضل خاتون بھی انہی کی امت میں ہو، ورنہ یہ افضیلت بطور کلی برقرار نہیں رہتی، یوں اگر اس امت والے جملے کو قبول کیا جائے تب بھی جناب سیدہؑ مریم سے افضل قرار پائیں گی کیونکہ وہ افضل امت کی سب سے افضل خاتون ہیں. (مترجم)

ج)ابن اثیر نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فاطمہؑ سے فرمایا: کیا تو راضی نہیں ہے کہ عالمین کی خواتین کی سردار ہو، اور اس نے کہا ہے کہ بخاری نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔[1]

د)نسائی رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتا ہے: اے فاطمہؑ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ اس امت کی اور عالمین کی خواتین کی سردار ہے۔[2]

ل)محب الدین طبری رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کیا(تو)راضی نہیں ہے کہ روز قیامت اس حال میں آئے کہ عالمین کی خواتین یا مستوارات اہل بہشت کی سردار ہو۔[3]

م)ابو نعیم روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوگند کہ فاطمہؑ روز قیامت خواتین کی سردار ہے۔[4]]

و)حاکم نیشاپوری حذیفہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نزل من السماء ملك فاستأذن الله أن يسلم علي لم ينزل قبلها، فبشرني أن فاطمة سيدة

---

[1]اسد الغابۃ: ج۵، ص۵۲۲.

[2]الخصائص: ص۳۴.

[3]دخائر العقبیٰ: ص۴۲.

[4]حلیۃ الاولیاء: ج۲، ص۴۲.

نساء أهل الجنة؛ آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو آج تک نازل نہ ہوا تھا؛ اس نے خدا سے اجازت طلب کی تاکہ مجھے سلام کرسکے، پس اس نے مجھے بشارت دی کہ فاطمہؑ خواتین اہل جنت کی سردار ہے۔ ذہبی نے بھی اس کی صحت کا اقرار کیا ہے۔[1]

متقی ہندی نے بھی اسے احمد، ترمذی، نسائی اور ابن حبان سے نقل کیا ہے۔[2]

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ جنت کی سرداری اس عالم کی سرداری سے مستلزم ہے۔

ھ) حاکم نیشاپوری عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: يا فاطمة ألا ترضين أن تكوني سيدة نساء العالمين، وسيدة نساء هذه الأمة، وسيدة نساء المؤمنين. اے فاطمہؑ کیا اس بات پر راضی نہیں کہ تو عالمین کی خواتین اور اس امت کی خواتین اور مومن خواتین کی سردار ہے۔[3]

ذہبی نے اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے، اور اس سے ملتی جلتی حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں اور احمد و ابن سعد نے بھی نقل کی ہے۔[4]

یہ احادیث طول تاریخ میں تمام خواتین پر جناب سیدہؑ کی برتری پر دلالت کرتی ہیں؛ کیونکہ

---

[1] مستدرک علی الصحیحین: ج۳، ص۱۵۱.

[2] کنزالعمال: ج۲، ص۱۱۳، ح۳۴۲۴۹.

[3] مستدرل علی الصحیحین: ج۳، ص۱۵۳.

[4] صحیح بخاری: ج۴، ص۱۴۸؛ مسند احمد: ج۶، ص۲۸۲؛ الطبقات الکبریٰ: ج۲، ص۲۷۳.

ان میں فقط انہی کو عالم کی خواتین کی سردار بتایا گیا ہے مخصوصاًان شواہد پر توجہ رکھنے کے بعد جو ان معنی کو تقویت بخشتے ہیں مثلاً وہ آیت جو جناب مریمؑ کے لیے عالمین کی خواتین میں سے چنی ہوئی ہونے پر دلالت کرتی ہے؛ سورہ مریم اتفاق آراء کے مطابق مکی ہے اور یہ احادیث جو کہتی ہیں کہ جناب فاطمہؑ عالمین کی خواتین کی سردار ہیں، مدینے میں صادر ہوئی ہیں۔ اس پر دوسرا شاہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتے کا آنا ہے، جو اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا ،اور اس کا یہ نزول بہشت کی خواتین پر فاطمہؑ کی برتری کی بشارت دیتا ہے، یہ بات معلوم ہے کہ کسی ایسے فرشتے کا اس بشارت کو لانے کے لیے نازل ہونا جو اس سے پہلے کبھی نازل نہ ہوا ہو ،اس امر کی عظمت پر حد نہایت تک دلالت کرتا ہے اور اس کا نتیجہ جناب سیدہؑ کی تمام خواتین یہاں تک کہ جناب مریمؑ تک پر سرداری ہے اور جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اہل جنت خواتین کی سرداری دنیا میں قرب الی اللہ کے حساب سے عالمین کی خواتین پر سرداری کے تابع ہے۔

اور یہی معنی اہلسنت کی احادیث میں صریح صورت میں بیان ہوئے ہیں کہ جناب فاطمہؑ نہ فقط یہ کہ اپنے زمانے کی عالمین کی خواتین کی سردار ہیں بلکہ تمام زمانوں کی خواتیں یہاں تک کہ جناب مریمؑ پر بھی برتری رکھتی ہیں جبکہ جناب مریمؑ کی برتری ان کے زمانے کی خواتین عالم پر تھی؛ من جملہ:

الف) ابن شاہین بغدادی (م ۳۸۵ھ) عمران بن حصین سے نقل کرتا ہے: خرجت يوما فإذا أنا برسول الله صلى الله عليه [وآله] وسلم قائم، فقال لي: يا عمران إن فاطمة مريضة، فهل لك أن تعودها؟ قال: قلت فداك أبي وأمي، وأي شرف أشراف من هذا، قال: فانطلق رسول الله صلى الله عليه [وآله] وسلم فانطلقت معه حتى أتى الباب، فقال: السلام عليك، أدخل؟ قالت: وعليك السلام، ادخل، فقال رسول الله صلى الله عليه [وآله] وسلم :أنا ومن معي؟ قالت: والذي بعثك بالحق ما علي إلا هذه العباءة، وقال: ومعرسول الله صلى الله عليه [وآله] وسلم مادة خلقة فرمى بها، فقال: شدي بها على رأسك، ففعلت، ثم قالت: ادخل، فدخل ودخلت معه، فقعد عند رأسها وقعدت قريبا منه، فقال: أي بنية كيف تجدينك؟ قالت: والله وبرسول الله إني لوجعة، وإنه ليزيدني وجعا إلى وجعي أن ليس عندي ما آكله، قال: فبكى رسول الله وبكت وبكيت معهما، فقال لها: يا بنية اصبري مرتين أو ثلاثا، ثم قال لها: يا بنية، أما ترضين أن تكوني سيدة نساء العالمين، قالت: يا ليتها يا أبت، فأينمريم بنت عمران؟ قال لها: أي بنية تلك سيدة نساء عالمها، وأنت سيدة نساء عالمك، والذي بعثني بالحق لقد زوجتك سيدا في الدنيا وسيدا في الآخرة، لا يبغضه إلا كل منافق. **میں ایک دن گھر سے باہر نکلا اور راستے میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا: اے عمران! فاطمہؑ بیمار ہے کیا اس کی عیادت کرنا چاہتا ہے؟ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، اس سے بڑھ کر اور کیا شرف**

ہو گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راہی خانہ سیدہ ہوئے اور میں ان کے ہمراہ ہو لیا یہاں تک کہ ہم در خانہ سیدہ پر پہنچ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ فاطمہؑ نے کہا: وعلیک السلام تشریف لایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اور وہ بھی جو میرے ساتھ ہے؟ کہنے لگیں: قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میرے پاس اس عباء کے سوا کوئی دوسری عبا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک پرانا کپڑا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ دیا اور کہا کہ اسے اپنے سر پر باندھ لے پس انہوں نے بھی یہ کام انجام دیا۔ اور اس کے بعد کہا: تشریف لایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی داخل ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ داخل خانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: میری بچی کیا حال ہے تیرا؟ بولیں: خدا اور رسول کی سوگند میں بھوکی ہوں اور چونکہ کھانے کو کچھ نہیں اس لیے بھوک پر بھوک لگے جا رہی ہے۔ رسول بھی رونے لگے اور فاطمہؑ بھی اور ان کے ساتھ میں بھی رونے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا: اے میری بیٹی صبر کر۔ اس کے بعد فرمایا: اے میری بچی کیا تو اس پر راضی نہیں کہ عالمین کی خواتین کی سردار ہے؟ فاطمہؑ نے کہا: اے کاش کہ ایسا ہی ہوتا پس مریم بنت عمران کیا ہوئیں؟ فرمایا: اے میری بچی وہ اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھی اور تو اپنے زمانے کی خواتین کی سردار ہے؛ اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے بے

شک میں نے تیری شادی دنیاوآخرت کے سردار سے کی ہے جس سے کوئی بغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔[1]

اسی مضمون سے نزدیک نزدیک ابن عبدالبر اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے۔[2]

ب)احمد بن میمون اور رافعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: أول شخص يدخل الجنة فاطمة بنت محمد، ومثلها في هذه الأمة مثل مريم في بني إسرائيل؛ جنت میں داخل ہونے والی پہلی شخصیت جناب فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور وہ اس امت میں ایسی ہیں جیسی بنی اسرائیل میں مریمؑ۔[3]

یہ روایت اس بات کی بیانگر ہے کہ جناب سیدہؑ عالمین کی خواتین کی سردار ہیں، ویسے ہی جیسے جناب مریمؑ اپنے زمانے میں عالمین کی خواتین کی سردار تھیں۔

[لیکن روایت کے پہلے حصے پر توجہ کرتے ہوئے جو جناب سیدہؑ کے جنت میں سب سے پہلے دخول پر دال ہے یعنی بہشت کا افتتاح تمام انبیاء و صدیقین کے ہوتے ہوئے بھی جناب سیدہؑ سے

---

[1] فضائل فاطمۃ الزہراءؑ: ص ۶۳، ح ۱۲؛ ذہبی در تاریخ الاسلام: ج ۳، ص ۴۵. (البتہ اس روایت کے مضمون کی تفصیلات میں جائے تأمل ہے، لیکن فی الحال جس مدعا کے لیے اسے یہاں نقل کیا گیا ہے وہ واضح ہے اور بہر حال یہ روایت کتب اہلسنت سے نقل کی گئی ہے. (مترجم))

[2] الاستعیاب: ج ۴، ص ۱۸۹۵؛ ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء: ج ۲، ص ۴۲.

[3] کنز العمال: ج ۱۲، ص ۱۱۰، ح ۳۴۲۳۴.

ہو گا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ جناب مریمؑ سے بھی افضل ہیں۔]

ج) محب الدین طبری اور سیوطی عساکر سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: أربع نسوة سيدات سادات عالمهن :مريم بنت عمران، وآسية بنت مزاحم وخديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، وأفضلهن عالما فاطمة. چار خواتین اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں: مریم بنت عمران، آسیہ بن مزاحم، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ﷺ، اور ان میں پورے عالمین میں سب سے افضل فاطمہؑ ہے۔[1]

[ان روایات کا نتیجہ یہ ہے کہ عالمِ جناب فاطمہؑ گزشتہ عوالم سے افضل ہے، اور ان کے عالم کی ان تین خواتین کے عالم پر برتری اس بات کی مستلزم ہے کہ خود یہ بھی ان سے افضل ہوں۔]

جناب سیدہ فاطمہؑ کی افضیلت پر آلوسی کا کلام

سید محمود آلوسی اہلسنت کے بزرگ مفسر اس آیت کے ذیل میں جس میں جناب مریمؑ کو زنانِ عالم پر برتری حاصل ہونے کا ذکر ہے، راقم ہیں: یہاں نساء العالمین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ہر زمانے کی تمام خواتین ہیں، اور اس کے واسطے سے استدلال کیا گیا ہے کہ مریمؑ کو فاطمہؑ، خدیجہؑ اور عائشہ پر فضیلت حاصل ہے اور اس مطلب کی اس روایت سے بھی تائید ہوتی ہے جو

[1] ذخائر العقبیٰ: ص ۴۴؛ الدر المنثور: ج ۲، ص ۲۳.

ابن عساکر نے ابن عباس سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مستورات اہل بہشت کی سردار مریمؑ ہیں، اس کے بعد فاطمہؑ اس کے بعد خدیجہؑ اور اس کے بعد آسیہ؛ اسی طرح اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو ابن شیبہ نے مکحول سے نقل کی ہے اور اسی مضمون سے ملتی جلتی حدیث بخاری اور مسلم نے ابوہریرہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین خواتین جو اونٹوں پر سوار ہوئی ہیں قریش کی خواتین ہیں، یہ بچپن میں بچے پر سب سے زیادہ مہربان، اور شوہر کے مال کی سب سے زیادہ مراعات کرنے والی ہیں اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ مریم بنت عمرانؑ شتر پر سوار ہوئیں ہیں تو کسی کو بھی ان پر برتری نہ دیتا۔ ایسے ہی اس حدیث سے بھی جو ابن جریر نے فاطمہؑ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے لیکن مریمؑ بتول ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ زنان عالم کی سردار سے مراد جناب مریمؑ ہیں، پس ان کے توسط سے مریمؑ کی فاطمہؑ پر فضیلت لازم نہیں آتی، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابن عساکر نے مقاتل کے طریق سے ضحاک اور اس نے ابن عباس سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار خواتین اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں: مریم بنت عمرانؑ، آسیہ بنت مزاحمؑ، خدیجہؑ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ﷺ، اور ان میں پورے عالم میں سب سے افضل فاطمہؑ ہے۔ اور ایسے ہی اس روایت کے ذریعے بھی جو حرث بن اسامہ نے سند صحیح لیکن مرسل طور پر نقل کی ہے کہ مریمؑ اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے افضل تھیں، ابو جعفر نے یہی قول قبول کیا ہے اور آئمہ اہلبیتؑ سے

یہی قول مشہور ہے اور جس چیز کی جانب میں میل رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ فاطمہؑ بتول اولین و آخرین میں سب سے افضل خاتون ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا پارہ تن ہیں۔ بلکہ دوسری جہات سے بھی افضل ہیں اور اس مطلب کو گزشتہ روایات کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں کیونکہ ممکن ہے کہ ان سے مراد فاطمہؑ پر مریمؑ کی فضیلت بعض جہات سے ہو اور یہ کہنا جناب مریمؑ کے نبی ہونے کے قول کے قبول کرنے تک بھی جاری ہے کیونکہ میں نہیں دیکھتا کہ کوئی بھی چیز اس روح وجود اور ہر موجود کے سردار (یعنی رسول اللہ ﷺ) کی برابری کرے جس کا یہ پارہ تن ہے، انسان کا ہاتھ کہاں ستارہ ثریا کو پہنچ (سکتا) ہے اور یہاں سے عائشہ پر فاطمہؑ کی فضیلت بھی معلوم ہو جاتی ہے... اور اس سب کے بعد جو کچھ میرے سینے میں خلجان کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ افضل النساء فاطمہؑ ہیں اس کے بعد ان کی ماں خدیجہؑ اس کے بعد عائشہ بلکہ میرا تو کہنا ہے کہ اگر میں اس بات کا قائل ہو جاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کی بقیہ بنات عائشہ سے افضل ہیں تو اس میں بھی کوئی مشکل نہیں، البتہ میں مریم و فاطمہؑ کے درمیان افضلیت کے معاملے میں توقف کرتا ہوں، لیکن بعض جہات سے افضیلت کے بارے میں تم جان ہی چکے ہو کہ میرا میل و میلان کس طرف ہے۔[1]

---

[1] روح المعانی: ج۳، ص۱۳۷.

اہلسنت بزرگان کا جناب فاطمہؑ کی برتری پر کلام

علامہ سید عبد الحسین شرف الدین موسوی العاملیؒ اس حوالے سے (اس کتاب میں جو اسی موضوع سے مخصوص ہے) لکھتے ہیں: بے شک فاطمہؑ کی برتری پر جمہور مسلمین ہمارے ساتھ موافق ہیں اور محققین کے ایک بڑے گروہ نے اس موضوع کی تصریح کی ہے جیسے نبہانی نے کتاب الشرف المؤبد میں کہا ہے: بہت سارے علماء و محققین نے فاطمہؑ کی افضیلت یہاں تک کہ مریمؑ پر بھی ان کی فضیلت کی تصریح کی ہے جیسے سبکی، سیوطی، بدر الدین زرکشی، مقریزی وغیرہ۔ اس مسئلے کے بارے میں جب سبکی سے سوال ہوا تو اس کی عبارت یہ ہے: جس چیز کو ہم نے اختیار کیا اور اس پر قائم ہیں وہ یہ ہے کہ فاطمہؑ بنت محمد ﷺ افضل ہیں... اور یہی مسئلہ ابن ابی داود سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے، اور میں کسی کو بھی رسول اللہ ﷺ کے ٹکڑے سے افضل نہیں جانتا، نیز مناوی نے بھی یہی مطلب بعض بزرگان سابق سے نقل کیا ہے۔[1]

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر کہتے ہیں: تیرے لیے فاطمہؑ کی برتری پر وہ روایت جو طبرانی نے المعجم الاوسط میں عائشہ سے ابراہیم بن ہاشم کے ترجمے میں نقل کی ہے، کفایت کرے گی، کہ کہتی ہیں: میں نے کسی کو بھی فاطمہؑ سے افضل نہیں دیکھا سوائے ان کے بابا کے اور اس

---

[1] الکلمۃ الغراء: ص ۶۲.

حدیث کی سند بخاری اور مسلم کے مبنٰی کے مطابق عائشہ تک صحیح ہے۔ ابن حجر نے جناب فاطمہؑ کے ترجمے میں الاصابہ میں اور نبہانی نے الشرف المؤبد ص ۵۷ میں اس مطلب کی تصریح کی ہے۔

ابن عبدالبر نے الاستعیاب میں جناب فاطمہؑ کے ترجمے میں ابن عمیر سے روایت نقل کی ہے کہ: میں عائشہ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ جواب دیا: فاطمہؑ۔ میں نے کہا مردوں میں کون؟ کہا: ان کے شوہر۔ اور اسی مقام پر بریدہ سے روایت نقل کی کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواتین میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہؑ اور مردوں میں سب سے زیادہ محبوب علیؑ تھے۔[1]

[اور آپ بہتر جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کسی کا محبوب ہونا افضلیت کے تابع ہے کیونکہ ان کا حب و بغض نفسانی و شہوانی خواہشات کا تابع نہیں بلکہ حب و بغض الٰہی ہے]

نیز اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں: افضلیت فاطمہؑ ایک ایسی چیز ہے جسے سید احمد زینی دحلان مفتی شافعی نے ان کی سیرت میں علیؑ کے ساتھ ان کی ازدواج کی حدیث کے ذیل میں اعلام اہلسنت سے نقل کی ہے۔[2]

---

[1] ایضاً: ۶۹.

[2] النص والاجتہاد: ص ۱۱۴.

[ہم بھی ان کے کلام پر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں : فخر الدین رازی، سعد تفتازانی، شریف فرجانی، نسفی اپنے عقائد میں، فیروز آبادی، فضل بن روزبہان، سبط ابن جوزی، کمال الدین محمد بن طلحہ، ابن ابی الحدید اور ان کے علاوہ بہت سے دیگر اہلسنت علماء نے جناب فاطمہؑ کے لیے اس لقب کے ثبوت کا اعتراف کیا ہے۔[1]]

تیسرا حصہ:

وہ احادیث جو یہ کہتی ہیں کہ جناب مریمؑ یا دوسری خواتین جناب سیدہؑ سے برتر ہیں؛ من جملہ:

الف) ترمذی ام سلمہ سے اور وہ فاطمہؑ سے نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں انہیں خبر دی: سيدة نساء أهل الجنة إلا مريم بنت عمران. مریمؑ کے علاوہ اہل بہشت خواتین کی سردار تو ہے۔[2]

ب) ابن عبد البر ابو سعید خدری سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمة

[1] مفاتیح الغیب: ج ۲، ص ۲۳۳؛ شرح المقاصد: ج ۲، ص ۱۷۹؛ شرح المواقف: ج ۲، ص ۱۷۹؛ ابطال نہج الباطل، طبع شدہ بہمراہ احقاق الحق: ص ۲۰۸؛ تذکرۃ الخواص: ص ۳۷۸؛ مطالب السؤول: ص ۳۷؛ شرح نہج البلاغہ: ج ۱۰، ص ۲۶۵.

[2] الجامع الصحیح: ج ۵، ص ۷۰۱، ح ۳۸۷۳.

سيدة نساء أهل الجنة إلا ما كان من مريم بنت عمران **فاطمہؑ اہل بہشت خواتین کی سردار ہیں مگر وہ مقام جو مریمؑ کے لیے موجود ہے۔**[1] اسی طرح ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سيدة نساء أهل الجنة مريم، ثم فاطمة بنت محمد، ثم آسية امرأة فرعون. **اہل بہشت خواتین کی سردار مریمؑ ہیں اس کے بعد فاطمہؑ اس کے بعد آسیہ زوجہ فرعون۔**[2]

ج) ابن ابی شیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: فاطمة سيدة نساء العالمين بعد مريم ابنة عمران وآسية امرأة فرعون وخديجة بنت خويلد. **مریم بنت عمرانؑ، آسیہ بنت مزاحم اور خدیجہؑ بنت خویلد کے بعد فاطمہؑ خواتین بہشت کی سردار ہے۔**[3]

د) ابن جریر عمار بن سعد سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فضلت خديجة على نساء أمتي كما فضلت مريم على نساء العالمين. **خدیجہؑ میری امت کی خواتین میں برتر ہے ویسے ہی جیسے مریمؑ زنان عالمین سے برتر ہیں۔**[4]

اس روایت کا اطلاق جناب زہراءؑ پر برتری کو بھی شامل ہو جائے گا۔

---

[1] الاستعیاب: ج۴، ص۱۸۹۴.

[2] ایضاً: ۱۸۹۵.

[3] الدر المنثور: ج۲، ص۲۳؛ کنز العمال: ج۱۲، ص۱۱۰، ح۳۴۲۳۳.

[4] الدر المنثور: ج۲، ص۲۳.

و) بخاری اپنی صحیح میں نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کمل من الرجال کثیر، ولم یکمل من النساء إلا مریم بنت عمران، وآسیة امرأة فرعون، وفضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی الطعام. مردوں میں سے ایک بڑا گروہ کامل ہوا ہے لیکن خواتین میں سے کامل نہیں ہوئیں مگر مریم بن عمران اور آسیہ زوجہ فرعون، اور عائشہ کو خواتین پر ایسے ہی برتری حاصل ہے جیسے ثرید کو باقی غذاؤں پر حاصل ہے۔[1]

اس قسم کی روایات کا جواب:

اس قسم کی روایات اس کے باوجود کہ ان کی تعداد کم ہے، بالترتیب افضل خاتون کے بیان ذکر میں بھی مضطرب ہیں، پس ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی اور دوسری حدیث میں جناب سیدہ ؑ کے رتبے کو بعد از مریم ؑ شمار کیا گیا ہے اور بقیہ افضل خواتین کا ذکر نہیں کیا گیا، جبکہ ابن کثیر نے حدیث دوم میں یہ احتمال دیا ہے کہ یہ جناب فاطمہ ؑ پر جناب مریم ؑ کی برتری پر دلالت نہیں کرتی۔[2]

لیکن تیسری حدیث میں جناب سیدہ ؑ کو افضل خواتین میں چوتھے نمبر پر گنا جاتا ہے اور چوتھی حدیث میں جناب خدیجہ ؑ کو بی بی فاطمہ ؑ سے برتر جانا جاتا ہے۔ نیز پانچویں حدیث میں تو بقیہ چار

---

[1] صحیح بخاری: ج۵، ص۲۶.

[2] قصص الانبیاء: ص۳۶۲.

افضل خواتین پر بھی عائشہ کو برتری دی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قسم کی مضطرب احادیث سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔

[انسان منصف پر پوشیدہ نہیں کہ ان پانچ میں سے کوئی بھی حدیث جناب فاطمہؑ پر کسی اور بی بی کی برتری پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ پہلی اور دوسری حدیث میں فقط یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جناب فاطمہؑ مریمؑ کی سردار نہیں ہے لیکن اس بات کا پتہ نہیں دیتی کہ مریمؑ فاطمہؑ کی سردار ہیں بلکہ یہ درجہ اول میں عدم برتری اور دونوں کے مرتبے کے تساوی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ حدیث سوم میں ہو سکتا ہے بعدیت سے مراد بعدیت زمانی ہو نہ مقامی۔ چوتھی حدیث میں جناب خدیجہؑ کو امت کی خواتین میں افضل شمار کیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ کہا جائے جناب فاطمہؑ خواتین امت کا جز نہیں بلکہ جزواہلبیتؑ اور بضعۃ رسول ہیں، جس کے نتیجے میں یہ حدیث جناب خدیجہؑ کے اس امت کی دوسری خواتین سے تقابل کے مقام میں ہوگی نہ کہ جناب سیدہؑ کو بھی شامل ہو۔ اور پانچویں حدیث تو واضح البطلان ہے کیونکہ اس میں جناب سیدہؑ کو سرے سے ہی افضل خواتین میں شمار نہیں کیا گیا اور یہ شیعہ سنی اتفاق کے خلاف ہے۔ اس بنا پر دوسرے حصے کی احادیث جو پہلے حصہ احادیث کے اجمال کی تفسیر بھی کرتی ہیں، ان ہی پر عمل کرنا صحیح ہے نہ کہ ان کے علاوہ دوسرے حصوں سے متعلق احادیث پر۔]

اعتراض: خدا سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۴۲ میں جناب مریمؑ کی افضیلت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ إِذْ قالَتِ الْمَلائِكَةُ يا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفاكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفاكِ

عَلٰی نِساءِ الْعالَمین﴾ اور اس وقت کو یاد کرو جب ملائکہ نے مریم سے کہا اے مریم! خدا نے تجھے چنا اور پاک کیا اور عالمین کی خواتین پر برگزیدہ فرمایا۔ یہ آیت ان روایات کے ساتھ جن میں جناب فاطمہؑ کی عالمین کی خواتین پر افضیلت کے بارے میں کلام ہوا ہے، سازگار نہیں ، کیونکہ نساءالعالمین تمام زمانوں میں تمام خواتین یہاں تک کہ جناب فاطمہؑ کو بھی شامل ہے، نتیجتاً وہ احادیث جو تمام خواتین پر جناب فاطمہؑ کی برتری کی خبر دیتی ہیں قرآن سے معارض ہیں اور اسی وجہ سے حجیت سے ساقط ہیں۔

جواب: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کی بعض آیات بصورت عام بیان ہوئی ہیں لیکن بعض صحیح احادیث میں انہیں تخصیص آلیتی ہے ویسے ہی جیسے حرمت سود و ربا کی آیت مطلق آئی ہے لیکن حدیث صحیح میں بیان ہوا ہے کہ بیٹے اور باپ کے درمیان سود میں کوئی اشکال نہیں۔ ایسے ہی جن روایات میں جناب فاطمہؑ کو اولین و آخرین کی خواتین پر فضیلت بخشی گئی ہے انہوں نے بھی آیت میں موجود ترکیب نساءالعالمین کو تخصیص دے دی ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام خواتین سے مراد اس زمانے کی خواتین تھیں نہ کہ ہر زمانے کی تمام خواتین، اور اس صورت میں یہ آیت ان احادیث کے ساتھ کوئی تعارض نہیں رکھتی۔ [اور اگر کوئی کہے کہ آیت میں کلمہ عالمین آیا ہے پس آیت سے مراد جناب مریمؑ کے زمانے کی خواتین کیسے ہو سکتی ہیں ۔ تو ہم اس کا یوں جواب دیں گے: عالمین سے مراد،

جناب فاطمہؑ کی ولادت سے قبل کے مختلف ادوار ہیں یا جناب مریمؑ کے زمانے تک کے مختلف ادوار مراد ہیں اور اس صورت میں یہ جناب فاطمہؑ کے زمانے کو شامل نہیں ہو گا۔]

ہم نمونے کے طور پر بعض بزرگ شیعہ و سنی مفسرین کے اقوال کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

الف) قرطبیؒ: اہلسنت بزرگ مفسر بنام قرطبیؒ اس آیت کے ذیل میں راقم ہے: حسن، ابن جریم اور ان دو کے علاوہ دوسروں سے بھی نقل ہوا ہے کہ عالمین سے مراد خود جناب مریمؑ کا زمانہ ہے۔[1]

ب) ابن کثیر کہتا ہے: احتمال ہے کہ آیت میں برتری سے مراد جناب مریمؑ کے اپنے زمانے کی خواتین پر برتری ہو جیسا کہ خدا موسیٰؑ سے فرماتا ہے: میں نے تجھے لوگوں میں سے چنا۔ اور ایسے ہی بنی اسرائیل کے بارے میں خدا کا یہ قول: بے شک ہم نے از روئے علم بنی اسرائیل کو عالمین پر برگزیدہ کیا۔ جبکہ معلوم ہے کہ ابراہیمؑ موسیٰؑ سے اور محمد ﷺ ان دونوں سے افضل ہیں، نیز یہ امت باقی تمام امتوں سے افضل ہے، بنی اسرائیل اور باقیوں کے مقابل اس کا عدد بیشتر، اس کا علم برتر اور اس کا عمل پاکیزہ تر ہے۔[2]

ج) اہلسنت بزرگ مفسر زمخشری ایک اور نظر رکھتے ہیں جو انہوں نے تفضیل بنی اسرائیل والی آیت میں بیان کی ہے، ہم اس کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں؛ وہ کہتے ہیں: عالمین سے مراد

[1] الجامع لاحکام القرآن: ج ۴، ص ۸۲.

[2] قصص القرآن: ص ۳۵۹.

ایک بڑی جماعت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: میں نے لوگوں کے ایک عالم کو دیکھا یعنی ایک بڑی تعداد کو دیکھا۔[1] [اس نظر کے مطابق آیت سرے سے ہی وسیع معنی کی حامل نہیں جو یہ جناب سیدہؑ کی برتری سے متعلق روایات سے معارضہ کرے کیونکہ اس کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ: خدانے جناب مریمؑ کو زنان عالمین کی ایک بڑی جماعت میں سے برگزیدہ فرمایا نہ کہ ان سب میں سے۔]

د) شیخ طوسی جباعی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا: جناب مریمؑ کو اصطفاء کرنے کے معنی ان کا جناب عیسیؑ کو (بنا باپ کے) جنم دینے کے لیے انتخاب کرنا تھا۔[2]

و) فیض کاشانی اصطفاء دوم کے بارے میں لکھتے ہیں: اس سے منظور جناب مریمؑ کو عظیم کرامات سے مخصوص کرنا ہے جیسے بنا شوہر کے بیٹے کو جنم دینا، انہیں یہودیوں کی تہمت سے ان کے بچے کے کلام کے ذریعے سے بری کرنا، اور انہیں اور ان کے بچے کو عالمین کے لیے آیت قرار دینا۔[3]

ھ) علامہ بلاغی اصطفاء اول و دوم کے بارے میں لکھتے ہیں: اس کے معنی اور جہت موجودہ شواہد سے سمجھے جاتے ہیں، پس پہلے اصطفاء کے معنی ہیں کہ خدا کی جانب سے انہیں ہمیشہ مسجد

---

[1] الکشاف: ج۱، ص۲۷۸.

[2] التبیان: ج۲، ص۴۵۶.

[3] تفسیر الصافی: ج۱، ص۳۱۱.

میں ان کی ماں کی نذر کے مطابق رہنے کے لیے قبول کرنا،(کیونکہ مسجد میں ہمیشہ رہنا مردوں سے مخصوص تھا اور جناب مریمؑ سے قبل کوئی خاتون اس مقام کو نہیں پہنچی تھی)۔ جبکہ اصطفاء دوم یعنی جناب مریمؑ کو بنا شوہر کے بیٹے کو جنم دینے کے لیے چنا گیا۔ یہ وہ نہایت ہے جس پر مقام بیان اور شواہد دلالت کرتے ہیں اور آیت کے الفاظ اور شواہد میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو جناب مریمؑ کی عالمین کی خواتین پر فضیلت پر دلالت کرے (یہاں تک کہ ان کے اپنے زمانے کی خواتین پر بھی) بلکہ ان کی زنان عالم پر سرداری خود روایات کے ذریعے سے ثابت ہوئی ہے لیکن استفاضہ کی حد تک بلکہ تواتر سے شیعہ و سنی احادیث میں نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاطمہؑ عالمین اور اہل بہشت کی خواتین کی سردار ہیں۔[1]

ی) علامہ طباطبائیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں: اصطفاء جب علیٰ کے ساتھ آئے تو تقدم پر دلالت کرتا ہے، پس جناب مریمؑ کا زنان عالمین پر اصطفاء یعنی ان کا ان پر تقدم؛ لیکن یہ کہ یہ تقدم تمام جہات سے تھا یا بعض جہات کی وجہ سے؟ اس سورے میں آگے چل کے جو کچھ خدا نے کہا اس سے،اور سورہ انبیاء کی آیت ۹۱ اور سورہ تحریم کی آیت نمبر ۱۲ (جن سب میں بنا باپ کے بیٹے کی ولادت اور ان کی عفت کی حفاظت کے بارے میں کلام ہوا ہے) سے جو کچھ ظاہر

[1] آلاء الرحمن فی تفسیر القرآن: ج ۱، ص ۲۸۳.

ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو عالمین کی خواتین پر برگزیدہ اور مقدم کرنے کی وجہ یہی ہے۔[1]

اور علامہ کی اس نظر کی تائید علی بن ابراہیم کی صحیح السند روایت بھی کرتی ہے، وہ ابو بصیر سے اور وہ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:... وَ أَمَّا الثَّانِيَةُ فَإِنَّهَا حَمَلَتْ مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ فَاصْطَفَاهَا بِذَلِكَ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِين؛ **اصطفاء دوم یہ ہے کہ خدا نے مریمؑ کا حمل بنا شوہر کے ٹھہرایا اور خدا نے اس طرح انہیں عالمین کی خواتین میں برگزیدہ فرمایا۔**[2]

اسی نظر کی وہ روایت بھی تائید کرتی ہے جس میں امام موسیٰؑ کاظم کی ہارون رشید کے ساتھ بحث کو بیان کیا گیا ہے۔[3]

اب ہم مفسرین کے اقوال کی جانب توجہ رکھتے ہوئے اس اعتراض کے جواب میں چند وجوہ بطور خلاصہ بیان کرتے ہیں:

الف) عالمین سے مراد ایک بڑا گروہ ہے نہ کہ تمام خواتین جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ آیت جناب مریمؑ کی خواتین کے ایک بڑے گروہ پر سرداری کو بیان کرتی ہے اور یہ بات جناب فاطمہؑ کی تمام عالم کی خواتین پر برتری سے کوئی تعارض نہیں رکھتی۔

[ب) یہ آیت جناب مریمؑ کی سرداری پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ تو فقط خدا کی جانب سے انہیں بنا شوہر کے بچے کو جنم دینے کے لیے منتخب کرنے کو بیان کرتی ہے۔(اور یہ بات منافات

---

[1] المیزان: ج۳، ص۱۸۹.

[2] تفسیر القمی: ج۱، ص۱۰۱؛ بحار الانوار: ج۱۰، ص۲۴۳؛ یہ وہ حدیث ہے جو اسی کی تائید کرتی ہے.

[3] تحف العقول: ص۲۹۹.

نہیں رکھتی کہ کوئی دوسری خاتون جو شوہر دار ہو، بچوں کو جنم دے جبکہ وہ مریمؑ سے برتر بھی ہو) نتیجہ یہ ہوا کہ وہ احادیث جو جناب فاطمہؑ کی تمام عالم کی خواتین کی سرداری و برتری پر دلالت کرتی ہیں وہ آیت کے بیان سے کوئی ربط ہی نہیں رکھتیں جو ان میں معارضہ کی کیفیت وجود میں آئے]

ج) جناب مریمؑ کا انتخاب فقط شوہر کے بغیر ایک بچے کو جنم دینے کے سلسلے میں تھا۔

د) جناب مریم کی عالمین پر برتری کے سلسلے میں کلمہ عالمین سے مراد، خود ان کے زمانے کا عالم ہے اور جو کلمہ عالمین جناب فاطمہؑ کے لیے استعمال کیا گیا ہے وہ تمام زمانوں اور عالموں کی برتری سے متعلق ہے، جیسا کہ اس سے قبل ہم اس زمینے میں روایات اہلسنت کی جانب اشارہ کر چکے ہیں۔ اور یہ چوتھی وجہ کوئی بعید نہیں جیسا کہ شیعہ سنی مفسرین نے عالمین پر بنی اسرائیل کی برتری سے متعلق آیت کی بھی اسی طرح تفسیر کی ہے، من جملہ:

الف) شیخ طوسی لکھتے ہیں: اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت سے مراد خود بنی اسرائیل (کے زمانے) سے مخصوص عالم ہے... اور امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ امت محمدیہ باقی تمام امتوں سے افضل ہے، جیسا کہ خدا فرماتا ہے: تم امت اسلامیہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے ظاہر کیا گیا ہے۔[1]

[1] التبیان: ج۱، ص۲۱۰.

ب) قرطبیؒ لکھتا ہے: خدا نے بنی اسرائیل کے زمانے کے عالم کا ارادہ کیا ہے، اور ہر زمانے کے اہل، عالم (شمار ہوتے) ہیں۔[1]

دوسرا مرحلہ: اہل تشیع کی نظر میں

علمائے تشیع کی جانب سے اولین سے آخرین تک جناب زہراؑ کے علاوہ کسی اور کی برتری کے حوالے سے کوئی کلام وارد نہیں ہوا، البتہ شیعہ روایات میں فقط ایک روایت ایسی وارد ہوئی ہے جو جناب سیدہؑ پر جناب مریمؑ کی فضیلت کو بیان کرتی ہے۔ یہ روایت شیخ طوسیؒ نے امام علیؑ سے نقل کی ہے؛ آپؑ نے فرمایا: إِنَّ فَاطِمَةَ (عَلَيْهَا السَّلَامُ) شَكَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ) فَقَالَ: أَ لَا تَرْضَيْنَ أَنِّي زَوَّجْتُكِ أَقْدَمَ أُمَّتِي سِلْماً، وَ أَحْلَمَهُمْ حِلْماً، وَ أَكْثَرَهُمْ عِلْماً، أَ مَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، إِلَّا مَا جَعَلَهُ اللَّهُ لِمَرْيَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ، وَ أَنَّ ابْنَيْكِ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ. فاطمہؑ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو انہوں نے فرمایا: کیا تو راضی نہیں کہ تیرا شوہر میری امت میں اسلام لانے کے حوالے سے سب پر سبقت رکھتا ہے، اور ان میں سے حلیم ترین اور عالم ترین شخص ہے؟ کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ (تو) خواتین اہل بہشت کی سردار ہے مگر اس (مقام) کے جو خدا نے مریم بنت عمرانؑ کے لیے قرار دیا ہے؟ اور بے شک تیرے دونوں بیٹے جوانان جنت کے سردار ہیں۔[2]

---

[1] الجامع لاحکام القرآن: ج ۱، ص ۲۷۶.

[2] امالی طوسی: ص ۶۳۳، مجلس ۳۱، ح ۱۳۰۵، طبع دار الثقافۃ.

جواب: کسی حدیث کو قبول کرنے کے لیے تین چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے: صحت سند، صادر ہونے کی جہت اور وجہ کہ روایت تقیہ وغیرہ پر مبنی نہ ہو، اور متن کی مطلب پر دلالت۔

اول) سند روایت: اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کے طریق میں اسد بن یوسف اور محمد بن عکاشہ ہیں جو مجہول ہیں، ابو اسحاق سبیعی ہے جو مہمل ہے، ابوالمفضل شیبانی ہے کہ آیت اللہ خوئی اور دوسروں نے اس کی تضعیف کی ہے، ہر چند کہ یہاں ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ شیخ طوسی اس سے بعض روایات کو ایک ثقہ فرد کے واسطے سے قبول کرتے ہیں۔

دوم) جہت و وجہ صدور روایت: صاف واضح ہے کہ یہ روایت مقام تقیہ میں کہی گئی ہے کیونکہ بہت سی روایات جناب مریمؑ پر جناب زہراؑ کی برتری پر دلالت کرتی ہیں اور خود شیخ طوسی جنہوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے انہوں نے کتاب تہذیب جلد۶ صفحہ ۱۰ اور مصباح المتہجد صفحہ ۷۱۱ میں فرمایا ہے کہ جناب سیدہؑ کی زیارت میں یہ جملہ پڑھنا مستحب ہے: السلام علیک یا سیدۃ نساء العالمین من الاولین و الآخرین-

[(یاد رہے کہ) تقیہ ہمیشہ دشمنوں سے نہیں ہوتا بلکہ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ دوستوں کے مقابل بھی کیا جاتا ہے اور کبھی تو یہ بعض حقائق کی معرفت حاصل کرنے کے سلسلے میں سامنے والے کی کوتاہ دامنی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی کچھ اور وجوہات کی بنا پر، جیسا کہ جس حدیث میں جناب زہراؑ کے غضب کو خدا کا غضب قرار دیا گیا ہے، اس میں ہم نے دیکھا کہ امام صادقؑ

نے صندل کے ضعف معرفت کی وجہ سے کس طرح اس کے سامنے تقیہ فرمایا، اور جیسا کہ آئمہ ؑ بعض کم ظرف شیعوں کے سامنے تصریح کرتے تھے کہ ہمارے پاس علم غیب نہیں، لوگ ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں جبکہ ان کا مطلوب علم غیب ذاتی ہوتا تھا، اور ہمارے ہاتھ میں بہت سی صحیح سند سے وارد ہوئی روایات موجود ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ آئمہ ؑ گزشتہ و آئندہ کا، اور جو کچھ ہے اور جو کچھ ہو گا اور جو نہیں ہو گا، ان سب کا علم رکھتے ہیں لہذا اگر کوئی اشکال کرتا ہے کہ جب امام علی ؑ نے حسنین شریفین ؑ کی سیادت بہشتی کو بیان کر دیا تو پھر وہ کس طرح جناب سیدہ ؑ کی سرداری کے معاملے میں تقیہ کر سکتے ہیں؟ تو ہم نے ان کا جواب بیان کر دیا ہے۔]

علامہ مجلسیؒ اس حدیث کے ذیل میں یوں تعلیق لگاتے ہیں: اس حدیث میں موجود استثناء یعنی ((مگر یہ کہ جو کچھ خدا نے مریم بنت عمران ؑ کے لیے قرار دیا ہے)) وہ اہلسنت کی روایات کے موافق ہے (جیسا کہ ہم نے عین اس حدیث کا مضمون ابن عبدالبر سے گزشتہ بحث میں نقل کیا ہے)... اور ممکن ہے کہ معنی یہ ہوں کہ عالمین کی خواتین کی سرداری جناب فاطمہ ؑ سے مخصوص ہے مگر جناب مریم ؑ کہ وہ خود اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں۔ [1]

[1] بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۴۰.

سوم) اس حدیث کی دلالت

[اس روایت کے معنی میں چند احتمالات پائے جاتے ہیں:

اول: یہ کہ جناب سیدہؑ جناب مریمؑ کی سردار نہیں ہیں بلکہ وہ جناب زہراءسے برتر ہیں، یہ نتیجہ نکالنا شیعہ سنی کثیر روایات کی جانب توجہ رکھتے ہوئے باطل ہے۔

دوم: یہ کہ جناب سیدہؑ مریمؑ کی سردار نہیں اور ایسے ہی جناب مریمؑ بھی جناب سیدہؑ کی سردار نہیں بلکہ یہ دونوں مساوی درجے کی حامل ہیں اور روایت میں یہی معنی ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ اس جملے کا بیاں: تو خواتین کی سردار ہے مگر وہ جو خدا نے مریم کے لیے قرار دیا ہے، سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ جناب مریمؑ جناب زہراؑ کی سردار ہیں بلکہ اس سے فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہؑ مریمؑ کی سردار نہیں ہیں، یہ دونوں ہی سردار ہیں، اور یہ ان دونوں کے مساوی ہونے کے معنی میں ہے۔

سوم: جو کچھ علامہ مجلسی نے کہا اس بناپر اس حدیث کا منظور یہ ہے کہ تمام عالمین کی خواتین پر سرداری جناب فاطمہؑ سے مخصوص ہے مگر یہ کہ جناب مریمؑ بھی سرداری کے مقام کی حامل ہیں لیکن فقط اپنے زمانے اور عالم کی خواتین پر۔ لیکن یہ نتیجہ ان احادیث کے ساتھ سازگار نہیں جن میں ان دو خواتین کے علاوہ جناب خدیجہؑ و آسیہ کی سرداری کا بھی ذکر ہوا ہے، اس کے علاوہ اس حدیث میں کلام اس عالم کی خواتین کی سرداری کے بارے میں نہیں بلکہ اہل بہشت خواتین کی سرداری کے بارے میں ہے اور ہر چند کہ وہ سرداری اس سرداری کے تابع ہے،

لیکن دقیق شخص سے ان دو میں اس حدیث کی زبان میں پائے جانے والا فرق پوشیدہ نہیں۔ اگر حدیث میں کلام اس دنیا کی سرداری کے بارے میں ہوتا تو یہ نتیجہ قبول کیا جا سکتا تھا کہ جناب سیدہؑ کی سرداری بنا کسی مخصوص زمان و فرد کی قید کے ہے جبکہ جناب مریمؑ کی سرداری زمان و افراد مخصوص سے مقید ہے نیز اس میں جناب آسیہ و خدیجہؑ کے عدم ذکر سے کوئی منافات نہیں تھی کیونکہ ان کی سرداری جناب سیدہؑ کے علاوہ تھی اور یہ حدیث مطلق سرداری کے بارے میں ہے۔

نتیجتاً جو تین احتمال ذکر کیے گئے ہیں، ان میں سے دوسرا احتمال ہی ہے جس پر اس کے بعد تحقیق و مناقشہ کیا جائے گا۔]

حضرت زہراؑ کا سرداری میں دوسری خواتین کے ساتھ مساوی ہونے کا فرضیہ

سرداری و برتری میں جناب زہراؑ کے ساتھ کسی غیر کا مساوی ہونا، علمائے تشیع میں سے کسی ایک سے بھی نقل نہیں ہوا بلکہ فقط بعض روایات میں یہ نقل ہوا ہے کہ بہشت کی افضل خواتین چار ہیں کہ ان میں سے ایک فاطمہؑ ہیں۔[1] لیکن اس حوالے سے ان میں کوئی اشارہ نہیں کیا گیا کہ کیا یہ چاروں کی چاروں مساوی درجہ رکھتی ہیں اور سب ایک ہی درجے میں ہیں یا ان

[1] الخصال: ص ۲۰۵، ح ۲۲ و ۲۳.

میں بھی رتبہ بندی اور برتری موجود ہے۔ اس کے علاوہ شیخ صدوقؒ، کہ جنہوں نے یہ روایت نقل کی ہے، انہوں نے یہ روایت فقط جناب زہراؑ کی فضیلت کے اثبات کے لیے اہل سنت روایات سے نقل کی ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی اہلسنت ہیں اور خود شیخ صدوق، کہ جنہوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے وہ اولین و آخرین میں جناب سیدہؑ کی برتری کے قائل ہیں۔ دوسری جانب کثیر شیعہ روایات تمام زنان عالم پر اور ہر زمانے میں جناب سیدہؑ کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کر دیتی ہیں؛ من جملہ:

۱۔ شیخ صدوق مفضل بن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ص فِي فَاطِمَةَ أَنَّهَا سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ أَ هِيَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ عَالَمِهَا فَقَالَ ذَاكَ لِمَرْيَمَ كَانَتْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ عَالَمِهَا وَ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ. میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: مجھے جناب سیدہؑ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بارے میں مطلع کیجیے کہ آپ نے فرمایا: وہ زنان عالمین کی سردار ہیں۔ کیا یہاں عالم سے مراد خود ان کا اپنا زمانہ ہے؟ امام نے فرمایا: یہ تو مریمؑ کا مقام تھا کہ وہ اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں لیکن فاطمہؑ اولین و آخرین میں عالمین کی خواتین کی سردار ہیں۔[1]

[1] معانی الاخبار: ص ۱۰۷، ح ۱۔

اس حدیث کی سند میں محمد بن سنان موجود ہے جو کہ آیت اللہ خوئیؒ کے نزدیک ضعیف ہے لیکن امام خمینیؒ، آیت اللہ مامقانیؒ اور آیت اللہ شوستریؒ اور دیگر رجالیوں کے نزدیک ثقہ ہے۔[1]

۲۔ شیخ صدوقؒ حسن بن زیاد عطار سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے: میں نے امام صادقؑ سے عرض کی: قَوْلُ رَسُولِ اللَّهِ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ عَالَمِهَا قَالَ ذَاكَ مَرْيَمُ وَ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِين. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے کے مطابق کہ فاطمہؑ اہل بہشت خواتین کی سردار ہیں، کیا فاطمہؑ اپنے زمانے کی خواتین کی سردار ہیں؟ فرمایا: وہ تو مریمؑ ہیں (جو اپنے زمانے کی خواتین کی سردار ہیں) لیکن فاطمہؑ اولین و آخرین میں سے تمام اہل بہشت خواتین کی سردار ہیں۔[2]

اس روایت کی سند میں ابو اسحاق ہے جو مجہول ہے۔

۳۔ شیخ صدوقؒ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ص كَانَ جَالِساً ذَاتَ يَوْمٍ وَ عِنْدَهُ عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ ع فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي وَ أَكْرَمُ النَّاسِ عَلَيَّ فَأَحِبَّ مَنْ أَحَبَّهُمْ وَ أَبْغِضْ مَنْ أَبْغَضَهُمْ وَ وَالِ مَنْ وَالاهُمْ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُمْ وَ أَعِنْ مَنْ أَعَانَهُمْ وَ اجْعَلْهُمْ مُطَهَّرِينَ مِنْ كُلِّ رِجْسٍ مَعْصُومِينَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَ أَيِّدْهُمْ بِرُوحِ الْقُدُسِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ ص يَا عَلِيُّ أَنْتَ إِمَامُ أُمَّتِي وَ خَلِيفَتِي عَلَيْهَا بَعْدِي وَ أَنْتَ قَائِدُ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى الْجَنَّةِ وَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى ابْنَتِي فَاطِمَةَ قَدْ أَقْبَلَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى نَجِيبٍ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِهَا سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ وَ

---

[1] المکاسب المحرمۃ: ج۲، ص۱۴۳؛ تنقیح المقال: ج۳، ص۱۲۴۔

[2] امالی صدوق: ص۱۰۹، مجلس۲۶، ح۷۔

عَنْ يَسَارِهَا سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ وَ بَيْنَ يَدَيْهَا سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ وَ خَلْفَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ تَقُودُ مُؤْمِنَاتِ أُمَّتِي إِلَى الْجَنَّةِ فَأَيُّمَا امْرَأَةٍ صَلَّتْ فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَ صَامَتْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَ حَجَّتْ بَيْتَ اللَّهِ الْحَرَامَ وَ زَكَّتْ مَالَهَا وَ أَطَاعَتْ زَوْجَهَا وَ وَالَتْ عَلِيّاً بَعْدِي دَخَلَتِ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ ابْنَتِي فَاطِمَةَ وَ إِنَّهَا لَسَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ص أَ هِيَ سَيِّدَةٌ لِنِسَاءِ عَالَمِهَا فَقَالَ ص ذَاكَ لِمَرْيَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ فَأَمَّا ابْنَتِي فَاطِمَةُ فَهِيَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ وَ إِنَّهَا لَتَقُومُ فِي مِحْرَابِهَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهَا سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَ يُنَادُونَهَا بِمَا نَادَتْ بِهِ الْمَلَائِكَةُ مَرْيَمَ فَيَقُولُونَ يَا فَاطِمَةُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِين. ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور ان کے پاس علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام بھی حاضر تھے، آپ نے فرمایا: خدا تو جانتا ہے کہ یہ میرے اہلبیتؑ ہیں اور میرے نزدیک عزیز ترین افراد ہیں۔ پس اسے دوست رکھ جو انہیں دوست رکھے اور بغض رکھ اس سے جو ان سے بغض رکھے، اور حمایت کر اس کی جو ان کی حمایت کرے اور دشمن رکھ اسے جو انہیں دشمن رکھے اور مدد فرما اس کی جو ان کی مدد کرے، انہیں ہر پلیدی و رجس سے پاکیزہ، ہر گناہ سے معصوم قرار دے اور ان کی اپنی جانب سے روح القدس کے ذریعے تائید فرما۔ اس کے بعد فرمایا: اے علیؑ! تو میرے بعد میری امت پر میرا جانشین اور امام ہے، اور تو مومنین کی جنت کی جانب رہبری کرنے والا ہے، اور گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ روز قیامت میری بیٹی فاطمہؑ کو ایک گرانقدر نوری اونٹ پر سوار کروا کر لایا جارہا ہے جبکہ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے ستر ستر ہزار فرشتے میری امت کی مومن خواتین کی بہشت کی جانب رہنمائی کر رہے ہیں، پس جو عورت بھی دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھتی

تھی، اور ماہ رمضان کے روزے رکھتی تھی اور (اگر مستطیع تھی تو) خانہ خدا کا حج کرتی تھی اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی تھی، اور میرے بعد علیؑ کی ولایت قبول کرتی تھی، تو وہ میری بیٹی فاطمہؑ کی شفاعت کے ذریعے داخل بہشت ہو گی۔ اور بے شک فاطمہؑ اولین و آخرین میں زنان عالمین کی سردار ہے۔۔۔۔[1]

اس روایت کی سند میں جعفر بن سلمہ اہوازی، ابراہیم بن موسی، ابو قتادہ حرانی اور عبدالرحمن بن العلاء حضرمی ہیں جو کہ مجہول ہیں اور سعید بن مسیب بھی جس پر سید خوئیؒ نے توقف اختیار کیا ہے البتہ آیت اللہ مامقانیؒ انہیں ثقہ جانتے ہیں۔

۴۔ شیخ صدوقؒ اسحاق بن جعفر بن محمد بن عیسیٰ بن زید بن علی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے امام صادقؑ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: إِنَّمَا سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ ع مُحَدَّثَةً لِأَنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَهْبِطُ مِنَ السَّمَاءِ فَتُنَادِيهَا كَمَا تُنَادِي مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَتَقُولُ يَا فَاطِمَةُ اللَّهُ اصْطَفَاكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ يَا فَاطِمَةُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِي وَ ارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ فَتُحَدِّثُهُمْ وَ يُحَدِّثُونَهَا فَقَالَتْ لَهُمْ ذَاتَ لَيْلَةٍ أَ لَيْسَتِ الْمُفَضَّلَةُ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَقَالُوا إِنَّ مَرْيَمَ كَانَتْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ عَالَمِهَا وَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ جَعَلَكِ سَيِّدَةَ نِسَاءِ عَالَمِكِ وَ عَالَمِهَا وَ سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ. بے شک فاطمہؑ کو محدثہ کہا گیا کیونکہ ملائکہ آسمان سے نازل ہوتے تھے اور انہیں صدا دیتے تھے جیسے مریم بنت عمرانؑ کو صدا دیا کرتے تھے اور کہتے تھے:

---

[1] امالی صدوق: ص ۳۹۳، مجلس ۷۳، ح ۱۸.

اے فاطمہ اپنے رب کے لیے خشوع و سجدہ بجالایئے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجیے۔ پس فاطمہ ان کے ساتھ کلام کرتی تھیں اور وہ فاطمہؑ کے ساتھ تکلم کرتے تھے۔ ایک شب انہوں نے ان فرشتوں سے کہا: کیا عالمین کی خواتین میں برتر خاتون مریم بنت عمران نہیں ہیں؟ کہنے لگے: بے شک مریمؑ اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں اور خدا نے آپ کو اپنے اور مریم کے زمانے نیز اولین و آخرین کی تمام خواتین کی سردار بنایا ہے۔[1]

اس روایت کے رواۃ میں سوائے ایک کے باقی سارے مجہول ہیں۔

۵۔ شیخ صدوق عبدالرحمن بن سمرہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرْشِدْنِي إِلَى النَّجَاةِ فَقَالَ يَا ابْنَ سَمُرَةَ إِذَا اخْتَلَفَتِ الْأَهْوَاءُ وَ تَفَرَّقَتِ الْآرَاءُ فَعَلَيْكَ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَإِنَّهُ إِمَامُ أُمَّتِي وَ خَلِيفَتِي عَلَيْهِمْ مِنْ بَعْدِي... وَ هُوَ زَوْجُ ابْنَتِي فَاطِمَةَ سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِين... مجھے نجات کی طرف رہنمائی فرمایئے: آپؐ نے فرمایا: اے ابن سمرہ، جب خواہشات مختلف ہو جائیں اور نظرات پراگندہ و متعدد ہو جائیں تو تو علیؑ کے ساتھ رہنا کیونکہ وہ میرے بعد میری امت میں میری طرف سے امام اور میرا خلیفہ ہے... اوہ فاطمہؑ کا شوہر ہے۔ وہ فاطمہؑ جو اولین و آخرین میں زنان عالمین کی سردار ہے۔[2]

روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ ابن سمرہ مہمل ہے۔

---

[1] علل الشرائع: ج۱، ص۱۸۲، باب ۱۴۶، ح۱۔

[2] امالی صدوق: ص۱۳۱، مجلس ۷، ح۳۔

۶۔ عماد الدین طبری شیعی صاحب کتاب بشارۃ المصطفیٰ عمران بن حصین سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا: أَنَّ النَّبِيَّ ص قَالَ لِفَاطِمَةَ ع أَ مَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ؟ قَالَتْ فَأَيْنَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ؟ قَالَ لَهَا أَيْ بُنَيَّةِ تِلْكِ سَيِّدَةُ نِسَاءِ عَالَمِهَا وَ أَنْتِ سَيِّدَة نِسَاءِ الْعَالَمِين. کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ زنان عالمین کی سردار ہے؟ بی بی نے فرمایا: پس مریم بنت عمرانؑ کیا ہوئیں؟ فرمایا: اے میری بیٹی! وہ اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں اور تو تمام عالمین کی خواتین کی سردار ہے۔[1]

اس روایت کے اکثر روات مجہول ہیں۔

۷۔ شیخ صدوقؒ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَ أَمَّا ابْنَتِي فَاطِمَةُ فَإِنَّهَا سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ وَ هِيَ بَضْعَةٌ مِنِّي وَ هِيَ نُورُ عَيْنِي وَ هِيَ ثَمَرَةُ فُؤَادِي وَ هِيَ رُوحِيَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيَ وَ هِيَ الْحَوْرَاءُ الْإِنْسِيَّة. میری بیٹی فاطمہؑ! اولین و آخرین میں عالمین کی عورتوں کی سردار ہے، وہ میرا ٹکڑا ہے، میری آنکھوں کا نور ہے، میرا میوہ دل ہے، وہ میرے پہلو میں موجود روح ہے، اور وہ حوریہ انسیہ ہے۔[2]

اس کی سند میں حسین بن علی بن ابی حمزہ ہے جو ضعیف ہے، اس کے علاوہ ابی حمزہ اور سعید بن

---

1 بشارۃ المصطفیٰ: ص۶۹.

2 امالی صدوق: ص۹۹، مجلس ۲۴، ح ۲.

جبیر کے درمیان انقطاع بھی پایا جاتا ہے۔

۸۔ شیخ طوسیؒ امیر المومنینؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ...يَا عَلِيُّ، إِنَّ اللَّهَ أَشْرَفَ عَلَى الدُّنْيَا فَاخْتَارَنِي عَلَى رِجَالِ الْعَالَمِينَ، ثُمَّ اطَّلَعَ الثَّانِيَةَ فَاخْتَارَكَ عَلَى رِجَالِ الْعَالَمِينَ، ثُمَّ اطَّلَعَ الثَّالِثَةَ فَاخْتَارَ فَاطِمَةَ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ...اے علیؑ بیشک خدا نے دنیا پر نظر کی اور مجھے عالمین کے انسانوں میں سے منتخب کیا اس کے بعد دوبارہ توجہ کی اور مردوں میں سے تجھے منتخب کیا اس کے بعد دوبارہ توجہ کی اور عالمین کی خواتین میں سے فاطمہؑ کو منتخب فرمایا۔[1]

اس کی سند جعفر بن محمد موسوی کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ وہ مجہول ہے۔

۹۔ شیخ صدوقؒ امام رضاؑ سے ان کے اجداد کے توسط سے رسول اللہ ﷺ نے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ بَعْدِي وَ بَعْدَ أَبِيهِمَا وَ أُمُّهُمَا أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ. حسن وحسین اور ان کے والد اہل زمین میں میرے بعد برترین افراد ہیں اور ان کی والدہ اہل زمین میں سے افضل ترین خاتون ہیں۔[2]

نتیجہ: ہم نے جو روایات یہاں نقل کی ہیں ان میں پہلی روایت جو امام خمینی و آیت اللہ مامقانی کے مبنٰی کے مطابق صحیح ہے، کے علاوہ باقی ساری ضعیف ہیں لیکن ان کی کثرت کو دیکھتے ہوئے کہ ہم نے یہ ساری روایات یہاں نقل نہیں کی، اور وہ ۹ عدد روایات جو ہم اس سے پہلے اہلسنت

---

[1] امالی طوسی: ص ۶۴۱، مجلس ۳۲، ح ۱۳۳۵.

[2] عیون اخبار الرضا: ج ۲، ص ۶۲، ح ۲۵۲.

سے نقل کر آئے ہیں کہ ان میں سے ۶ عدد اہلسنت کی نظر کے مطابق صحیح ہیں، یہ روایات حد استفاضہ تک پہنچ جاتی ہیں، اور جو روایت حد استفاضہ تک پہنچ جائے وہ موجب اطمینان صحت قرار پاتی ہے؛ نتیجہ یہ ہے ان احادیث کا ضعف سندی ان کے اعتبار کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔[اور یہ بات اس حدیث کے معنی کی عقل کے ذریعے سے تائید کے علاوہ ہے جس کی بارے میں آلوسی کا کلام گزر چکا ہے۔]

آیت اللہ خوئیؒ اس قسم کے مورد میں ابن عباس کی مدح بیان کرنے والی روایات کے بارے میں کہتے ہیں: وہ احادیث جو کتب تاریخ و حدیث میں ابن عباس کی مدح میں وارد ہوئی ہیں... بہت زیادہ ہیں... ہر چند کہ اس بارے میں ہمارے پاس کوئی صحیح سند روایت موجود نہیں اور ہم نے ان میں سے جتنی بھی روایات دیکھیں وہ (سنداً) ضعیف تھیں، لیکن ان روایات کا استفاضہ، ہمیں ان کی اسناد کی تحقیق سے بے نیاز کر دیتا ہے، نتیجتاً (ہم کہہ سکتے ہیں کہ) ان احادیث میں سے بعض مع اطمنان معصومینؑ سے صادر ہوئی ہیں۔

[اور یہ اس حال میں ہے کہ جب علامہ ابو الفضل تہرانی جناب سیدہؑ کی تمام خواتین پر فضیلت کی روایات کو متواتر بلکہ ضروریات مذہب تشیع میں سے جانتے ہیں۔[1]] اور ایسے ہی کئی زیارت ناموں میں وسیع پیمانے پر جناب سیدہؑ کی مطلق سرداری کی تائید و تاکید ہوئی ہے۔

[1] شفاء الصدور: ص۱۴۹.

شیعہ بزرگان کے سرداری حضرت فاطمہؑ کے بارے میں اقوال

۱۔ شیخ صدوقؒ (م ۳۸۱ھ): اور فاطمہؑ کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ اولین و آخرین میں زنان عالمین کی سردار ہیں، بے شک خدا ان کے غضب پر غضبناک اور ان کی رضا سے راضی ہوتا ہے کیونکہ خدا نے انہیں اور ان کے ہر چاہنے والے کو آتش سے دور رکھا ہے، بے شک فاطمہؑ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئیں کہ ظالمین، ان کے حق کے غاصبین اور ان سے جنہوں نے ان کے بابا کا ارث ان سے چھینا تھا، ناراض تھیں۔[1]

شیخ مفیدؒ اس کے باوجود کہ عقائد کے معاملے میں سختی کرنے والے تھے اور انہوں نے تصحیح الاعتقاد نامی کتاب شیخ صدوق کی کتاب الاعتقادات کے بعض مطالب کی تصحیح کی خاطر لکھی، لیکن پھر بھی انہوں نے شیخ کے مذکورہ بالا مطلب پر کوئی تعلیق نہیں لگائی۔ (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی یہی اعتقاد رکھتے تھے اور شیخ صدوق کے اس جملے کو قبول کرتے تھے)

۲۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ (م ۴۳۶ھ): جان لے کہ دین میں برتری کثرت ثواب کی وجہ سے ہے اور استحقاق ثواب اطاعت اور نیک کاموں کی انجام دہی کی وجہ سے ہے، اور کثرت استحقاق ثواب دو میں سے کسی ایک وجہ سے حاصل ہوتا ہے: یا زیادہ طاعات انجام دینے کی وجہ

---

[1] الاعتقادات: ص ۸۰.

سے یا اطاعت کو خدا کی خاطر اخلاص و خضوع کی حالت میں انجام دینے کی وجہ سے اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ثواب ہر اطاعت پر جیسے نماز یا روزے کی انجام دہی پر کل نماز گزاروں اور روزے رکھنے والوں سے زیادہ تھا اور جبکہ ایسا تھا تو پھر کون سی وجہ ہے اس بات کے انکار کی کہ فاطمہؑ جو خواتین عالم کی سردار ہیں زیادہ اطاعت الٰہی انجام دینے اور انہیں بہترین انداز میں انجام دینے کی وجہ سے کثرت ثواب کی حقدار قرار پائیں اور اس حد تک پہنچ جائیں کہ تمام خواتین سے افضل قرار پائیں اور اس زمینے میں جس چیز پر تکیہ کیا جاتا ہے وہ شیعہ امامیہ کے یہاں متفق علیہ امر ہے کیونکہ شیعہ بنا کسی اختلاف کے معتقد ہیں کہ فاطمہؑ افضل النساء ہیں جیسا کہ بعد رسول ﷺ ان کے شوہر افضل الرجال ہیں۔[1]

۳۔ علامہ طبرسی (م۵۴۸ھ): (مریمؑ کے اصطفاء سے متعلق آیت میں کہتے ہیں) مراد یہ ہے کہ مریمؑ اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں کیونکہ حضرت فاطمہؑ بنت رسول اللہ ﷺ، زنان عالمین کی سردار ہیں۔ خدا کا ان پر، ان کے والد پر، ان کے شوہر پر اور ان کے بیٹوں پر درود ہو۔[2]

۴۔ علامہ ابن شہر آشوب (۵۸۸ھ): بے شک رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؑ کو دنیا و آخرت میں عالمین کی خواتین پر فضیلت بخشی۔ عائشہ اور ان کے علاوہ دوسرے بھی رسول اللہ ﷺ

---

[1] رسائل الشریف مرتضی: ج۳، ص۱۴۷.

[2] مجمع البیان: ج۲، ص۷۴۶.

سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے فاطمہؑ خوشحال ہو جا کہ خدا نے تجھے عالمین اور اسلام کی خواتین میں سے منتخب فرمایا جبکہ اسلام بہترین دین ہے۔[1]

۵۔ علامہ مجلسیؒ (م ۱۱۱۱ھ): جلد ہی وہ متواتر اخبار نقل کیے جائیں گے جو کہتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ اولین و آخرین میں خواتین کی سردار ہیں۔[2]

۶۔ علامہ سید عبد الحسین شرف الدین موسوی العاملی (م ۱۳۷۷ھ): جناب مریمؑ پر جناب سیدہؑ کی برتری ایک ایسا مطلب ہے جو آئمہ اہلبیتؑ اور ان کے امامی و غیر امامی دوستوں کے یہاں سرے سے ہی مورد بحث نہیں۔[3]

اشکال: بعض روشن فکر حضرات جو چنداں علم نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ جب جناب فاطمہؑ و مریمؑ کا آپس میں سرداری وافضیلت پر کوئی جھگڑا نہیں ہے تو پھر تم اس موضوع پر کیوں لڑ رہے ہو، اور یہ لڑائی ان دونوں بزرگوار ہستیوں کی بارگاہ خدا میں اختلاف کا باعث بنے گی۔ اور ایسا ہی کلام یہ سرزمین مکہ پر کربلا کو حاصل فضیلت کے بارے میں بھی کرتے ہیں کہ نہ زمین کربلا مکے سے جنگ لڑنے گئی اور نہ سرزمین مکہ کربلا سے جھگڑنے تاکہ اس سے اس کا امتیاز چھین لے اور ہم دونوں زمینوں پر جاتے ہیں اور دونوں کی خاک پر سجدہ کرتے ہیں، پس اس قسم کے

[1] المناقب: ج ۳، ص ۳۲۲.

[2] بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۴۰.

[3] النص والاجتہاد: ص ۱۱۴، مورد ۸.

سوالات کہ ان میں سے کون افضل ہے کے بیان کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: ہم نے فصل اول میں مقامات اہلبیتؑ کی اہمیت کے حوالے سے کلام کیا تھا، لیکن دوسرے حصے کے جواب میں کہتے ہیں: بہت سی روایات میں دیگر انبیاء پر رسول اللہ ﷺ کی برتری اور دوسرے اوصیاء پر امیر المومنینؑ کی برتری کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، اور ہمیں نہیں معلوم کہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ اور امیر المومنینؑ کی ان کے غیر پر فضیلت کی بات کریں تو کیا یہ ان کا بارگاہ خدا میں نزاع کی وجہ بنے گا جو جناب فاطمہؑ و مریمؑ کے درمیان مسئلہ برتری میں کوئی اختلاف سامنے آئے؟ یہ کلام کس قدر پوچ ہے!

خاک کربلا کی فضیلت کے حوالے سے آیت اللہ خوئیؒ لکھتے ہیں: تربت حسینؑ خدا کی وسیع زمین کا ایک ٹکڑا ہے وہی وسیع زمین جسے خدا نے رسول اللہ ﷺ کے لیے محل سجدہ بنایا اور وسیلہ طہارت قرار دیا، لیکن یہ مٹی، وہ مٹی ہے کہ اس سے افضل واشرف و عظیم مٹی وجود نہیں رکھتی کیونکہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی خوشبو اور جوانان اہل جنت کے سردار کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔ وہی جس نے اپنی جان و ہستی اور اپنی آل واصحاب کی جان کلمہ سید المرسلین کے احیاء اور ان کے دین کی راہ میں فدا کر دی۔ بے شک شیعہ سنی طریق سے اس خاک کی فضیلت میں روایات رسول اللہ ﷺ سے نقل ہوئی ہیں۔ اگر اس خاک کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے اوصیاء سے کوئی بھی حدیث نقل نہ ہوئی ہے تب بھی کیا حق نہیں کہ مسلمان اس تربت پر سجدہ کرنے کو لازم جانیں؟ کیونکہ اس خاک پر سجدہ کرنے میں یہ راز

پوشیدہ ہے کہ اس خاک (پر سجدے) کا لازمہ اس کے صاحب کے طریق پر چلتے ہوئے سیر و سلوک کرنا ہے وہی صاحب جو راہ دین واصلاح مسلمین میں قتل ہوا۔[1]

اس کے علاوہ ابن قولویہ نے اس بارے میں دو روایات نقل کی ہیں جن میں سے ایک سب کی نظر کے مطابق اور دوسری امام خمینی اور آیت اللہ مامقانی کی نظر کے مطابق صحیح ہے۔ وہ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں: إِنَّ أَرْضَ الْكَعْبَةِ قَالَتْ مَنْ مِثْلِي وَ قَدْ بَنَى اللَّهُ بَيْتَهُ [بُنِيَ بَيْتُ اللَّهِ] عَلَى ظَهْرِي وَ يَأْتِينِي النَّاسُ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ وَ جُعِلْتُ حَرَمَ اللَّهِ وَ أَمْنَهُ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهَا أَنْ كُفِّي وَ قِرِّي فَوَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي مَا فَضْلُ مَا فُضِّلْتِ بِهِ فِيمَا أَعْطَيْتُ بِهِ أَرْضَ كَرْبَلَاءَ إِلَّا بِمَنْزِلَةِ الْإِبْرَةِ غُرِسَتْ [غُمِسَتْ] فِي الْبَحْرِ فَحَمَلَتْ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ وَ لَوْ لَا تُرْبَةُ كَرْبَلَاءَ مَا فَضَّلْتُكِ وَ لَوْ لَا مَا تَضَمَّنَتْهُ أَرْضُ كَرْبَلَاءَ لَمَا خَلَقْتُكِ وَ لَا خَلَقْتُ الْبَيْتَ الَّذِي افْتَخَرْتِ بِهِ... بے شک کعبے کی زمین نے کہا: کون سی زمین مجھ جیسی ہو سکتی ہے جبکہ خدا کا گھر میری پشت پر بنایا گیا ہے اور لوگ دور افتادہ علاقوں سے میری جانب آتے ہیں، میں حرم اللہ اور اس کے امن کا مکان ہوں! پس خدا نے اسے وحی کی کہ بس کر اور چین سے بیٹھ! مجھے میرے عزت و جلال کی قسم جس چیز کی وجہ سے تو برتری کی قائل ہو رہی ہے وہ اس فضل کے مقابل کچھ نہیں جو میں نے کربلا کو عطا کیا ہے مگر ایک سوئی کے برابر جسے سمندر میں ڈالا جائے اور وہ دریا سے کچھ پانی اپنے ناکے میں لے لے، اگر

[1] البیان فی تفسیر القرآن: ص ۴۷۳۔

خاک کربلا نہ ہوتی تو میں تجھے بھی فضیلت نہ دیتا اور اگر وہ نہ ہوتا جسے زمین کربلا نے اپنے اندر لے رکھا ہے تو میں نہ تجھے خلق کرتا اور نہ اس گھر کو جس پر تو افتخار کر رہی ہے...[1]

اشکال: جناب مریمؑ پر بی بی فاطمہؑ کی فضیلت بہشتیوں پر حسنینؑ کی فضیلت جیسی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے پر برتری نہیں رکھتا۔

جواب: حسنین شریفینؑ کی سرداری احادیث میں مساوی طور پر بیان ہوئی ہے جبکہ جناب فاطمہؑ کو جناب مریمؑ پر فضیلت دی گئی ہے تو پھر یہ دو سرداریاں ایک جیسی کیسے ہو سکتی ہیں؟؟!!

تمام زنان عالمین پر جناب سیدہ فاطمہؑ کی برتری کا اثبات کچھ اور دلائل کے ساتھ

اگر اب تک پیش کی جانے والی تمام احادیث و اقوال کو ان دیکھا کر دیں تب بھی دوسرے دلائل کی مدد سے جناب سیدہؑ کی برتری و فضیلت کا اثبات ممکن ہے؛ من جملہ:

الف) حدیث کفو:

اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ اگر امیر المومنینؑ خلق نہ ہوتے تو جناب فاطمہؑ کے لیے آدم اور ان کے بعد کے تمام افراد میں کوئی بھی کفو نہ ہوتا اور جیسا کہ امیر المومنین ﷺ بعد از رسول اللہ ﷺ عالمین میں افضل الرجال ہیں، تو ثابت ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ بھی اسی طرح

[1] کامل الزیارات: ص۲۶۸، باب۸۸، ح۳و۴.

عالمین کی خواتین سے برتر ہیں۔

آیت اللہ خوئی اس استدلال کے حوالے سے لکھتے ہیں:... اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کے لیے کوئی کفو نہ ہوتا کیونکہ وہ عالمین کی خواتین کی سردار ہیں۔[1]

احادیث کفو کا بیان

۱۔ شیخ کلینیؒ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: لَوْ لَا أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى خَلَقَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ع لِفَاطِمَةَ مَا كَانَ لَهَا كُفْوٌ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ مِنْ آدَمَ وَ مَنْ دُونَهُ. اگر خداوند متعال جناب امیرؑ کو بی بی فاطمہؑ کے لیے خلق نہ کرتا تو ان کے لیے روئے زمین پر آدم سے لے کر آخر نفر تک کوئی کفو نہ تھا۔[2]

اس روایت کی سند ابو سعید خیبری اور یونس بن ظبیان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲۔ شیخ صدوقؒ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: لِفَاطِمَةَ ع تِسْعَةُ أَسْمَاءَ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَاطِمَةُ وَ الصِّدِّيقَةُ وَ الْمُبَارَكَةُ وَ الطَّاهِرَةُ وَ الزَّكِيَّةُ وَ الرَّاضِيَةُ وَ الْمَرْضِيَّةُ وَ الْمُحَدَّثَةُ وَ الزَّهْرَاءُ ثُمَّ قَالَ ع أَ تَدْرِي أَيُّ شَيْءٍ تَفْسِيرُ فَاطِمَةَ قُلْتُ أَخْبِرْنِي يَا سَيِّدِي قَالَ فُطِمَتْ مِنَ الشَّرِّ قَالَ ثُمَّ قَالَ لَوْ لَا أَنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ع تَزَوَّجَهَا لَمَا كَانَ لَهَا كُفْوٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ آدَمُ فَمَنْ دُونَهُ. خدا کے نزدیک جناب فاطمہؑ کے ۹ اسماء ہیں: فاطمہ، صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، زکیہ، راضیہ، مرضیہ،

[1] معجم رجال الحدیث: ج۲۳، ص۱۹۸.

[2] الکافی: ج۱، ص۴۶۱، ح۱۰.

محدثہ، زہراءؑ، اس کے بعد فرمایا: کیا تو جانتا ہے کہ فاطمہؑ کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا: اے میرے سید و سردار مجھے خبر دیجیے، فرمایا: جو شر سے دور رکھی گئی ہو۔ اس کے بعد فرمایا: اگر امیر المومنینؑ فاطمہؑ کے ساتھ شادی نہ کرتے، تو روئے زمین پر آدمؑ اور ان کے بعد تمام افراد میں کوئی بھی ان کا کفو نہ ہوتا۔[1]

اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں حسن بن عبداللہ اور یونس بن ظبیان موجود ہیں۔

۳۔ شیخ صدوقؒ امام رضاؑ سے ان کے اجداد کے توسط سے نقل کرتے ہیں کہ امام علیؑ نے فرمایا: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ص يَا عَلِيُّ لَقَدْ عَاتَبَتْنِي رِجَالٌ مِنْ قُرَيْشٍ فِي أَمْرِ فَاطِمَةَ وَ قَالُوا خَطَبْنَاهَا إِلَيْكَ فَمَنَعْتَنَا وَ تَزَوَّجْتَ عَلِيّاً فَقُلْتُ لَهُمْ وَ اللَّهِ مَا أَنَا مَنَعْتُكُمْ وَ زَوَّجْتُهُ بَلِ اللَّهُ تَعَالَى مَنَعَكُمْ وَ زَوَّجَهُ فَهَبَطَ عَلَيَّ جَبْرَئِيلُ ع فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللَّهَ جَلَّ جَلَالُهُ يَقُولُ لَوْ لَمْ أَخْلُقْ عَلِيّاً ع لَمَا كَانَ لِفَاطِمَةَ ابْنَتِكَ كُفْوٌ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ آدَمُ فَمَنْ دُونَه. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے علیؑ! فاطمہؑ کے معاملے میں قریش کے بعض مردوں نے مجھ پر سختی کی اور کہا: ہم نے آپ سے ان کا رشتہ مانگا لیکن آپ نے رد کر دیا لیکن اس کی علیؑ کے ساتھ شادی کر دی، میں نے ان سے کہا: خدا کی قسم وہ میں نہیں تھا جس نے تمہیں رد کیا اور علیؑ سے اس کی شادی کی بلکہ وہ تو خدا تھا جس نے تمہیں قبول نہ کیا اور فاطمہؑ کی علیؑ سے شادی کروائی، اس کے بعد جبرائیلؑ نازل ہوئے اور کہا: اے

[1] الخصال: ص ۴۱۴؛ علل الشرائع ص ۱۷۸، باب ۱۴۲، ح ۳.

محمد ﷺ! خدا فرماتا ہے: اگر میں علیؑ کو خلق نہ کرتا تو روئے زمین پر آدم سے ان کے بعد تک کوئی بھی فاطمہ ؑ کا کفو نہ ہوتا۔[1]

اس سند میں علی بن معبد ہے جو مہمل ہے۔

۴۔ شیخ صدوق نے عین یہی حدیث ایک اور سند سے بھی نقل کی ہے لیکن اس میں بھی علی بن معبد موجود ہے۔ شیخ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: میں نے اس زمینے میں جو بھی روایت بیان کی ہے اسے کتاب مولد فاطمہ ؑ سے نقل کیا ہے[2]۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیخ کی اور بہت سی کتب کی طرح یہ کتاب بھی مفقود ہو چکی ہے، البتہ علامہ اربلی (م ۶۹۳ ھ) کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کے پاس موجود تھی۔[3]

احادیث کفو کی سند: گرچہ ان احادیث کی اسناد ضعیف ہیں لیکن کسی روایت کا اعتبار فقط سند کے ذریعے سے نہیں ہوتا بلکہ عین ممکن ہے کہ بعض اوقات کسی روایت کی سند بظاہر صحیح ہو لیکن شواہد اس کے جھوٹے ہونے پر دلالت کریں اور ایسا بھی ممکن ہے کہ کبھی روایت کی سند ضعیف ہو لیکن شواہد اس کے معصوم سے صادر ہونے کی صحت پر دلالت کریں۔

---

[1] عیون اخبار الرضا: ج ۱، ص ۲۲۵.

[2] ایضاً.

[3] کشف الغمہ: ج ۲، ص ۸۵.

[اس کے علاوہ یہ روایات اہلسنت طریق سے بھی نقل ہوئی ہیں[1] اور جو فضیلت اہلبیتؑ کے بارے میں شیعہ سنی سے نقل ہوئی ہے، وہ قابل اطمینان ہے، دوسری جانب ایسی بہت سی احادیث جن کے مضمون کی دوسری مختلف روایات کے وسیلے سے تائید ہوتی ہو، تو ان کی سند کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ من جملہ وہ روایات جو حدیث کفو کی مؤید ہیں، ان میں وہ مختلف آیات وروایات ہیں جن میں جناب علیؑ کے بی بی زہراءؑ کے ساتھ بہت سے فضائل میں اشتراک کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ آیات عبارت ہیں:

الف) ﴿اهْدِنَا الصِّراطَ الْمُسْتَقيم﴾ کہ جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے واسطے سے لوگ کی راہ راست کی جانب ہدایت ہوتی ہے۔[2]

ب) ﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِماتٍ فَتابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحيم﴾[3] ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ: جن کلمات کے ذریعے آدمؑ نے اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ کی وہ محمد، علی فاطمہ، حسن اور حسین صلوات اللہ وسلامہ علیہم تھے۔[4]

---

[1] مقتل الحسین خوارزمی: ج۱، ص۶۶؛ اربلی، کشف الغمہ: ج۲، ص۱۰۰ نقل از کتاب الفردوس.

[2] شواہد التنزیل: ج۱، ص۵۷.

[3] بقرۃ: ۳۷.

[4] الدر المنثور: ج۱، ص۱۴۷، بیروت.

ج) آیہ مباہلہ جس کی جانب بعد میں اشارہ کیا جائے گا، کے ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کے لیے علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لے کر گئے۔ [1]

د) ﴿أَ لَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُها ثابِتٌ وَ فَرْعُها فِي السَّماءِ﴾ [2] حدیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ آیت پنجتن کے بارے میں ہے۔ [3]

ذ) ﴿أُولئِكَ الَّذينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلى رَبِّهِمُ الْوَسيلَةَ﴾ [4] روایت میں نقل ہوا ہے کہ رب کے تقرب کا وسیلہ پنجتن پاک ہیں۔ [5]

س) ﴿إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِما صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفائِزُونَ﴾ [6] عبداللہ ابن مسعود سے نقل ہوا ہے: یہ آیت علیؑ و فاطمہ و حسنینؑ کے لیے نازل ہوئی ہے۔ [7]

ش) آیہ تطہیر کہ وہ بھی پنجتن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ص) آیہ مودت کہ وہ بھی انہیں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

---

[1] ذخائر العقبہ۔

[2] ابراہیم: ۲۴۔

[3] شواہد التنزیل: ج ۱ ص ۳۱۲ و ۳۱۳۔

[4] اسراء: ۵۷۔

[5] شواہد التنزیل: ج ۱، ص ۳۴۲۔

[6] مومنون: ۱۱۱۔

[7] شواہد التنزیل: ج ۱، ص ۴۰۸۔

ع) ﴿مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكاةٍ فيها مِصْباحٌ الْمِصْباحُ في زُجاجَةٍ الزُّجاجَةُ ﴾[1] روایت میں ہے: اس آیت سے مراد بھی پنجتن پاک ہیں۔[2]

غ) ﴿ذلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذينَ آمَنُوا﴾ [3] ابن عباس سے منقول ہے: آیت سے مراد علیؑ، حمزہ، جعفر، فاطمہؑ، حسن و حسینؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔[4]

ف) ﴿كانُوا قَليلاً مِنَ اللَّيْلِ ما يَهْجَعُونَ﴾ [5] عبداللہ بن عباس کہتے ہیں: اس آیت سے مراد علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام ہیں۔

ق) ﴿وَ يُؤْثِرُونَ عَلى أَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كانَ بِهِمْ خَصاصَة﴾[6] یہ آیت بھی علی و فاطمہ و حسنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[7]

و) ﴿وَ يُطْعِمُونَ الطَّعامَ عَلى حُبِّهِ مِسْكيناً وَ يَتيماً وَ أَسيراً﴾ [8] یہ بھی علی و فاطمہ و حسنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

---

[1] نور: ۳۵.

[2] المناقب ابن مغازلی: ص۳۱۷.

[3] محمد: ۱۱.

[4] شواہد التنزیل: ج۲، ص۱۷۴.

[5] ذاریات: ۱۷.

[6] حشر: ۹

[7] شواہد التنزیل: ج۲، ص۲۴۷.

[8] دہر: ۸.

ی) ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلائِكَةُ وَ الرُّوحُ فيها بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ﴾ [1] امام باقر فرماتے ہیں: فاطمہؑ و علیؑ کے گھر کی چھت میں عرش کی جانب ایک شگاف ہے جو معراج وحی ہے جس میں ملائکہ ہر صبح و شام نیز ہر وقت و زمان میں نازل ہوتے ہیں اور ان پر کلام وحی لاتے ہیں، ملائکہ کا یہ گروہ منقطع نہیں ہوتا، ایک گروہ نیچے آتا ہے تو ایک گروہ اوپر جاتا ہے۔[2]

اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی دوسری آیات جو جناب سیدہؑ کو امام علیؑ کے ساتھ فضائل میں شریک قرار دیتی ہیں۔

وہ روایات عبارت ہیں: پنجتن کی نورانی خلقت،[3] تمام مخلوقات سے پہلے ان کی خلقت،[4] ان کی ولایت کا تمام اشیاء پر پیش ہونا،[5] اولین شخصیات جو جنت میں داخل ہونگی،[6] ان کا حظیرۃ القدس میں خاص جگہ و مقام،[7] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی و فاطمہؑ کا نور الٰہی سے وصل،[1] خدا کی

---

[1] قدر: ۳۔۴.

[2] تاویل الآیات، سید شرف الدین نجفی: ج ۲، ص ۸۱۸.

[3] فرائد السمطین: ج ۱، ص ۳۶.

[4] بحار الانوار: ج ۱۵، ص ۱۰.

[5] تاویل الآیات: ج ۱، ص ۹۸.

[6] مسند فاطمۃ الزہراء، سیوطی: ص ۴۵.

[7] ایضاً.

بہترین مخلوق ہونا،[2] روز قیامت ان کے مکان کا زیر قبہ عرش ہونا،[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی و فاطمہؑ کے لیے آسمان سے کافور کا نازل ہونا،[4] علی و فاطمہ و حسنینؑ کو اذیت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا۔[5]

اور اس کے علاوہ دوسری متعدد احادیث جو جناب سیدہؑ اور امیر المومنینؑ کے مشترکہ فضائل کے بارے میں کلام کرتی ہیں۔ ان آیات و روایات کا مجموعہ ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ جناب فاطمہؑ کے تنہا کفو بس علیؑ ہیں۔

احادیث کفو کی دلالت: اس حدیث کی دلالت پر دو اشکال کیے گئے ہیں:

اول: حضرت آدمؑ تو جناب فاطمہؑ کے محرم ہیں پس ان احادیث میں ان دو بزرگان کی شادی کی بات کس طرح بیان کی گئی ہے؟

دوم: ان تمام احادیث میں کہا گیا ہے کہ روئے زمین پر کوئی کفو نہیں تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ جو آسمان میں رہتے ہیں نیز جبرائیل و میکائیل و اسرافیل جو اگر انسانی صورت میں

---

[1] بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۴۴.

[2] بحر المعارف: ص ۴۲۸.

[3] کفایۃ الطالب: باب ۸۵، ص ۳۱۱.

[4] بحار الانوار: ج ۲۲، ص ۵۰۴.

[5] مسند احمد: ج ۲، ص ۴۴۲.

متمثل ہو جائیں تو وہ بھی ان کے کفو نہیں ہیں۔]

پہلے اشکال کا جواب: ملا صالح مازندرانی لکھتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہؑ کی آدمؑ کے ساتھ ازدواج کی حلیت و حرمت سے قطع نظر کرتے ہوئے، وہ آدمؑ کی ہمسری سے بھی افضل ہیں، لہذا یہاں یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ ان کی شادی تو جناب آدمؑ سے حرام ہے، اور جب جناب سیدہؑ مردوں سے افضل ہیں تو خواتین سے تو بہر حال افضل ہوئیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں: اس بارے میں شیعہ و سنی دونوں سے احادیث وارد ہوئی ہیں؛ طرق شیعہ تو معلوم ہی ہیں البتہ طرق اہلسنت تو وہ حدیث جو مسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے: بے شک فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جو اسے اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے۔ اور ایسے ہی ایک اور روایت میں آیا ہے: اے فاطمہؑ کیا تو راضی نہیں کہ مومن خواتین کی سردار ہے۔ اس قسم کی احادیث فراوان ہیں۔ قرطبیؒ کہتا ہے: جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؑ کو کرامت سے بشارت دی ہے وہ فاطمہؑ کے (فضل کے) لیے کافی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خبر دی کہ وہ مومن خواتین، اس امت کی خواتین اور اہل بہشت خواتین کی سردار ہیں، اور جو عائشہ پر فاطمہؑ کی افضلیت کا قائل ہے وہ انہی احادیث سے استدلال کرتا ہے؛ اور عیاضی کہتا ہے: عائشہ کی فاطمہؑ یا فاطمہؑ کی عائشہ پر فضیلت کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے، پس کہا گیا ہے کہ عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کے درجے میں ہیں لیکن فاطمہؑ علیؑ کے ساتھ ان کے درجے میں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ علیؑ سے بالاتر ہے؛ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فاطمہؑ افضل ہیں انہی

روایات کی بنا پر جن کا ذکر کیا گیا ہے اور اشعری اس مسئلے میں تردد کا شکار ہوا ہے اور اس نے توقف اختیار کیا ہے۔اس کے بعد صالح مازندارانی لکھتے ہیں: اس نے عائشہ و فاطمہؑ میں تقابل کر کے غلطی کی ہے کیونکہ نور و ظلمت میں کوئی نسبت نہیں۔[1]

[دوسرے اشکال کا جواب: اولاتو 'آدمؑ اور ان کے بعد' کی تعبیر سے مراد تمام بشریت ہے چاہے بعد میں ان میں سے کوئی آسمان پر اٹھالیا جائے اور وہ وہیں رہے یا وہ بھی جو آسمان پر نہ گیا ہو، نتیجتاً 'روئے زمین پر' جیسی تعبیر سے مراد ازدواج کے انجام پانے کا مکان ہے۔

ثانیاً: یہ خود اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ جناب ابراہیمؑ جناب عیسیٰؑ سے افضل تھے اور جب وہ جناب فاطمہؑ کے کفو نہ ہو سکے، تو صاف واضح ہے کہ عیسیٰؑ جو ان سے کم درجہ رکھتے ہیں، وہ بھی کفو نہیں ہو سکتے۔

ثالثاً: یہ بات بھی اپنے مقام پر ثابت ہے کہ بعض انبیاؑ ان فرشتوں سے افضل ہیں اور جب ان انبیاء میں سے کوئی فاطمہؑ کا کفو قرار نہ پایا تو اگر یہ فرشتے انسان کی صورت میں متمثل ہو کر آ بھی جائیں تب بھی جناب سیدہؑ کے کفو نہیں ہو سکتے۔اس کے باوجود بھی اگر (کسی کے فہم کے مطابق) ان احادیث میں جناب عیسیٰؑ شامل نہیں ہوتے تب بھی ہماری مراد یعنی جناب سیدہؑ کی عالمین کی خواتین پر سرداری ثابت و حاصل ہے۔]

[1] شرح اصول الکافی: ج۷، ص۲۱۶.

علامہ مجلسیؒ کے ساتھ مناقشہ: علامہ مجلسی جناب سیدہؑ کی آدم و نوح و ابراہیمؑ کے ساتھ ازدواج انجام پانے کے فرض کے بارے میں جبکہ یہ تو سب ان کے اجداد ہیں، صالح مازندرانی کی طرح کا کلام کرنے کے بعد کہتے ہیں: ممکن ہے کہ حدیث کفو کی دلالت پر جناب نوح و ابراہیمؑ پر فاطمہؑ کی افضیلت کے ساتھ مناقشہ کیا جائے اور وہ یوں کہ شوہر و بیوی کا کفو ہونے میں شوہر کا افضل ہونا شرط ہے (یعنی جب یہ کہا جائے کہ یہ مرد و عورت ایک دوسرے کے کفو ہیں تو شوہر کو ایک درجہ بالاتر ہونا چاہیے، نتیجتاً جب یہ کہا جائے گا کہ یہ انبیاء بھی فاطمہؑ کے کفو نہیں تو اس سے بی بی کی برتری سمجھ میں نہیں آئے گی بلکہ یہ ان کے رتبے کے ایک ہونے پر دلالت کرے گا) اور ایسی شرط عرف عام میں بعید نہیں اور خدا بہتر جانتا ہے۔[1]

جواب: ان روایات کی جانب توجہ رکھتے ہوئے جو مومن و مومنہ کو ایک دوسرے کا کفو بتاتی ہیں،[2] شوہر کے بیوی پر افضیلت رکھنے کی شرط پر مناقشہ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم بالفرض یہ قبول بھی کر لیں کہ یہ حدیث جناب سیدہؑ کے گزشتہ انبیاء سے رتبے میں مساوی ہونے کو بیان کرتی ہے تب بھی اس سے ہمارا مقصود یعنی ان کی عالمین کی خواتین پر سرداری کا اثبات، حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے علاوہ کسی بھی خاتون کے لیے جناب ابراہیم و نوحؑ جیسے انبیاء کے مساوی ہونے کے بارے میں کلام وارد نہیں ہوا۔ البتہ جناب سیدہؑ کی تمام انبیاء (غیر از

---

[1] بحار الانوار: ج۴۳، ص۱۰، اسی کے نزدیک مرآۃ العقول: ج۵، ص۳۴۹.

[2] وسائل الشیعۃ: کتاب نکاح، باب ۲۵-۲۷؛ مستدرک الوسائل: مقدمات نکاح: باب ۲۲-۲۴.

رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر برتری نہ فقط یہ کہ اس حدیث سے بلکہ دوسری بے شمار دلیلوں سے ثابت ہے اور یہ معاملہ امیر المومنین ؑ کی منزلت سے جانا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث جس طرح یہ بیان کرتی ہے کہ اگر علی ؑ نہ ہوتے تو فاطمہ ؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا ویسے ہی یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ اگر فاطمہ ؑ نہ ہوتی تو کوئی علی ؑ کا کفو نہ ہوتا یہاں تک کہ مریم ؑ بھی کیونکہ ہم کفو ہونا یک طرفہ نہیں ہے، پس اس کہنے سے کہ فقط علی ؑ فاطمہ ؑ کے کفو ہیں معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہ ؑ بھی علی ؑ کی تنہا کفو ہیں۔

دوسری عبارت میں یوں کہیں گے: جب جناب امیر ؑ کی جمیع انبیاء پر فضیلت ثابت ہے تو جو بھی افضل المخلوقات غیر از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفو ہو گی وہ خود بھی افضل ہو گی، نتیجتاً یہ حدیث دونوں کی افضیلت پر دلالت کرتی ہے۔]

یہی وجہ ہے کہ شیخ مفید ؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر المومنین ؑ کی جمیع مخلوقات پر افضیلت کے اثبات میں لکھے گئے رسالے میں اس حدیث کفو سے استدلال فرمایا ہے۔[1]

منزلت امیر المومنین ؑ

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے حدیث کفو کے ذریعے جناب فاطمہ ؑ کی منزلت جاننے کے لیے لازم ہے کہ حدیث کی دوسری جانب موجود شخصیت یعنی جناب امیر المومنین ؑ کی منزلت درک کی

[1] مصنفات شیخ مفید: ج۷، رسالہ تفضیل امیر المومنین ؑ: ص ۳۲.

جائے، ہم اس حوالے سے مختصر اً علمائے بزرگ کے اقوال نقل کرنے پر اکتفاء کریں گے:

الف) علامہ کراجلی (م ۴۴۹ھ) اس زمینے میں راقم ہیں: جس چیز کی جانب ہم (میل رکھتے) ہیں وہ یہ ہے کہ امیر المومنینؑ اولین و آخرین میں سب سے افضل ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، اور اسی بات پر شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے۔[1]

ب) علامہ حلیؒ کتاب مناہج الیقین میں آیہ مباہلہ کے ذریعے سے امیر المومنینؑ کی ملائکہ پر فضیلت کا اثبات کرتے ہیں، جبکہ ان کے استدلال کی نوع جمیع انبیاء ماسوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شامل ہے۔[2]

[آیہ مباہلہ وہ آیت ہے جس میں خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیتا ہے کہ علمائے مسیحیت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے ایک مجلس دعا تشکیل دیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بد دعا کریں۔ اور ان سے کہو کہ ہم اپنے بیٹے لاتے ہیں تم اپنے بیٹے لاؤ، ہم اپنی خواتین کو لاتے ہیں تم اپنی خواتین کو لاؤ، ہم اپنے نفوس کو لاتے ہیں تم اپنے نفوس کو لاؤ، تاکہ یہ مجلس برپا کی جائے اور ہم ایک دوسرے کے لیے بد دعا کریں۔ کوئی خود کو کسی مجلس میں مدعو نہیں کرتا معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ ((انفس)) سے مراد وہ ہے جو بمنزلہ جان ہو؛ اگلی صبح سب نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی بن ابی طالبؑ، فاطمہؑ اور حسنین شریفینؑ کو ساتھ لائے اور یوں

---

[1] التفضیل: ص۸.

[2] مناہج الیقین: ص ۳۳۱.

معلوم ہو گیا کہ نفس پیغمبر کون ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل ہیں ،لہذا قدرتی طور پر ان کی جان بھی تمام مخلوقات سے افضل ہو گی۔]

ج) شیخ صدوق ریّان بن صلت سے روایت کرتے ہیں کہ امام رضاؑ مرو میں مامون کی ایک مجلس میں وارد ہوئے جس میں علمائے عراق و خراسان کی ایک جماعت موجود تھی... امام نے مجلس میں حاضر علماء سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ آیہ مباہلہ میں انفسنا اور انفساکم سے رسول کی کیا مراد تھی؟ علماء نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود خود ان کی ذات تھی۔ امام نے فرمایا: بے شک تم غلطی پر ہو، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس سے علی بن ابی طالبؑ کا قصد فرمایا تھا اور جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ہے: یا تو ابولہیہ ہلکا ہو یا میں اپنے جیسے مرد یعنی علی بن ابی طالبؑ کو ان کی جانب بھیجوں، اور کلمہ ((الابناء)) سے حسن و حسین کا قصد فرمایا اور ((النساء)) سے فاطمہؑ کا۔ پس یہ وہ خصوصیت و فضیلت ہے جس میں کوئی بھی ان سے تقدم حاصل نہ کر سکا، اور ایسی فضیلت ہے کہ کوئی بھی انسان ان کے بعد اس میں ان سے ملحق نہ ہو سکا، اور ایسا شرف ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی ان سے سبقت حاصل نہ کر سکا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانِ علیؑ کو اپنی جان قرار دیا۔

اس حدیث کے تمام روات ثقات میں سے ہیں سوائے دو پہلے افراد کے، کہ وہ دونوں آیت اللہ مامقانی کے نزدیک ثقہ ہیں جبکہ آیت اللہ خوئی کے یہاں مہمل ہیں اور آیت اللہ اردبیلی نے

دوسرے شخص کو جامع الرواۃ میں حسن شمار کیا ہے۔ البتہ حدیث کی متانت الفاظ اور عمیق معنی اس کے معصوم سے صدور پر گواہ ہیں۔

د) شریف رضی تفسیر آیہ مباہلہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: قاسم بن سہل نوشجانی نقل کرتے ہیں کہ: میں مرو میں مامون کے پاس ایوان ابو مسلم میں تھا اور علی بن موسیٰ الرضاؑ مامون کی دائیں جانب تشریف فرما تھے، مامون نے مجھ سے کہا: اے قاسم تیرے آقا (امام علیؑ) کے فضائل میں کون سی فضیلت افضل ہے؟ میں نے کہا: ان کے فضائل میں آیہ مباہلہ سے زیادہ کوئی فضیلت بڑھ کر نہیں جس میں خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علیؑ کی جان کو ایک شمار کیا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا: اگر تمہارا مخالف تجھ سے کہے: لوگوں کو معلوم ہے کہ اس آیت میں ((ابناء)) اور ((نساء)) سے کیا مراد ہے کہ ان سے مراد فاطمہؑ اور حسنینؑ ہیں مگر ((انفس)) سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، تو پھر تو کیا جواب دے گا؟ قاسم کہتا ہے: یہ وہ وقت تھا جب مامون کے سامنے مجھ پر تاریکی چھاگئی اور میں ساکت ہو گیا اور میرے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ پس مامون نے امام رضاؑ سے کہا: آپ اس حوالے سے کیا کہتے ہیں اے اباالحسن! امام نے فرمایا: یہاں پر ایک ایسا نکتہ ہے کہ جس سے گریز ممکن نہیں۔ مامون نے کہا: اور وہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خود دعوت دینے والے ہیں اور اسی وجہ سے خدائے سبحان نے فرمایا: ﴿فَقُلْ تَعالَوْا نَدْعُ أَبْناءَنا وَ أَبْناءَكُمْ وَ نِساءَنا وَ نِساءَكُمْ وَ أَنْفُسَنا وَ أَنْفُسَكُمْ﴾ اے پیغمبر علمائے مسیحی سے کہیے کہ وہ اپنے بیٹوں کو لائیں ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں، ہم اپنی عورتوں کو لاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ، ہم اپنے نفوس کو لاتے ہیں تم اپنے

نفوس کولاؤ؛ دعوت دینے والا انسان خود کو دعوت نہیں دے سکتا وہ تو فقط اپنے علاوہ دوسروں کو دعوت دے سکتا ہے، پس جب انہوں نے بیٹوں اور عورتوں کو دعوت دی تھی تو یہ بات تو صحیح نہیں کہ نفس کے سلسلے میں علی بن ابی طالبؑ کے سوا کسی اور کی جانب متوجہ ہوں کیونکہ جن کے بارے میں ہم نے بیان کیا ہے ان میں علیؑ کے سوا اور کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود نہیں تھا جسے دعوت دینا ممکن ہوتا، اور اگر ایسا نہ ہو تو آیت کے معنی باطل ہو جائیں گے۔ قاسم کہتا ہے: اس وقت میری آنکھیں روشن ہو گئیں اور مامون کچھ دیر خاموش رہا اس کے بعد امام سے بولا: اے ابا الحسن! جب تیر اپنے ہدف پر جا لگے تو اس کا جواب نہیں ہوتا۔[1]

دوسری دلیل؛ حدیث استسرار:

اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جناب زہراؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری ایام میں ان سے ملنے کے لیے گئیں اور جب آپؐ نے انہیں اپنی موت کے قریب ہونے کی خبر دی، تو بی بیؑ نے گریہ فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کان میں کوئی راز کی بات کہی جسے سن کر آپؑ خوشحال ہو گئیں اور وہ راز یہ تھا کہ اہلبیتؑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے سب سے پہلے جو ان سے ملحق ہو نگی وہ ان کی بیٹی فاطمہؑ ہیں۔

علامہ اربلی اس حدیث کی جناب فاطمہؑ کی افضیلت پر دلالت کے حوالے سے لکھتے ہیں:... بشری طبیعت، خلقت کی اساس پر موت سے نفرت اور زندگی سے محبت کرتی ہے، یہاں تک

---

[1] حقائق التاویل: ج۵، ص ۲۳۲.

کہ انبیاء بھی اپنے شرف شخصیت، خدا کی بارگاہ میں اپنے مقام اور اپنے اختتام کے علم کے باوجود بھی زندہ رہنا پسند کرتے ہیں اور اس کی جانب مائل ہیں اور موت سے نفرت کرتے ہیں۔ جناب آدمؑ کا قصہ اس طولانی عمر کے باوجود بھی آپ کے علم میں ہے۔اس کے بعد علامہ نے حضرات داؤد، نوح، موسیٰ وابراہیم علیہم السلام کی موت سے خوش نہ ہونے کے واقعات کو نقل کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں: پس انبیاء ایسے ہیں جبکہ وہ اپنا شرف، علو شان اور آخرت میں اپنے مقام کی بلندی کا علم رکھتے ہیں، لیکن ان کی بشری طبیعت نے انہیں زندگی کی جانب رغبت دلائی؛ جبکہ فاطمہؑ ایک نوجوان خاتون ہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کی ماں، اور ایک قدردان شوہر کی بیوی، جس نے اب تک دنیا میں سے کچھ نہیں دیکھا اور عنفوان جوانی سے گزر رہی ہے، اور ان کے والد انہیں آگاہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی وفات کے بعد ان کے اہلبیتؑ میں سے سب سے پہلے ان سے ملحق ہوں گی، اسے سننے کے بعد ان پر ان کے والد کی موت کچھ آسان ہو جاتی ہے، وہ مسکراتی ہیں جبکہ قرار یہ پایا ہے کہ وہ اس دنیا سے چلی جائیں گی، چھوٹے بچوں کو چھوڑ دیں گی، شوہر سے جدا ہو جائیں گی، وہ راضی ہیں کیونکہ وہ موت سے خوش و شادمان ہیں اور دل و جان سے اس کے انتظار میں بیٹھ جاتی ہیں، یہ بہت بڑی بات ہے کہ زبان اس کی توصیف کی قوت نہیں رکھتی اور قلوب اسے سمجھنے کی سکت نہیں جٹا پاتے..[1]

---

[1] کشف الغمۃ: ج ۲: ص ۸۰.

جیسا کہ دیکھا جا سکتا ہے علامہ اربلی نے اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جناب زہراءؑ کا مقام جمیع انبیاء غیر از خاتم الانبیاء سے افضل ہے اور اگر یہ انبیاء سے افضل ہوں تو ان کی زنان عالم پر برتری خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔

[تیسری دلیل: آیہ تطہیر

اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ اہلبیتؑ ہر عیب، برائی، پلیدی، کمی اور گناہ سے پاک ہیں اور بہت سی روایات میں بیان ہوا ہے کہ اہلبیتؑ سے مراد پنجتن پاک ہیں۔ شیعہ سنی میں سے کوئی بھی قطعی طور پر اولین و آخرین کی زنان عالم میں سے کسی کے لیے بھی اس مقام کا قائل نہیں ہوا اور اہلسنت کا وہ گروہ جو آیہ تطہیر کو عائشہ اور ان جیسی دوسری خواتین کے بارے میں بتاتا ہے، وہ بھی ان کے لیے ایسے مقام کے قائل نہیں اور وہ ہو بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ ان کی صحیح روایات میں تو بعض بزرگ انبیاء کی جانب گناہ کبیرہ و صغیرہ کی نسبت دی گئی ہے؟!

چوتھی دلیل؛ آیہ مودت:

اس آیت میں محبت اہلبیتؑ اجر رسالت اور تمام مسلمین پر فریضے کے طور پر متعارف کروائی گئی ہے، جبکہ ایسی عظمت طول تاریخ میں کسی بھی خاتون کے لیے ذکر نہیں کی گئی یہاں تک کہ مریمؑ کے لیے بھی نہیں، اور یہ مطلب بی بی کی افضیلت کا اثبات کرتا ہے۔

پانچویں دلیل؛

وہ متعدد احادیث جن میں انبیاء کا پنجتن پاک سے متوسل ہونا مذکور ہے؛ من جملہ:

ا۔ ابن عباس کہتے ہیں: میں سے رسول اللہ ﷺ سے ان کلمات کے بارے میں سوال کیا جن کے ذریعے سے خدا نے آدمؑ کی توبہ قبول کی؛ آپ نے فرمایا: آدم نے حقِ محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین ﷺ کے واسطے سے دعا کی کہ اے خدایا! میری توبہ قبول فرما تو خدا نے بھی توبہ قبول فرمائی۔[1]

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر ہم (یعنی پنجتن) نہ ہوتے تو کشتی نوح اپنے ساکنین کو حرکت نہ دیتی۔[2]

چھٹی دلیل: حدیث نور:

متعدد احادیث جو پنجتن من جملہ جناب فاطمہؑ کی خلقت کو نور عظمت الہی سے بیان کرتی ہیں؛ من جملہ:

ا۔ جابر نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ فاطمہؑ کو زہراءؑ کیوں کہتے ہیں؟ فرمایا: کیونکہ خدا نے انہیں اپنے نور عظمت سے خلق کیا ہے... ملائکہ نے پوچھا: اے ہمارے معبود و سردار یہ نور

---

[1] الدر المنثور: جِ ۱، ص ۱۴۷، بیروت.

[2] عبقات الانوار: چاپ مخطوطات اصفہان، ج حدیث سفینہ، ص ۱۰۸۱.

کیسا ہے؟ خدا نے ان پر وحی کی: یہ میرے نور سے ایک نور ہے جسے میں نے اپنے آسمانوں میں جگہ دی ہے، میں نے اسے اپنی عظمت سے خلق کیا ہے... اور میں نے اسے تمام انبیاء (غیر از خاتم الانبیاء) پر فضیلت دی ہے۔[1]

۲۔ حدیث اسراء میں آیا ہے: اے محمد ﷺ! میں نے تجھے علی، فاطمہ، حسن و حسین اور نسل حسینؑ سے نو آئمہ علیہم السلام کو اپنے نور سے خلق کیا ہے۔[2]

ساتویں دلیل؛ مقام و منزلت در روز حشر

کثیر تعداد میں احادیث جناب سیدہؑ کے روز قیامت بلند ورفیع مقام و منزلت کی خبر دیتی ہیں، اس صورت میں کہ ان کے سوا کسی غیر کے لیے ایسی فضیلت کا ذکر نہیں ہوا؛ من جملہ:

ا۔ امام علیؑ سے نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب سیدہؑ سے فرمایا: ... اس وقت خدا جبرائیل کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تیری جانب بھیجے گا.... اس کے بعد اسرافیل تیری جانب آئیں گے، جبکہ ان کے پاس تین نورانی جامے ہونگے، وہ تیرے سر پر کھڑا ہو جائے گا اور تجھے آواز دے گا: اے فاطمہؑ بنت محمد ﷺ! اٹھ اور محشر کی جانب آ جا... اس کے بعد روفائیل اس حالت میں کہ ان کے ہاتھ میں نور خدا سے بنا شتر ہو گا اپنے ساتھ لائے گا۔ تیرے

---

1 بحار الانوار: ج۴۳، ص۱۲.

2 مقتل خوارزمی: ص۹۵؛ فرائد السمطین: ج۲، ص۳۱۹.

سامنے ۷۰۰۰۰ فرشتے ہونگے... اس وقت فقط تیرے لیے ایک نوارنی منبر نصب کیا جائے گا ...اس کے بعد جبرائیل کہیں گے: اے فاطمہؑ خدا سے اپنی حاجات کا سوال کرو، اور تو کہے گی: اے میرے پروردگار! میرے شیعہ...![1]

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب خدا اولین سے آخرین تک تمام خلائق کو مبعوث کرے گا، زیر عرش سے ایک منادی ندا دے گا: اے خلائق اپنی آنکھیں جھکا لو تا کہ فاطمہ بنت محمد ﷺ عالمین کی خواتین کی سردار پل صراط سے گزجائے۔[2]

آٹھویں دلیل؛ خدا کی بارگاہ میں منزلت:

کثیر تعداد میں احادیث خدا کی بارگاہ میں جناب فاطمہؑ کی بلند منزلت کے بارے میں کلام کرتی ہیں؛ من جملہ:

ا۔ مشہور حدیث: بے شک خداوند متعال فاطمہؑ کے غضب پر غضبناک اور ان کی رضا پر راضی ہوتا ہے۔[3]

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے جناب سیدہؑ سے فرمایا: اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، عرش الٰہی تیرے گریے سے گریہ کرنے لگتا ہے۔[1]

---

[1] بحارالانوار: ج۸، ص۵۳.

[2] بحارالانوار: ج۸، ص۶۸.

[3] کنزالعمال: ھ ۱۲، ص۱۱۱.

۳۔ خدا فرماتا ہے: اور اگر فاطمہؑ نہ ہوتیں تو تم دونوں (رسول اللہ ﷺ اور علیؑ) کو خلق نہ کرتا۔[2]

میں کہتا ہوں: اس حدیث کے معنی کے لیے کتاب فاطمۃ الزہراءؑ بہجت قلب مصطفی ﷺ کی جانب رجوع کیجیے۔

نویں دلیل؛ مقام فاطمہؑ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں

وہ کثیر احادیث جو جناب فاطمہؑ کی رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں بلند منزلت اور شدت محبت کے بارے میں کلام کرتی ہیں؛ من جملہ:

۱۔ محمد بن قیس کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس لوٹتے تو پہلے فاطمہؑ سے ملتے اور ان کے پاس کافی دیر تک ٹھہرے رہتے۔[3]

۲۔ ایک اور حدیث میں ہے: جب فاطمہؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتی تھیں، رسول اللہ ﷺ ان کا ہاتھ تھام لیتے، اس پر بوسے دیتے اور انہیں اپنی نشست پر بٹھاتے۔[4]

۳۔ ایک اور حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ سر فاطمہؑ کو آغوش میں لے لیتے اور

---

[1] بحار الانوار: ج ۲۲، ص ۴۸۴.

[2] الجنۃ العاصمۃ: ص ۱۴۸.

[3] بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۲۰.

[4] کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۴۵۳.

فرماتے: فداک ابوک! تیرا بابا تجھ پر قربان۔[1]

۴۔ عائشہ نقل کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی سفر سے واپس لوٹتے تو فاطمہؑ کی گردن کے بوسے لیتے۔[2]

۵۔ عائشہ نقل کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کے گیسوؤں کے بوسے لیا کرتے تھے۔[3]

۶۔ شیخ طوسیؒ امام علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اے خدا! یہ دونوں (علی و فاطمہؑ) تیری مخلوقات میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔[4]

۷۔ شیخ طوسی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے خدا! یہ میری بیٹی ہے اور خلائق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔[5]

عالم بزرگ احمد رحمانی ہمدانیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں: اس قسم کی تکریمات اس قدر زیادہ تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اس قدر تکرار کے ساتھ صادر ہوئی ہیں کہ انہیں بیان و شمار نہیں کیا جا سکتا... ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکمت میں لوگوں میں سب

---

[1] احقاق الحق: ج ۱۰، ص ۱۸۵.

[2] احقاق الحق: ج ۱۰، ص ۱۸۵.

[3] ایضاً.

[4] امالی طوسی: ص ۴۰، ح ۴۴.

[5] ایضاً: ح ۴۵.

سے بہتر... عقل میں سب سے زیادہ کامل... تھے لہذا ان کا فاطمہؑ کے لیے یہ کام انجام دینا حکمت و دلیل کی بنا پر تھا... اس قسم کی شدید محبت کی وجہ فقط باپ و بیٹی کا رشتہ نہیں کیونکہ اس قسم کی محبت عام لوگوں میں اپنے بچوں کے لیے دیکھنے کو نہیں ملتی اور نہ ہی مرسوم ہے۔ بلکہ لازم ہے کہ اس قسم کی محبت کے اظہار کا سرچشمہ مقام و منزلت جناب سیدہؑ کو آشکار کرنے میں ڈھونڈا جائے۔[1]

دسویں دلیل؛ مختلف احادیث در فضیلت بی بی دو عالمؑ

وہ مختلف احادیث جو جناب فاطمہؑ کی برتری پر دلالت کرتی ہیں؛ من جملہ :

۱۔ امام رضاؑ اپنے اجداد کے توسط سے امام علی سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ! تجھے تین ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھے بھی عطا نہیں کی گئیں: ...تجھے فاطمہؑ جیسی ہمسر ملی ہے جو مجھے نہیں ملی۔[2]

یہ حدیث تمام خواتین من جملہ جناب خدیجہؑ پر بھی جناب سیدہؑ کی برتری پر دلالت کر رہی ہے، اور جیسا کہ ہم نے اہلسنت کی صحیح روایت کے ذریعے ثابت کیا تھا کہ جناب خدیجہؑ بی بی مریمؑ کے برابر رتبہ رکھتی ہیں، تو اس سے جناب سیدہؑ کی مریمؑ پر برتری بھی آشکار ہو جاتی ہے۔

---

[1] فاطمۃ الزہراءؑ بہجت قلب المصطفیٰ: ص ۱۱۳-۱۱۴۔

[2] مسند الامام الرضاؑ: ج ۱، ص ۱۴۳۔

۲۔ شیخ طوسی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: خدا نے فاطمہؑ کا مہر دنیا کا ایک چوتھائی حصہ قرار دیا، پس اس کا ایک چوتھائی فاطمہؑ کے لیے ہے، اور ایسے ہی بہشت و جہنم بھی ان کے مہر میں قرار دی، وہ ان کے دشمنوں کو جہنم میں ڈالے گا جبکہ ان کے محبوں کو وارد بہشت فرمائے گا، آپؑ صدیقہ کبری ہیں ((و علی معرفتها دارت القرون الاولی)) اور جہان خلقت آغاز سے ان کی معرفت کے مدار پر گردش کر رہا ہے۔[1]

۳۔ طبری شیعی امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک خدا نے جن وانس، پرند و حیوانات اور انبیاء و ملائک میں سے جو کچھ خلق کیا ان پر سب فاطمہؑ کی اطاعت واجب ہے۔[2]

۴۔ محب الدین طبری سنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے علیؑ سے فرمایا: بہت جلد تیرے دو سہارے اس دنیا سے چلے جائیں گے... جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو علیؑ نے فرمایا: یہ ان دو سہاروں میں سے ایک تھا اور جب فاطمہؑ کا انتقال ہوا تو علیؑ نے فرمایا: یہ دوسرا سہار تھا جو میرے ہاتھوں سے گیا۔[3]

---

[1] امالی طوسی: ص۶۶۸، ح۱۳۹۹.

[2] دلائل الامامۃ: ص۱۰۶، مجلس ۲، ح۳۴.

[3] ذخائر العقبیٰ: مصر، ص۵۶.

۵۔ اہلسنت بزرگ علماء میں سے ایک جلال الدین سیوطی نقل کرتے ہیں کہ علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: سب سے پہلے جنت میں میں داخل ہونگا اور تو (اے علی) اور فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام۔[1]

۶۔ امام علیؑ نے خلیفہ منتخب کرنے کے لیے تشکیل دی گئی شوری کے سامنے اپنے فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تمہارے درمیان میرے سوا کوئی ایسا ہے جس کی بیوی زنان عالم کی سردار ہو؟ کہنے لگے نہیں۔[2]

جس بی بی پر امیر المومنینؑ افتخار فرمائیں اور وہ ان کے لیے باعث فخر ہو، معلوم ہے کہ وہ مخلوقات عالم پر کیا برتری رکھتی ہو گی!

۷۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی (کی سیرت) میں میرے لیے نمونہ عمل ہے۔[3]

۸۔ حدیث اسراء میں آیا ہے: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے تجھے، علی، فاطمہ، حسن و حسین اور حسین کی نسل سے نو آئمہ علیہم السلام کو اپنے نور سے خلق کیا، اور ان کی ولایت کو اہل زمین و آسمان پر پیش کیا، پس جو بھی اسے قبول کرلے وہ میرے نزدیک مومنین میں سے ہے وگرنہ

[1] مسند فاطمۃ الزہراء: ص ۴۵.

[2] الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۹۵.

[3] بحار الانوار: ج ۵۳، ص ۱۷۹.

گمراہوں میں سے ہو جائے گا۔[1]

۹۔ خطیب بغدادی جو علمائے اہلسنت میں سے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا میں نے جنت کے در پر لکھا ہوا دیکھا: لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، علی حبیب اللہ، حسن و حسین خدا کے چنے ہوئے ہیں، اور فاطمہ خدا کے نزدیک سب سے بہتر ہیں؛ خدا کی لعنت ہو ان کے دشمنوں پر۔[2]

مقام حضرت زہراءؑ امام خمینیؒ کے کلام میں

اس بحث کے اختتام پر امام خمینی کا دقیق اور پر از معارف کلام نقل کرتے ہیں جو ہمیں جناب فاطمہؑ کے بلند مقام سے کسی حد تک روشناس کروائے گا، وہ فرماتے ہیں: وہ تمام جہات جو ایک انسان اور ایک خاتون کے لیے تصور کی جا سکتی ہیں، جناب فاطمۃ الزہراءؑ کی شخصیت میں متجسم ہیں۔ زہراءؑ کوئی عام عورت نہیں، وہ ایک روحانی خاتون ہیں... وہ ایک ملکوتی خاتون ہیں... ایک انسان ، اپنے تمام معانی کے ساتھ... انسانیت متکامل کا نسخہ ہیں... ایک ملکوتی فرد ہیں جو وجود میں ایک انسان کی صورت میں متجلّی ہوا ہے بلکہ ایک الٰہی و جبروتی موجود ہیں جو ایک خاتون کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ بے شک اس خاتون میں... ایک خاتون و انسان میں

---

[1] مقتل خوارزمی: ص۹۵؛ فرائد السمطین: ج۲، ص۳۱۹؛ غیبۃ طوسی: ص۹۵.

[2] تاریخ بغداد: ج۱، ص۳۵۹.

تصور کیے جانے والے تمام خصائل کمالی جمع ہیں۔ فاطمہؑ وہ خاتوں ہیں جو انبیاء کے تمام خصال سے آراستہ ہے... وہ خاتون کہ اگر مرد ہوتی تو نبی ہوتی اور اگر مرد ہوتی تو قطعاً مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوتی...[1] وہ وجود جس میں معنویات نیز ملکوتی والٰہی و جبروتی وملی وانسانی مظاہر جمع ہیں۔[2]

وہ خاتون جو خانہ نبوت کا افتخار ہے اور اسلام کی پیشانی پر خورشید کی طرح درخشاں ہے... وہ خاتون جس کے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی عترت طاہرہؑ کے لا متناہی فضائل کے ساتھ مماثل ہیں، وہ خاتون کہ جس نے بھی جس فکر اور گفتار کے ساتھ اس کی ثنا کی، حق ثنا ادا نہ کر سکا، کیونکہ جو روایات بیت نبوت سے ہم تک پہنچی ہیں وہ مخاطبین کی ظرفیت اور فہم کے مطابق ہیں اور دریا کو ایک چھوٹے سے کوزے میں بند کرنا ممکن نہیں۔[3]

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہؑ ہماری روایات کے مطابق اس عالم سے قبل سایہ عرش میں نور (کی صورت میں) تھے۔ انعقاد نطفہ کے معاملے میں ان میں اور دوسرے افراد میں فرق ہے اور ان کے لیے الٰی ماشاء اللہ مقامات ہیں... اور ایسے ہی یہ مقامات جناب زہراءؑ کے

---

[1] یعنی ان کی ہر حوالے سے جانشین ہوتیں. (مترجم)

[2] جایگاہ زن در اندیشہ امام خمینی: ص ۲۳.

[3] ایضاً: ص ۲۴.

لیے بھی ثابت ہیں۔[1]

ایک غیر معمولی عنصر جو فضائل انسانی اور زمین میں خلیفۃ اللّٰہی کی والا قدر و قیمت کی اساس ہے... وہ خاتون جو افتخار وجود اور معجزۂ تاریخ ہے۔[2]

[1] حکومت اسلامی: ص ۸۴.

[2] جایگاہ زن در اندیشہ امام خمینی: ص ۲۰.

فصل دوم

فاطمۃ الزہراءؑ

بتول، طاہرہ اور مطہرہ ہیں

ابتدائے کلام میں ہی عرض کیے دیتے ہیں کہ اگر خود رسول اللہ ﷺ اور آئمہ معصومینؑ نے اس موضوع پر ارشادات نہ فرمائے ہوتے تو ہم بھی اس میں داخل نہ ہوتے کیونکہ محبان اہلبیتؑ اس بحث میں داخل ہونے سے شرم کھاتے ہیں۔ البتہ اس بحث میں داخل ہونے سے ہمارا فقط ایک ہی مقصد ہے اور وہ جناب زہراءؑ کی ایک فضیلت کا اثبات ہے۔

بتول در لغت:

کلمہ بتول مادہ ((بتل)) سے ہے جو ایک چیز کے دوسری چیز سے جدا ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ((تبتّل)) انقطاع کے معنی میں ہے۔ خدائے متعال فرماتا ہے: ﴿وَ تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلا﴾[1] یعنی دنیا سے خدا کی طرف جدا ہو اور اس کے لیے مخلص ہو جاؤ۔

بتول کے معنی میں خلیل لغوی (م ۱۷۵ھ) کہتا ہے: بتول ہر وہ خاتون ہے جو مردوں سے دور ہو جائے اور اس کے دل میں ان کی ضرورت و شہوت نہ رہے۔[2]

ابن فارس لغوی (م ۳۹۵ھ) کہتا ہے: مریمؑ کو بتول کہتے ہیں کیونکہ وہ تنہا تھیں اور ان کے شوہر نہیں تھے۔[1]

---

[1] مزمل: ۸.

[2] العین: ج ۸، ص ۱۲۴.

فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) کہتا ہے: بتول وہ خاتون ہے جو مردوں سے دوری اختیار کرے... اور فاطمہ بنت سید المرسلین ﷺ کو اس لیے بتول کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کی خواتین اور امت اسلامیہ کی مستورات سے
فضیلت و دین داری اور حسب میں جدا تھیں۔[2]

ابن منظور لغوی (م ۷۱۱ھ) کہتا ہے: بتول وہ خاتون ہے جو مردوں سے دوری اختیار کرے؛ احمد بن یحییٰ سے ہمارے سید و سردار رسول اللہ ﷺ کی دختر فاطمہ رضوان اللہ علیہا کے بارے میں پوچھا گیا: انہیں کس وجہ سے بتول کہتے تھے؟ اس نے جواب دیا: عفاف، فضیلت، دین داری اور حسب میں اپنے زمانے اور امت مسلمہ کی خواتین سے جدا ہونے کی وجہ سے۔[3]

بتول در اصطلاح روایات

[چونکہ ہم نے عجلت میں کتب حدیث و تاریخ و تفسیر کی جانب رجوع کیا اس لیے تقریبا ۳۰۰ منابع ڈھونڈ پائے جن میں جناب فاطمہؑ کے اصطلاحی معنی میں بتول ہونے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اب ہم ان میں سے چند روایت کی جانب اشارہ کرتے ہیں:]

---

1 معجم مقاییس اللغۃ: ج ۱، ص ۱۹۵.

2 القاموس المحیط: ج ۳، ص ۳۲۱.

3 لسان العرب: ج ۱، ص ۳۱۱.

۱۔ شیخ صدوقؒ امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: لَمَّا وُلِدَتْ فَاطِمَةُ ع أَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَى مَلَكٍ فَأَنْطَقَ بِهِ لِسَانَ مُحَمَّدٍ فَسَمَّاهَا فَاطِمَةَ ثُمَّ قَالَ إِنِّي فَطَمْتُكِ بِالْعِلْمِ وَ فَطَمْتُكِ عَنِ الطَّمْثِ ثُمَّ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ ع وَ اللَّهِ لَقَدْ فَطَمَهَا اللَّهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى بِالْعِلْمِ وَ عَنِ الطَّمْثِ بِالْمِيثَاقِ. جب فاطمہؑ متولد ہوئیں، تو خدا نے ایک فرشتے کو وحی کے ساتھ بھیجا جس کے ذریعے سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کھلی اور انہیں فاطمہؑ کا نام دیا گیا پس خداوند متعال نے فرمایا: میں نے تجھے علم کے سبب بے نیاز کیا، اور خون زنان سے دور کیا۔ اس کے بعد امام باقرؑ نے فرمایا: خدائے تبارک و تعالیٰ کی قسم خدا نے میثاق میں فاطمہؑ کو علم کی وجہ سے بے نیاز اور خون زنان سے دور رکھا۔[1]

اس سند میں دو راوی ایسے ہیں جو ایک نظر کے مطابق ضعیف جبکہ دوسری نظر کے مطابق ثقہ ہیں؛ ایک یزید بن عبد الملک ہے کہ اگر کامل الزیارات کی اسناد کی وثاقت قبول کی جائے تو وہ ثقہ ہے ورنہ مہمل ہے۔ اور دوسرا محمد بن علی بن ماجیلویہ جو آیت اللہ خوئی کے یہاں مہمل جبکہ آیت اللہ مامقانی و دیگران کے یہاں ثقہ ہے۔

دوسرا یہ کہ اس کی سند اس طرح ذکر کی گئی ہے: محمد بن صالح بن عقبہ عن یزید بن عبد الملک؛ جبکہ دوسری بہت سی اسناد میں جو چیز آئی ہے وہ یہ ہے: محمد بن اسماعیل عن صالح بن عقبہ عن یزید بن عبد الملک؛ پس معلوم ہوتا ہے کہ اس سند میں اسماعیل کا نام رہ گیا ہے اور کلمہ

---

1 علل الشرائع: ص۱۷۹، ح۴.

((عن)) غلطی سے ((بن)) لکھ دیا گیا ہے۔ نیز یہ وہی روایت ہے جو شیخ کلینیؒ نے محمد بن اسماعیل اشر اس نے صالح بن عقبہ سے نقل کی ہے۔[1]

۲۔ شیخ صدوقؒ امام علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: أَنَّ النَّبِيَّ ص سُئِلَ مَا الْبَتُولُ فَإِنَّا سَمِعْنَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَقُولُ إِنَ مَرْيَمَ بَتُولٌ وَ فَاطِمَةَ بَتُولٌ فَقَالَ ص الْبَتُولُ الَّتِي لَمْ تَرَ حُمْرَةً قَطُّ أَيْ لَمْ تَحِضْ فَإِنَّ الْحَيْضَ مَكْرُوهٌ فِي بَنَاتِ الْأَنْبِيَاءِ. میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: بتول کے کیا معنی ہیں؟ میں نے آپ سے سنا ہے کہ مریمؑ بتول ہیں، فاطمہؑ بتول ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: بتول وہ خاتون ہے جو خون حیض نہیں دیکھتی یعنی اسے حیض نہیں آتا کیونکہ انبیاء کی دختران کے لیے حیض سزاوار نہیں۔[2]

اس حدیث کی سند کم از کم محمد بن ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ وہ خود مجہول ہے۔

۳۔ طبری شیعی امام سجادؑ سے نقل کرتے ہیں کہ زینب بنت علیؑ نے نقل کیا ہے اسماء بنت عمیس نے میرے لیے بیان کیا: قَدْ كُنْتُ شَهِدْتُ فَاطِمَةَ ع وَ قَدْ وَلَدَتْ بَعْضَ وُلْدِهَا فَلَمْ أَرَ لَهَا دَماً فَقَالَ ص إِنَّ فَاطِمَةَ خُلِقَتْ حُورِيَّةً فِي صُورَةٍ إِنْسِيَّةٍ. میں اس وقت جب فاطمہؑ نے بچے کو جنم دیا ہے ان کے پاس تھی اور میں نے دیکھا کہ انہیں کوئی خون لاحق نہیں ہوا لہذا میں نے اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو انہوں نے مجھ سے ارشاد

---

[1] الکافی: ج۱، ص۴۶۴، ح۳.

[2] علل الشرائع: ص۱۸۱.

فرمایا: اے اسماء! فاطمہؑ حوریہ انسیہ (کی صورت میں) خلق کی گئی ہے۔[1]

کشف الغمۃ جلد ۲، صفحہ ۹۱ پر کتاب مولد فاطمہؑ سے یہی روایت نقل کی گئی ہے۔

اس کی سند میں مختلف جہات سے ضعف پایا جاتا ہے کیونکہ ان کے بعض روای جیسے محمد صفوانی، عمر بن موسی اور عبداللہ بن محمد یاتو مہمل ہیں یا مجہول۔

۴۔ طبری شیعی امیر المومنینؑ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ فَاطِمَةَ خُلِقَتْ حُورِيَّةً فِي صُورَةِ إِنْسِيَّةٍ، وَ إِنَّ بَنَاتَ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَحِضْنَ. بے شک فاطمہؑ حوریہ ہے جو انسان کی صورت میں خلق کی گئی ہے اور بے شک انبیاء کی بیٹیوں کو حیض لاحق نہیں ہوتا۔[2]

اس حدیث کے تین راوی ضعیف ہیں۔

۵۔ شیخ کلینیؒ امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ فَاطِمَةَ ع صِدِّيقَةٌ شَهِيدَةٌ وَ إِنَّ بَنَاتِ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَطْمَثْنَ. بے شک فاطمہؑ صدیقہ شہیدہ ہیں اور بے شک انبیاء کی بیٹیوں کو حیض نہیں آتا۔[3]

اس روایت کی سند تمام رجالیوں کے اتفاق نظر کے ساتھ صحیح ہے اور اس کی دلالت بھی واضح ہے کیونکہ اس میں جناب سیدہ کی مدح کرنے کے بعد کہ وہ صدیقہ ہیں اور اس دنیا سے

---

[1] دلائل الامامۃ: ص ۱۵۰، ح ۶۲، اور اسی کے نزدیک سند کے ساتھ ص ۱۴۸، ح ۵۶ پر بھی.

[2] دلائل الامامۃ: ص ۱۴۵، ح ۵۲.

[3] الکافی: ج ۱، ص ۴۵۷، ح ۲.

شہید رخصت ہوئی ہیں، فرماتے ہیں: انبیاء کی بیٹیوں کو حیض نہیں آتا، اور فاطمہؑ تو فضیلت و برتری میں سردار انبیاء کی بیٹی ہیں۔

۶۔ شیخ کلینی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: كَانَ بَيْنَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ ع طُهْرٌ وَ كَانَ بَيْنَهُمَا فِي الْمِيلَادِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَ عَشْراً. امام حسنؑ (کی ولادت) اور امام حسینؑ کے (شکم مادر میں وجود میں آنے میں) ایک پاکی کا فاصلہ تھا اور ان کی ولادت کے درمیان چھ ماہ کا فاصلہ تھا۔[1]

اسناد اہلسنت میں بھی یہ روایت وارد ہوئی ہے من جملہ تاریخ دمشق، ترجمہ امام حسینؑ صفحہ ۱۳ حدیث ۱۳ و ۱۴؛ المعجم الکبیر جلد ۳، صفحہ ۹۴، البتہ معجم میں دوسرا جملہ وارد نہیں ہوا۔

اس روایت کی سند بلا اشکال صحیح ہے اور اس سے جو چیز سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ امام حسینؑ کے حمل کی مدت چھ ماہ تھی کہ یہ ان کی خصوصیات میں سے ہے۔ شیخ کلینی نے اسی موضوع پر دو روایات امام صادقؑ سے نقل کی ہیں، اس کا طریق اول صحیح ہے لیکن دوسری سند میں معلی بن محمد ہے[2] کہ اگر ہم کامل الزیارات کی اسناد کی قبولیت کا مبنی قبول کریں تو یہ ثقہ اور سند صحیح ہے ورنہ بطور دیگر نہیں۔

اس حدیث کی جناب فاطمہؑ کے پاک ہونے پر دلالت اس طرح ہے کہ یہ چھ ماہ حمل امام

---

[1] الکافی: ج ۱، ص ۴۶۳، ح ۲.

[2] ایضاً: ح ۳.

حسینؑ کی مدت تھی اور وہ دس دن حدیث کی تصریح کے مطابق ایام طُہر تھے کیونکہ دو خون کے درمیان خاتون جو پاکی دیکھتی ہے وہ کم از کم دس دن ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؑ کے نطفے کا رحم مادر میں انعقاد تولد امام حسنؑ کے دس دن بعد ہوا، جبکہ حدیث کہتی ہے: کہ یہ دس دن جناب زہراءؑ کے ایام پاکی تھی یعنی انہیں خون لاحق نہیں ہوا جبکہ عام خواتین کو ولادت کے پہلے دس دن خون نفاس لاحق ہوتا ہے [اور کیونکہ کوئی بھی جناب سیدہؑ کے بارے میں خون نفاس یا خون حیض کے لاحق ہونے میں فرق کا قائل نہیں ہوا، لہذا اگر ان کے لیے خون نفاس کا لاحق نہ ہونا ثابت ہو جائے تو خون حیض کا لاحق نہ ہونا بھی ثابت ہو جائے گا]

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کبھی کبھار ایام طُہر کا اطلاق ایام حیض پر بھی کیا جاتا ہے کیونکہ کہتے ہیں کہ یہ خاتون ایام طہر اور ایام حیض رکھتی ہے، تو ہم کہیں گے: جو مثال آپ نے دی ہے ،اس میں طہر حیض کے مقابل ہے نہ حیض کے معنی میں، اور حیض کا طہر کے مقابل ہونا ہے اس حدیث میں جناب سیدہؑ کی خون سے طہارت پر سب سے بڑی دلیل ہے۔

اور اسی صحیح حدیث کے مفہوم سے استناد کی وجہ سے بعض علماء جیسے شیخ مفیدؒ اور شیخ طوسیؒ نے کہا ہے کہ امام حسینؑ کی ولادت ربیع الاول کے آخر میں ہے نہ کہ سوم شعبان جو کہ معروف ہے۔ کیونکہ امام حسنؑ کی ولادت ۱۵ رمضان ہے اور اس حدیث کے مطابق امام حسنؑ و حسین کی ولادت کے درمیان چھ ماہ کا فاصلہ تھا، اور یہ چیز ربیع الاول کے آخری ایام کے ساتھ

سازگار ہے؛ مگر یہ کہ ہم امام حسنؑ کی ولادت کو ۱۵ رمضان نہ مانیں اور اس کے لیے کسی اور تاریخ کے قائل ہوں۔

۷۔ شیخ صدوقؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ فَاطِمَةَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهَا لَيْسَتْ كَأَحَدٍ مِنْكُنَ إِنَّهَا لَا تَرَى دَماً فِي حَيْضٍ وَ لَا نِفَاسٍ كَالْحُورِيَّةِ. بے شک فاطمہؑ تم عورتوں جیسی نہیں ہے، بے شک اسے حوریہ انسیہ کی طرح ایام حیض و نفاس میں خون لاحق نہیں ہوتا۔[1]

اس کے بعد اسی کے ساتھ امام صادقؑ سے ایک اور حدیث نقل کرتے ہیں جو اس آیت: ﴿وَ لَهُمْ فيها أَزْواجٌ مُطَهَّرَةٌ﴾[2] پر سوال کے جواب میں فرمائی کہ: الْأَزْوَاجُ الْمُطَهَّرَةُ اللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَ لَا يُحْدِثْنَ. یہ وہ خواتین ہیں جنہیں حیض نہیں آتا اور ان سے کوئی حدث بھی صادر نہیں ہوتا۔[3]

ان دونوں حدیثوں کو شیخ صدوق اس لیے ایک ساتھ لائے ہیں کیونکہ دوسری حدیث میں بہشتی حور العین کے پاک ہونے کے بارے میں کلام وارد ہوا ہے اور پہلی حدیث میں جناب فاطمہؑ کو بھی حوریہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی ان کی طرح پاک ہیں۔

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ: ج۱، ص۵۰، ح۳.

[2] بقرہ: ۲۵.

[3] ایضاً: ح۴.

عیاشی نے بھی یہی معنی ابو بصیر سے اور انہوں نے امام صادقؑ سے نقل کیے ہیں۔[1] اور اس آیت الْأَزْوَاجُ الْمُطَهَّرَةُ کے مقصود یعنی (حوروں کو) خون حیض کے لاحق نہ ہونے پر مفسرین متفق ہیں۔[2]

البتہ شیخ صدوق کی یہ روایت مرسل ہے، البتہ امام خمینیؒ مرسلات صدوق کو اس مقام پر جہاں اس سند کے ضعیف ہونے کا احتمال نہ ہو، حجت مانتے ہیں[3] اور یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

نتیجتاً حوریہ کو خون حیض لاحق نہ ہونا مسلم ہے، لہذا جس حدیث میں بھی جناب سیدہؑ کے حوریہ ہونے کو بیان کیا گیا ہے، اس سے ان کے خون سے پاک ہونے کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔

احادیث صحیح من جملہ:

الف) علی بن ابراہیمؒ سند صحیح کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ص يُكْثِرُ تَقْبِيلَ فَاطِمَةَ ع فَغَضِبَتْ مِنْ ذَلِكَ عَائِشَةُ وَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ (ص) إِنَّكَ تُكْثِرُ تَقْبِيلَ فَاطِمَةَ ع فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ (ص) يَا عَائِشَةُ إِنَّهُ لَمَّا أُسْرِيَ بِي إِلَى السَّمَاءِ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَأَدْنَانِي جَبْرَائِيلُ ع مِنْ شَجَرَةِ طُوبَى وَ نَاوَلَنِي مِنْ ثِمَارِهَا فَأَكَلْتُهُ فَلَمَّا هَبَطْتُ إِلَى الْأَرْضِ حَوَّلَ اللَّهُ ذَلِكَ مَاءً فِي ظَهْرِي- فَوَاقَعْتُ

---

[1] تفسیر عیاشی: ج۱، ص۱۶۴، ح۱۱.

[2] تفسیر قمی: ج۱، ص۹۸؛ التفسیر الکبیر: ج۲، ص۱۳۰؛ تفسیر التبیان: ج۱، ص۱۱۱؛ الجامع لاحکام القرآن: ج۱، ص۲۴۱؛ المیزان: ج۱، ص۹۰؛ کنزالد قائق: ج۱، ص۱۹۰.

[3] الخلل فی الصلاۃ: ص۲۲۵.

خَدِيجَةَ فَحَمَلَتْ بِفَاطِمَةَ فَمَا قَبَّلْتُهَا إِلَّا وَجَدْتُ رَائِحَةَ شَجَرَةِ طُوبَى مِنْهَا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کے بہت زیادہ بوسے لیتے جسے عائشہ نے اچھا نہ جانا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا، تو جبرائیل مجھے شجر طوبیٰ کے پاس لے گئے اور اس کا پھل مجھے دیا میں نے اسے کھایا اور خدا نے اس سے میری پشت میں نطفہ قرار دیا پس جب میں زمین پر آیا تو یہ امانت خدیجہ کو سونپ دی اور وہ فاطمہؑ سے حاملہ ہو گئیں، میں اسے نہیں چومتا مگر یہ کہ جب بھی چومتا ہوں مجھے اس سے درخت طوبیٰ کی خوشبو آتی ہے۔[1]

اس روایت کی مؤید وہ حدیث ہے جو شیخ صدوق نے ابن عباس سے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: دَخَلَتْ عَائِشَةُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَ هُوَ يُقَبِّلُ فَاطِمَةَ فَقَالَتْ لَهُ أَ تُحِبُّهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَمَا وَ اللَّهِ لَوْ عَلِمْتِ حُبِّي لَهَا لَازْدَدْتِ لَهَا حُبّاً إِنَّهُ لَمَّا عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَة فَلَمَّا أَنْ هَبَطْتُ إِلَى الْأَرْضِ وَاقَعْتُ خَدِيجَةَ فَحَمَلَتْ بِفَاطِمَةَ فَفَاطِمَةُ حَوْرَاءُ إِنْسِيَّةٌ فَإِذَا اشْتَقْتُ إِلَى الْجَنَّةِ شَمِمْتُ رَائِحَةَ فَاطِمَةَ ع. عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں تو دیکھا آپ جناب سیدہؑ کے بوسے لے رہے ہیں۔ عائشہ بولیں: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ فرمایا: خدا کی قسم اگر تجھے وہ علت معلوم ہو جائے جس کی وجہ سے میں اس سے محبت کرتا ہوں تو تو اس سے زیادہ محبت کرے گی۔ جب مجھے آسمان چہارم پر لے جایا گیا... اور جب میں زمین پر آیا تو خدیجہؑ کو یہ امانت سونپ دی اور وہ فاطمہؑ سے حاملہ ہو گئیں، پس فاطمہ حور یہ انسیہ ہے اور جب بھی میں بہشت کا مشتاق ہوتا ہوں

[1] تفسیر قمی: ج۱، ص۳۶۵.

فاطمہ کو سونگھتا ہوں۔[1]

ب) شیخ صدوق امام صادقؑ سے ان کے اجداد کے توسط سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: خُلِقَ نُورُ فَاطِمَةَ ع قَبْلَ أَنْ تُخْلَقَ الْأَرْضُ وَ السَّمَاءُ فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَلَيْسَتْ هِيَ إِنْسِيَّةً فَقَالَ ص فَاطِمَةُ حَوْرَاءُ إِنْسِيَّةٌ قَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَ كَيْفَ هِيَ حَوْرَاءُ إِنْسِيَّةٌ قَالَ خَلَقَهَا اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ نُورِهِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ آدَمَ إِذْ كَانَتِ الْأَرْوَاحُ فَلَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ آدَمَ عُرِضَتْ عَلَى آدَمَ قِيلَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَ أَيْنَ كَانَتْ فَاطِمَةُ قَالَ كَانَتْ فِي حُقَّةٍ تَحْتَ سَاقِ الْعَرْشِ قَالُوا يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَمَا كَانَ طَعَامُهَا قَالَ التَّسْبِيحُ وَ التَّهْلِيلُ وَ التَّحْمِيدُ فَلَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ آدَمَ وَ أَخْرَجَنِي مِنْ صُلْبِهِ أَحَبَّ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَنْ يُخْرِجَهَا مِنْ صُلْبِي جَعَلَهَا تُفَّاحَةً فِي الْجَنَّةِ وَ أَتَانِي بِهَا جَبْرَئِيلُ ع فَقَالَ لِي السَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ وَ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللَّهُ حَبِيبِي جَبْرَئِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ قُلْتُ مِنْهُ السَّلَامُ وَ إِلَيْهِ يَعُودُ السَّلَامُ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ هَذِهِ تُفَّاحَةٌ أَهْدَاهَا اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَيْكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَأَخَذْتُهَا وَ ضَمَمْتُهَا إِلَى صَدْرِي قَالَ يَا مُحَمَّدُ يَقُولُ اللَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ كُلْهَا فَفَلَقْتُهَا فَرَأَيْتُ نُوراً سَاطِعاً فَفَزِعْتُ مِنْهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا لَكَ لَا تَأْكُلُ، كُلْهَا وَ لَا تَخَفْ فَإِنَّ ذَلِكَ النُّورَ الْمَنْصُورَةُ فِي السَّمَاءِ وَ هِيَ فِي الْأَرْضِ فَاطِمَةُ قُلْتُ حَبِيبِي جَبْرَئِيلُ وَ لِمَ سُمِّيَتْ فِي السَّمَاءِ الْمَنْصُورَةَ وَ فِي الْأَرْضِ فَاطِمَةَ قَالَ سُمِّيَتْ فِي الْأَرْضِ فَاطِمَةَ لِأَنَّهَا فَطَمَتْ شِيعَتَهَا مِنَ النَّارِ وَ فُطِمَ أَعْدَاؤُهَا عَنْ حُبِّهَا وَ هِيَ فِي السَّمَاءِ الْمَنْصُورَةُ وَ ذَلِكَ قَوْلُ اللَّه عَزَّ وَ جَلَّ ﴿يَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ. بِنَصْرِ اللَّهِ

---

[1] علل الشرائع: ص۱۸۳، ح۲.

يَنْصُرُ مَنْ يَشاءُ﴾[1] يَعْنِي نَصْرَ فَاطِمَةَ لِمُحِبِّيهَا. خدا نے نور فاطمہؑ کو اس سے قبل کہ وہ زمین و آسمان خلق کرے، خلق فرمایا۔ بعض افراد نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کیا فاطمہؑ انسان ہیں؟ فرمایا: وہ حور یہ انسیہ ہے۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! وہ کس طرح حوریہ انسیہ ہیں؟ فرمایا: خداوند متعال نے فاطمہؑ کو آدم کے خلق کرنے سے پہلے اپنے نور سے خلق کیا؛ جس وقت ارواح موجود تھیں۔ پس جس وقت خدا نے آدم کو خلق کیا، تو اسے (روح) کو آدم پر پیش کیا گیا۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ فاطمہؑ کہاں تھیں؟ فرمایا: عرش کے سائے تلے۔ پوچھا گیا: اے رسول اللہ ﷺ! ان کی غذا کیا تھی؟ فرمایا: تسبیح خدا، تہلیل و تحمید الٰہی، پس جب خدا نے آدمؑ کو خلق کیا اور مجھے ان کے صلب سے خارج کیا، تو وہ چاہتا تھا کہ فاطمہؑ کو میرے صلب سے خارج کرے، پس اسے (جو نور کی صورت میں تھی) ایک سیب کی صورت میں بہشت میں رکھا اور جبرائیل وہ سیب میرے لیے لائے اور مجھ سے کہا: اے محمد ﷺ! آپ پر خدا کی رحمت، برکات و سلام ہو! میں نے کہا: علیک السلام و رحمۃ اللہ، اے میرے دوست جبرائیل! پس وہ بولے: اے محمد! تیرا خدا تجھے سلام کہتا ہے۔ میں نے کہا: سلام اسی کی جانب سے ہے اور اسی کی جانب پلٹتا ہے، بولے: اے محمد! یہ سیب خدا نے آپ کے لیے جنت سے تحفہ بھیجا ہے۔ پس میں نے وہ سیب لے لیا اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ جبرائیل نے کہا: اے محمد! خدا فرماتا ہے کہ اس تناول فرمالیجیے! میں نے اسے دو نیم کیا تو اس میں سے ایک نور ساطع ہوا جس کی وجہ سے میں حیرت زدہ ہوا۔ جبرائیل بولے: اے محمد! آپ کو کیا ہوا کہ یہ سیب

[1] الروم: ۳و۴.

تناول نہیں فرماتے؟ یہ سیب نوش فرمایئے اور نہ گھبرایئے یہ نور، آسمانوں میں منصورہ اور زمین میں فاطمہؑ نامی ہستی کا ہے۔ میں نے کہا: اے میرے دوست جبرائیل! کیا وجہ ہے کہ آسمان میں منصورہ اور زمین میں فاطمہؑ کے نام سے موسوم ہے؟ بولے: زمین میں فاطمہؑ اس لیے ہے کہ اس کے شیعہ آتش جہنم سے آزاد ہیں اور اس کے دشمن اس کی محبت سے دور ہیں اور آسمان میں منصورہ ہونے کی وجہ خدا کا یہ فرمان ہے: ﴿يَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ. بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشاءُ﴾[1] یعنی فاطمہؑ کا اپنے محبین کی مدد کرنا۔[2]

اس روایت کے تمام راوی بزرگان ثقات میں سے ہیں فقط ایک شخص کا مسئلہ ہے اور وہ ہیں سدیر صیرفی، آیت اللہ خوئی نے ابتداء میں تو ان کی مدح وذم میں متعارض روایات کی وجہ سے ان کی وثاقت پر مناقشہ کیا ہے لیکن بعد میں علی بن ابراہیم کی اسانید میں موجود ہونے کی وجہ سے ان کی وثاقت کا نتیجہ اخذ کیا ہے۔[3] اس کے علاوہ بہت سے علماء نے سدیر کی توثیق کی ہے جیسے: آیت اللہ اردبیلی، ملا محمد تقی مجلسی، آیت اللہ مامقانی، علامہ خواجوئی، ابن داؤد حلی، شیخ

[1] الروم: ۳و۴.

[2] معانی الاخبار: ص۳۹۶، ح۵۳.

[3] معجم رجال الحدیث: ج۸، ص۳۷.

موسی زنجانی، وغیرہ۔[1]

ج) شیخ صدوق سند صحیح کے ساتھ امام رضاؑ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے واقعے اور جناب زہراؑ کے نطفے کی تشکیل کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَفَاطِمَةُ حَوْرَاءُ إِنْسِيَّة. فاطمہ حوریہ انسیہ ہیں۔[2]

[نتیجہ: ان تین صحیح احادیث سے جناب سیدہؑ کا حوریہ انسیہ ہونا وضاحت کے ساتھ ثابت ہے، ایسے ہی حوریہ کو خون لاحق نہ ہونے پر عموم مفسرین کے کلام کی جانب بھی اشارہ کیا جا چکا ہے، اس کے نتیجے میں جناب سیدہؑ کا خون سے پاک ہونا ایک ثابت امر ہے] جیسا کہ حدیث نمبر ۳ و ۷ جناب فاطمہؑ کے حوریہ ہونے اور انہیں خون کے لاحق نہ ہونے کی جانب واضح اشارہ کرتی ہیں۔

[اس کے علاوہ حدیث نمبر ۵ و ۶ سب کی نظر میں اور نمبر ۷ امام خمینی کی نظر میں صحیح ہے اور یوں اس امر میں اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔]

---

[1] جامع الراواۃ: ج ۱، ص ۳۵۰؛ روضۃ المتقین: ج ۱، ص ۳۰۳؛ تنقیح المقال: ج ۱، ص ۶۱، از نتائج تنقیح؛ الفوائد الرجالیۃ: ص ۳۳۲؛ الرجال: ص ۱۰۱؛ الجامع فی الرجال: ج ۱، ص ۸۳۹؛ اور جیسے علامہ حلی، نقل از منبع قبلی.

[2] عیون اخبار الرضا: ج ۱، ص ۹۳، ح ۳.

جناب سیدہؑ کی طہارت کے بارے میں اہلسنت روایات

۱۔ ابن شہر آشوب ابو صالح موذن سے ان کی کتاب اربعین سے بتول کے یہی معنی ذکر کرتے ہیں۔[1]

۲۔ محب الدین طبری، نسائی سے جناب سیدہؑ کے حوریہ ہونے کے بارے میں کلام نقل کرتے ہیں۔[2]

۳۔ متقی ہندی خطیب بغدادی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تاریخ میں ابن عباس سے نقل کیا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابنتي فاطمة حوراء آدمية لم تحض ولم تطمث، وإنما سماها الله فاطمة لان الله تعالى فطمها ومحبيها من النار. میری بیٹی فاطمہ حوریہ آدمیہ ہے، اسے نہ حیض آتا ہے نہ وہ کوئی نجاست دیکھتی ہے، بے شک خدا نے اس کا نام فاطمہؑ رکھا ہے کیونکہ خدا نے اسے اور اس کے محبین کو آتش دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔[3]

۴۔ ہیثمی طبرانی سے اور وہ عائشہ سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے کہا: كنت أرى رسول الله صلى الله عليه [وآله] وسلم يقبل فاطمة، فقلت: يا رسول الله إني كنت أراك تفعل شيئا ما كنت أراك تفعله من قبل، قال لي: يا حميراء، إنه لما كان ليلة أسري

---

[1] المناقب: ج۳، ص۱۱۰.

[2] ذخائر العقبیٰ: ص۲۶.

[3] کنز العمال: ج۱۲، ص۱۰۹، ح۳۴۲۲۶.

بي إلى السماء أدخلت الجنة فوقفت على شجرة من شجر الجنة لم أر في الجنة شجرة هي أحسن منها، ولا أبيض منها ورقة، ولا أطيب منها ثمرة، فتناولت ثمرة من ثمرتها فأكلتها فصارت نطفة في صلبي، فلما هبطت إلى الأرض واقعت خديجة فحملت فاطمة، فإذا أنا اشتقت إلى رائحة الجنة شممت ريح فاطمة، يا حميراء إن فاطمة ليست كنساء الآدميين ولا تعتل كما يعتلون. میں دیکھ رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کے بوسے لے رہے تھے، میں نے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ وہ کام انجام دے رہے ہیں جو اس سے پہلے انجام نہیں دیا۔ انہوں نے مجھے سے فرمایا: اے حمیرا! جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا تو میں بہشتی درختوں میں سے ایک کے پاس رک گیا کہ اس سے بہتر اور پھلوں سے لدا ہوا درخت میں نے جنت میں نہ دیکھا تھا میں نے اس کے پھلوں میں سے ایک پھل کھایا جو میری پشت میں بطور نطفہ قرار پایا، جب میں زمین پر آیا اور خدیجہؑ کو یہ امانت سونپ دی تو وہ فاطمہؑ سے حاملہ ہو گئیں، پس مجھے جب بھی بہشت کی خوشبو کا اشتیاق ہوتا ہے میں فاطمہ کی خوشبو سونگھتا ہوں۔ اے حمیرا! بے شک فاطمہؑ انسانی خواتین کی طرح نہیں اور وہ ان کی طرح مریض بھی نہیں ہوتی۔ [1]

[۵۔ محب الدین طبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک میری بیٹی فاطمہ حوریہ ہے، کیونکہ نہ اسے حیض لاحق ہوتا ہے اور نہ نجاست۔ [2]

---

[1] مجمع الزوائد: ج۹، ص ۲۰۲.

[2] ذخائر العقبیٰ: ص۲۶.

۶۔ عائشہ کہتی ہیں: جب فاطمہؑ چلتی تھیں توان کا انداز بالکل رسول اللہ ﷺ جیسا ہوتا تھا، انہیں کبھی حیض نہیں آتا تھا کیونکہ وہ بہشتی سیب سے خلق ہوئی تھیں، انہوں نے حسینؑ کو عصر کے وقت جنم دیا، اور وہ نفاس سے طاہر تھیں، انہوں نے غسل کیا اور مغرب کی نماز ادا کی۔[1]]

ابن حجر و ذہبی کا مناقشہ

ذہبی حدیث نمبر ۴ سے ملتی جلتی حدیث کے ذیل میں جو حاکم نیشاپوری نے نقل کی ہے، کہتا ہے: یہ واضح جھوٹ ہے کیونکہ فاطمہؑ دنیا میں نبوت سے قبل تشریف لائیں تو معراج سے قبل کی تو بات ہی کیا۔[2]

ان حجر نے بھی ذہبی کے اس کلام کی تبیعت کی اور کہا: یہ حدیث، محال ہے کیونکہ بنا کسی اختلاف کے فاطمہؑ معراج سے قبل متولد ہوئیں ہیں۔[3]

یہ کلام تمام نہیں کیونکہ درست ہے کہ اکثر اہلسنت ولادت فاطمہؑ نبوت سے پانچ سال قبل مانتے ہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ سب اس بات کے قائل ہوں؛ جیسے دیار بکری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ اباعمرو نے کہا: فاطمہؑ جب متولد ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک

---

[1] اخبار الدول؛ ص ۸۷، ط بغداد، نقل از احقاق الحق: ج ۱۰، ص ۲۴۴.

[2] مستدرک علی الصحیحین: ج ۳، ص ۱۵۶.

[3] مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۲۰۲.

۱۴ سال تھی (یعنی اعلان نبوت کے بعد)... اس کے بعد وہ بعض روایات نقل کرتے ہیں جس کی دلالت یہ ہے کہ فاطمہؑ اس میوہ بہشتی سے متولد ہوئیں جو معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا تھا، اس کے بعد کہتے ہیں: یہ روایات تقاضا کرتی ہیں کہ فاطمہؑ کی ولادت بعد از اعلان نبوت ہو کیونکہ معراج نبوت کے بعد تھی۔[1]

[اس کے علاوہ ان دونوں نے شیعہ روایات کی جانب بالکل بھی اعتناء نہیں کیا جو متفق طور پر جناب سیدہؑ کی ولادت بعد از اعلان نبوت مانتے ہیں] اور ایسے ہی شیخ کلینی نے جو صحیح حدیث امام صادقؑ سے نقل فرمائی ہے وہ شیعوں کی نظر کی بیان گر ہے کہ آپ نے فرمایا: وُلِدَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ص بَعْدَ مَبْعَثِ رَسُولِ اللَّهِ بِخَمْسِ سِنِينَ وَ تُوُفِّيَتْ وَ لَهَا ثَمَانَ عَشْرَةَ سَنَةً وَ خَمْسَةٌ وَ سَبْعُونَ يَوْماً. فاطمہؑ بنت محمد بعثت کے پانچ سال کے بعد دنیا میں تشریف لائیں اور جب انہوں نے وفات پائی تو ۱۸ سال اور ۸۵ دن کی تھیں۔[2]

علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی نے اس بارے میں دیگر دلائل بھی پیش کیے ہیں: من جملہ:

الف) مورخین نے یہ بات ثابت کی ہے کہ جناب خدیجہؑ کے سارے بچے بعثت کے بعد متولد ہوئے۔[3]

---

[1] تاریخ الخمیس: ج۱، ص۲۷۷.

[2] الکافی: ج۱، ص۴۵۸، ح۱.

[3] البدء والتاریخ: ج۵، ص۱۶؛ تاریخ الخمیس: ج۱، ص۲۷۲.

ب) نسائی نے روایت کی ہے کہ جب ابو بکر و عمر نے فاطمہؑ کا رشتہ مانگا تو انہوں نے فاطمہؑ کا رشتہ یہ کہہ کر دینے سے انکار کر دیا کہ وہ ابھی چھوٹی ہیں۔[1] اگر جناب سیدہؑ کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل ہوتی، تو ان کا رشتہ مانگتے وقت ان کی عمر ۱۸ سال سے اوپر ہوتی تو پھر کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات کہہ کر رشتہ رد کیا؟!

ج) کثیر روایات وارد ہوئی ہیں جو بیان کرتی ہیں کہ جناب فاطمہؑ کے بعض نام خود خدا نے رکھے ہیں[2] اور اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت بعثت کے بعد ہوئی ہے۔[3]]

وہ روایات جو ظاہراً جناب فاطمہؑ کے مسائل خواتین میں مبتلا ہونے کی خبر دیتی ہیں

۱۔ زرارہ کی روایت: شیخ کلینیؒ صحیح سند کے ساتھ زرارہ سے نقل کرتے ہیں کہ: سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ ع عَنْ قَضَاءِ الْحَائِضِ الصَّلَاةَ ثُمَّ تَقْضِي الصَّوْمَ قَالَ لَيْسَ عَلَيْهَا أَنْ تَقْضِيَ الصَّلَاةَ وَ عَلَيْهَا أَنْ تَقْضِيَ صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيَّ وَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ

---

[1] تذکرۃ الخواص: ص ۳۰۶؛ ضیاء العالمین: ج ۲، ص ۴۶؛ خصائص امیر المومنین علیؑ: ص ۲۲۸۔

[2] بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۱۳؛ ذخائر العقبیٰ: ص ۲۶؛ علل الشرائع: ج ۱، ص ۱۷۸؛ میزان الاعتدال: ج ۲، ص ۴۰۰ و ج ۳، ص ۴۳۹؛ ضیاء العالمین: ج ۴، ص ۶؛ لسان المیزان: ج ۳، ص ۲۶۷؛ طوالع الانوار: ص ۱۱۲...

[3] رنج ہائے زہراء: ص ۴۳۔ (اس کے علاوہ قارئین مترجم کے قلم سے ترجمہ شدہ کتاب ''عجائبات فاطمیؑ: ص ۲۲۳ تا ۳۱'' کی جانب بھی رجوع کر سکتے ہیں۔ جس میں اس حوالے سے خاطر خواہ دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ مترجم)

ص كَان يَأْمُرُ بِذَلِكَ فَاطِمَةَ ع وَ كَانَتْ تَأْمُرُ بِذَلِكَ الْمُؤْمِنَات. میں نے امام باقرؑ سے حائضہ کی قضا نماز و روزہ کے حکم کے بارے میں سوال کیا تو امام نے فرمایا: نماز کی قضا اس پر واجب نہیں لیکن رمضان کے روزوں کی قضا اس پر واجب ہے۔ اس کے بعد انہوں نے میری طرف رخ کر کے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؑ کو بھی یہی حکم دیا اور فاطمہؑ نے مومن خواتین کو بھی یہی حکم دیا۔[1]

۲۔ روایت علی بن مہزیار: شیخ صدوقؒ صحیح سند کے ساتھ علی بن مہزیار سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: كَتَبْتُ إِلَيْهِ ع امْرَأَةٌ طَهُرَت مِنْ حَيْضِهَا أَوْ دَمِ نِفَاسِهَا فِي أَوَّلِ يَوْمٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثُمَّ اسْتَحَاضَتْ فَصَلَّتْ وَ صَامَتْ شَهْرَ رَمَضَانَ كُلَّهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ تَعْمَلَ مَا تَعْمَلُهُ الْمُسْتَحَاضَةُ مِنَ الْغُسْلِ لِكُلِّ صَلَاتَيْنِ هَلْ يَجُوزُ صَوْمُهَا وَ صَلَاتُهَا أَمْ لَا فَكَتَبَ ع تَقْضِي صَوْمَهَا وَ لَا تَقْضِي صَلَاتَهَا لِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ص كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤْمِنَاتِ[۲] مِنْ نِسَائِهِ بِذَلِك.

میں نے اسے لکھا: ایک خاتون اول ماہ رمضان میں حیض یا نفاس کے خون سے پاک ہوئی لیکن پھر اسے استحاضہ لاحق ہو گیا اور اس نے نماز پڑھی اور پورے ماہ رمضان روزے بھی رکھے بنا اس کے کہ مستحاضہ کا وظیفہ یعنی ہر نماز کے لیے ایک غسل انجام دے۔ کیا اس کی نماز

---

[1] الکافی: ج۳، ص۱۰۴، ح۳۔

[۲] في الكافي ج ۴ ص ۱۳۶ و التهذيب ج ۱ ص ۴۴۰« يأمر فاطمة و المؤمنات من نسائه بذلك».

اور روزہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ پس انہوں نے لکھا: روزے کی قضا کرے لیکن نماز کی قضا نہ کرے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ مسلسل فاطمہؑ اور مومن خواتین کو یہی حکم فرماتے تھے۔[1]

صورت استدلال: جب رسول اللہ ﷺ جناب فاطمہؑ کو بھی زن حائضہ کے وظیفے کے مطابق حکم دیتے تھے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی دوسری خواتین کی طرح (نعوذ باللہ) مسائل مخصوص خواتین لاحق ہوتے تھے۔

جواب: ہم ان دو روایات کا جواب دو مراحل میں دیں گے: ایک مشترکہ جواب اور ایک ہر روایت کا مخصوص جواب:

دونوں روایات کا مشترکہ جواب:

۱۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ ان احادیث میں فاطمہ سے منظور فاطمہ بنت محمد ﷺ کے علاوہ کوئی اور فاطمہ ہے، اور وہ فاطمہ بنت ابو حبیش ہے، جس کا زیادہ استحاضہ میں مبتلا ہونا اور ان مسائل کے بارے میں سوال کرنا مشہور تھا، لیکن بعض نسخہ برداروں نے یہ جانا ہے کہ اس سے مراد فاطمہ زہراءؑ ہیں اس وجہ سے انہوں نے متن میں کلمہ ((علیہا السلام)) کا اضافہ کر دیا۔

ابن اثیر اس فاطمہؑ کے حالات زندگی میں لکھتا ہے: فاطمہ بنت ابو حبیش بن مطلب... قریشی اسدی، اور یہ وہی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے استحاضے کے بارے میں سوال کیا تھا۔[1]

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ: ج ۲، ص ۹۴، ح ۲.

مزی اس کے بارے میں لکھتا ہے: اس نے حدیث استحاضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔ عروہ بن زبیر نے اور کہا گیا ہے کہ عروہ بن زبیر نے عائشہ سے اور انہوں نے بنت ابو حبیش سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! مجھے استحاضہ لاحق ہوتا ہے اور میں پاک نہیں ہو پاتی۔[2]

طبرانی نے بھی متعدد احادیث نقل کی ہیں جو اس خاتون کے کثرت حیض و استحاضہ پر گواہی دیتی ہیں۔[3]

یہی احتمال بزرگ شیعہ علماء نے بھی ذکر کیا ہے: من جملہ: فیض کاشانی (م ۱۰۹۱ھ)، شیخ یوسف بحرانی نے حدائق الناضرہ میں، شیخ انصاری نے کتاب الطہارت میں، سید محسن الحکیم، امام خمینی اور سید عبدالاعلیٰ سبزواری نے بھی یہی احتمال ذکر کیا ہے۔[4]

آیت اللہ خوئیؒ کا اس جواب پر اعتراض:

یہ ادعا کرنا کہ اس روایت میں جس فاطمہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ شاید بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] اسد الغابۃ: ج۵، ص۵۱۸.

[2] تہذیب الکمال: ج۳۵، ص۲۵۴.

[3] المعجم الکبیر: ج۲۴، ص۳۵۷، ح۸۸۸تا۹۰۰.

[4] الطہارۃ (انصاری) کتاب الغسل، ضمن مباحث مقصد سوم؛ مستمسک العروۃ الوثقیٰ (حکیم): ج۳، ص۴۱۰؛ الطہارۃ (خمینی): ج۱، ص۲۸۴؛ مہذب الاحکام (سبزواری): ج۳، ص۲۹۷.

علاوہ کوئی اور ہو، اشکال سے خالی نہیں کیونکہ جب کوئی لفظ مطلق اور بنا کسی قید کے ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد مشہور و معروف شخص ہی ہوتا ہے اور علم رجال میں بھی یہی مبنیٰ جاری ہے (یعنی جب فاطمہ کہا جائے اور ساتھ میں بیان نہ کیا جائے کہ کس کی بیٹی کا ذکر ہو رہا ہے اور کوئی قید بھی ذکر نہ کی جائے تو توجہ اسی فرد مشہور یعنی فاطمہ بنت محمد ﷺ کی جانب متمرکز ہو گی) نتیجتاً (لفظ فاطمہ کے بارے میں) جو چیز مشہور ہے اس کے خلاف ارادہ کرنے کی وجہ نہیں۔[1]

۲۔ زرارہ اور علی بن مہزیار کی روایت کے نقل میں نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ زرارہ کی روایت کے آخر میں بعض نسخوں میں یوں آیا ہے: ((و کان یأمر)) اور بعض نسخوں میں اس طرح آیا ہے: ((کانت تأمر)) جیسے کہ علامہ مجلسی نے بھی اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔[2] نسخوں میں اختلاف کی وجہ سے معنی میں تغیر ایجاد ہوتا ہے کیونکہ پہلی صورت میں فعل مذکر ہے اور اس کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی جانب پلٹتی ہے لیکن دوسری صورت میں فعل مؤنث ہے اور اس کی ضمیر جناب فاطمہؑ کی جانب پلٹتی ہے [جبکہ اگر دوسری صورت کو قبول کیا جائے تو تاویل کی راہ موجود ہے جسے تیسرے جواب میں بیان کیا جائے گا]۔ علی بن مہزیار کی روایت میں بعض نسخوں میں لفظ فاطمہؑ ذکر ہوا ہے اور بعض میں نہیں ہوا ویسے ہی

---

[1] التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج۷، ص۱۴۱۔

[2] ملاذ الاخیار: ج۲، ص۳۴۔

جیسے آیت اللہ خوئی نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔[1] شیخ انصاریؒ بھی اس بارے میں لکھتے ہیں: لفظ فاطمہ شیخ صدوق کی روایت من لایحضرہ الفقیہ اور علل الشرائع میں وارد نہیں ہوا۔[2] اگر روایت میں لفظ فاطمہ وارد نہ ہوا ہو تو حدیث یوں ہو گی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن خواتین کو یہ حکم دیا۔ اور یوں جناب فاطمہؑ کی طہارت و عدم طہارت کا اس سے کوئی رابطہ نہیں رہے گا اور اعتراض سرے سے ہی خارج ہو جائے گا (کیونکہ) اختلاف نقل کی وجہ سے روایت حجیت سے ساقط ہو جائے گی۔

۳۔ صاحب معالم راقم ہیں: [ان دو روایات اور جناب سیدہؑ کی طہارت پر دال روایات کو جمع یوں کیا جا سکتا ہے] کہ ہم کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فاطمہؑ کو حکم دینا اس لیے تھا تاکہ وہ مومن خواتین کو اس امر کی تعلیم دیں اور یہ مجاز گوئی میں ایک شایع اور مشہور امر ہے، اور شاید یہاں اس مجاز گوئی کی وجہ یہ تھی کہ جناب سیدہ کی اس کرامت کو مخفی کیا جائے اس کرامت کے علاوہ جس کا ظاہر ان کے لیے ثبوت تکلیف سے منافات رکھتا ہے اور حضرت کا آخر حدیث میں یہ کہنا: ((و کان یامر بذالک المؤمنات)) اسی مطلب کی جانب اشارہ ہو جسے ہم نے بیان کیا ہے یوں کہ کلمے کا مشار الیہ ((ذلک)) حضرت کے اسی کلام کو قرار دیا جائے کہ ((کان یأمر فاطمة)) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کو بھی یہی حکم دیتے تھے۔ کس چیز کا؟ اسی کا کہ مومن

---

[1] التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج۷، ص۱۴۰.

[2] الطہارۃ، کتاب الغسل، ضمن مباحث مقصد سوم.

خواتین کو بھی اس کا حکم دیں؛اور اگر پہلے ذلک کا مشار الیہ دوسرے ذلک کے ساتھ ایک ہی ہو تو یہ جملہ: ((کان یأمر بذلک)) کہنے سے مرتبہ دوم میں بے نیاز تھے کیونکہ یہ کہہ سکتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ اور مومن خواتین کو اس حکم کے جاری کرنے کا حکم دیا اور مومن خواتین کو فاطمہ پر عطف کرتے [اور دوبارہ ((کان یامر بذلک)) کی تکرار نہ کرتے][1]

نکتہ: البتہ صاحب معالم کا کل جواب اس نسخے کے مطابق ہے جس میں ((کان یأمر)) آیا ہے نہ کہ ((کانت تأمر)) کے مطابق۔ دوسری بات یہ کہ ان کے جواب کا دوسرا حصہ جس میں مشار الیہ اول کی تشخیص کے بارے میں کلام ہوا ہے وہ فقط زرارہ کی روایت سے متعلق ہے نہ کہ روایت علی بن مہزیار کے متعلق بھی۔

آیت اللہ خوئیؒ اس بارے میں کہتے ہیں: روایت میں دلالت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ اور باقی تمام خواتین کو یہ حکم دیتے تھے،اس جہت سے کہ ان سب کا وظیفہ یہی تھا، کیونکہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کو حکم دیتے تھے کہ وہ بقیہ تمام خواتین کو اس بات کی تعلیم دیں اور اس کے احکام بیان کریں نہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کو یہ حکم فرماتے تھے تاکہ وہ خود اپنے لیے بھی اس پر عمل پیرا ہوں اور یہی بات مقام جواب میں صحیح ہے۔[2]

---

1 منتقی الجمان: ج۱، ص۲۲۴.

2 التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج۷، ص۱۴۰.

اسی مضمون سے نزدیک نزدیک شیخ یوسف بحرانی، شیخ انصاری، علامہ مجلسی، سید محسن الحکیم اور دیگر علماء نے بھی جواب دیا ہے۔[1]

زرارہ کی روایت سے مخصوص جواب:

شیخ بہائیؒ اس حدیث کے ذکر کے بعد جسے ہم نے نمبر ۵ پر نقل کیا ہے، لکھتے ہیں: اس حدیث کی صحت سند نیز اسے دو دوسری روایات (حدیث نمبر ۲ و ۷) کا تقویت دینا کلینی کی زرارہ کی امام باقرؑ سے سند حسن سے وارد روایت سے معارضہ نہیں کرتی کیونکہ یا تو یہ کلی طور پر ایک طرف کر دی جائے گی اور یا پھر اس کی تاویل کی جائے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؑ کو اس امر کی تعلیم کا حکم دیا نہ کہ اس امر کو انجام دینے کا حکم فرمایا اور ممکن ہے کہ حدیث کا آخر ((كانت تأمر)) تھا جس کی تاء نسخہ بردار کے قلم سے گر گئی۔[2]

علامہ خواجوئی کا کلام شیخ بہائی پر اعتراض:

انہوں نے شیخ بہائی کے کلام پر تعلیق لگائی ہے کہ اول تو زرارہ کی روایت کی سند منتہی میں علامہ حلی، شرح شرائع میں شہید ثانی، آیات الاحکام میں فاضل اردبیلی، رواشح میں سید داماد وغیرہ کی نظر کے مطابق صحیح ہے نہ کہ حسن کیونکہ یہ ابراہیم بن ہاشم کو ثقہ و عادل جانتے ہیں،

---

[1] الحدائق الناضرة: ج۳، ص۲۹۷؛ مرآۃ العقول: ج۱۳، ص۲۴۸؛ مستمسک العروۃ الوثقیٰ: ج۳، ص۴۱۰.

[2] مشرق الشمسین: ۲۷۵.

لہذا اس حدیث میں (حدیث نمبر ۵) سے معارضہ کرنے کی صلاحیت ہے۔ ہاں اگر وہ دو روایات (۲و۷) جن کے بارے میں آپ نے کہا کہ وہ اسے تقویت بخشتی ہیں، صحیح السند ہوتیں، تو وہ اسے تقویت دے سکتی تھیں لیکن ان کی سند معلوم نہیں ہے مگر یہ کہ ان دو روایات کا مضمون یہ ہے کہ فاطمہ ؑ کو خون لاحق نہیں ہوتا تھا جبکہ اس حدیث (۵) کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء کی بیٹیوں کو خون لاحق نہیں ہوتا، پس کس طرح یہ دو احادیث (۲و۷) اس حدیث (۵) کو تقویت دیتی ہیں؟

نتیجتاً حدیث زرارہ اور یہ حدیث (نمبر ۵) دونوں ہی صحیح السند ہیں جن میں باہم تعارض پایا جاتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کو کنار لگانے کے سلسلے میں ایک دوسری پر فوقیت نہیں رکھتی۔ ثانیاً شیخ بہائی نے جو تاویل کی ہے کہ (تاء گر گئی ہو) وہ فقط ایک احتمال ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حدیث کی ساخت یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ ؑ کو حکم دیتے تھے اور وہ نیز مومن خواتین کو یہ حکم دیتی تھیں، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کسی فرق کے بنا باقی مومن خواتین کے اس حکم کی انجام دہی پر مامور تھیں۔ ہاں اگر یہ تاویل کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ فاطمہ ؑ کو حکم دیتے تھے کہ وہ مومن خواتین کو اس امر کا حکم دیں تو مطلوب حاصل تھا لیکن اس قسم کی تاویل ظاہر حدیث کی جانب توجہ رکھتے ہوئے ممکن نہیں۔[1]

---

[1] مشرق الشمسین واکسیر السعادتین: ص ۲۷۵.

جواب اعتراض: ہم کہتے ہیں: یہ جو آپ نے کہا کہ زرارہ کی روایت حسن نہیں بلکہ صحیح ہے، درست ہے، نیز یہ کہنا بھی درست ہے کہ ان دو روایات (نمبر ۲ و ۷) کی سند معلوم نہیں اور یہ اس حدیث (نمبر ۵) کو تقویت نہیں دے سکتیں، لیکن یہاں پر ایک اور حدیث صحیح موجود ہے جو حدیث نمبر ۵ کو تقویت دیتی ہے اور وہ ہے حدیث نمبر ۶ اور ایسے ہی حدیث نمبر ۷ کا ضعف سندی اس کے صحت مضمون کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا کیونکہ ہم سدیر صیرفی سے امام رضاؑ اور امام صادقؑ کی حدیث نقل کر آئے ہیں جو حدیث نمبر ۷ کے مضمون کو ثابت کرتی ہیں۔

ثانیاً: یہ جو آپ نے کہا کہ روایت زرارہ حدیث نمبر ۵ کے ساتھ صلاحیت تعارض رکھتی ہے اور اس صورت میں ان میں سے کسی ایک کو کنار لگانے کے سلسلے میں کسی ایک کو دوسری پر فوقیت نہیں دی جاسکتی، تو یہ دو جہات سے رد کیا جاسکتا ہے:

۱۔ تعارض کے لیے لازم ہے کہ مقدمات حجیت دونوں طرف موجود ہوں جو عبارت ہیں: صحت سند، تمامیت دلالت اور تمامیت جہت صدور؛ جبکہ زرارہ کی روایت تمامیت جہت صدور کے لحاظ سے فاقد ہے؛ کیونکہ اس میں تقیہ کا امکان بہت زیادہ ہے۔

۲۔ برفرض اگر تعارض محقق ہو بھی جاتا ہے، تب بھی روایت نمبر ۵ شہرت روائی کی حامل ہے، اور روایات نمبر ۲ و ۷ کا اس کو تقویت دینا اور ان روایات کا بھی جو ہم نے ذکر کی ہیں، اور شہرت روائی، مرجحات میں سے ایک ہے جو روایت نمبر ۵ کو روایت زرارہ پر مقدم کرتی ہے۔

ثالثاً: یہ جو آپ نے کہا کہ روایت نمبر ۵ کا مضمون روایات نمبر ۲ و ۷ سے تقویت حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اول الذکر عام ہے اور کہتی ہے کہ انبیاء کی بیٹیوں کو خون لاحق نہیں ہوتا لیکن متاخر الذکر روایات خاص ہیں اور کہتی ہیں کہ فاطمہؑ کو خون لاحق نہیں ہوتا تھا، اور خاص عام کو تقویت نہیں دے سکتا بلکہ خاص فقط ایک دوسرے خاص کو تقویت دے سکتا ہے اور جناب سیدہؑ کو خون لاحق نہ ہونے پر کوئی اور ایسی روایت جو صحیح السند ہو دلالت نہیں کرتی جو یہ دو روایات اول الذکر روایت کو زرارہ کی روایت کے مقابل تقویت کریں۔ تو یہ کلام چند جہات کی بنا پر رد کیا جاتا ہے:

اول تو یہ کہ مضمون خاص کے ساتھ روایت صحیح السند موجود ہے اور وہ حدیث نمبر ٦ ہے۔

دوم یہ کہ اگر بر فرض روایت خاص موجود نہ ہو تب بھی یہ اعتراض وارد نہیں ہے کیونکہ شیخ بہائی کا منظور لسان عام سے ارادہ مفہوم خاص ہے کیونکہ بالاخر جناب سیدہؑ دختران انبیاء میں سے ایک ہیں پس روایت عام نمبر ۵ کے مصادیق میں سے ایک ہیں۔ (یعنی روایت خاص اپنے مصداق کو روایت عام میں تقویت کر سکتی ہے)

سوم آپ نے جو جناب سیدہؑ کا دوسری خواتین کو تعلیم دینے کے امکان کو فقط ایک عقلی امکان جانا ہے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ سیاق روایت زرارہ سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دوسری خواتین کی طرح جناب سیدہؑ بھی روزوں کی قضا پر مامور تھیں، کیونکہ فقط کسی امر کے لیے خطاب سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس شخص کی تکلیف و وظیفہ بھی یہی ہے اور اس بارے میں

صاحب معالم کا کلام گزر چکا ہے جو ارادہ امر سے روایت میں تعلیم کا حکم تھا نہ کہ تکلیف و ظیفے کا ،اس کے علاوہ روایت کا متن اس بات کا بیانگر ہے کہ رسول اللہ ﷺ مستمراً جناب سیدہ ؑ کو حکم دیتے تھے (کیونکہ ماضی استمراری کی صورت میں آیا ہے) جبکہ جناب فاطمہ ؑ جو معصومہ اور خانہ نبوت کی پروردہ ہیں ایک بار امر سے بھی یہ مسئلہ سیکھ جاتیں، پس انہیں بار بار امر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، مگر یہ کہ یہ امر ایک وسیع دائرے سے مربوط ہو یعنی حکم الٰہی کا دوسری خواتین تک پہنچانا اور یہی معنی رسول اللہ ﷺ کی جانب سے تکرار حکم کے لیے مناسب تر ہیں کیونکہ مومن خواتین بہت سی ہیں اور اس حکم کی تکرار ان کے لیے ہے جنہوں نے اسے نہ سنا ہو تا کہ وہ اسے یاد کر لیں اور جس نے سنا ہے اس کے ذہن پر نقش ہو جائے تا کہ وہ دوسروں کو بتا سکے۔[1]

علی بن مہزیار کی روایت سے مخصوص جواب:

اس روایت میں چند اشکالات ہیں:

۱۔ اعتراض بر سند: یہ روایت مضمرہ ہے کیونکہ اس میں موجود نہیں کہ کسے لکھا گیا اور کس نے ان کے لیے جواب لکھ کر بھیجا۔

---

[1] اس کلام میں مرحوم سبزواری کی نقل سے استفادہ کیا گیا ہے جو انہوں نے صاحب معالم سے نقل کیا ہے۔ ذخیرۃ المعاد: ص۷٦.

جواب: آیت اللہ خوئی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ علی بن مہزیار کی جلالتِ مقام اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ کسی غیر معصوم وامام سے سوال نہیں کر سکتے۔[1]

امام خمینیؒ بھی اس بارے میں لکھتے ہیں: یہ اعتراض وارد نہیں کہ روایت مضمرہ ہے اور ابن مہزیار نے نہیں بتایا کہ انہوں نے کسے نامہ لکھا اور کس نے انہیں اس کا جواب دیا، کیونکہ خط لکھنے والا ابن مہزیار جیسا شخص ہے (جو فقہائے بزرگ میں سے ہے اور وہ غیر امام سے سوال نہیں کرتا) ایسے ہی یہ اعتراض بھی وارد نہیں کہ روایت جناب سیدہؑ کو خون لاحق ہونے کے بارے میں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے منظور فاطمہ بنت ابو حبیش ہو، اور بالفرض اگر یہاں منظور صدیقہ طاہرہؑ ہوں تو ممکن ہے کہ منظور یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں حکم دیتے تھے کہ وہ خواتین کو اس امر کا حکم کریں؛ ویسے ہی جیسے حیض کی بعض روایات میں ایسا ہی وارد ہوا ہے۔[2]

۲۔اعتراض بر دلالت حدیث: اس حدیث کی دلالت میں تین اشکالات ہیں:

الف) آیت اللہ خوئی لکھتے ہیں: اس حدیث کی دلالت پر کبھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایات واردہ کے مقتضیات اور وہ علم جو اس کے خارج سے ہمارے پاس موجود ہے کہ جناب فاطمہؑ طاہرہ ومطہرہ ہیں اور انہیں حیض لاحق نہیں ہوتا، (کے خلاف ہے) پس اس بات کے کیا معنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کو حکم دیں کہ اپنے روزے کی قضا کریں لیکن نماز کی قضا

---

[1] التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج۷، ص۱۴۰.

[2] الطہارۃ: ج۱، ص۲۸۴.

نہ کریں جبکہ (روایت کے مطابق) رمضان کے شروع میں ان کا حیض قطع ہو گیا اور انہیں استحاضہ لاحق ہوا؟[1]

اس اعتراض کا جواب امام خمینی اور سید خوئی کے کلام میں جس طرح وارد ہوا ہے وہ گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے۔

ب) آیت اللہ خوئی کہتے ہیں: یہ روایت مستحاضہ کے غسل کے بنا نماز پڑھنے پر دلالت کرتی ہے جبکہ مستحاضہ کی نماز کی صحت تین غسلوں کے انجام دینے کے ساتھ مشروط ہے اور یہ اس کے ضروری مسائل میں سے ہے (جو بالکل واضح ہے) پس یہ حکم کہ نماز قضا نہ کرے، کے کیا معنی ہیں؟[2]

ج) آیت اللہ خوئی لکھتے ہیں: ظاہراً اس روایت کا ایک حصہ نقل کرنے سے رہ گیا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا تھا؛ اس پر ہماری دلیل یہ ہے کہ روایت میں جو علت ذکر کی گئی ہے وہ اس سے قبل کلام سے تناسب نہیں رکھتی کیونکہ اس چیز پر ظاہر تعلیل کہ: ((کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر فرماتے تھے)) یہ ہے کہ وہ استمراراً اس بارے میں حکم فرماتے تھے (چونکہ کان کی فعل مضارع کے ساتھ ترکیب سے ماضی استمراری وجود میں آتا ہے) اور یہ خواتین کا اس مسئلے سے بہت زیادہ دوچار ہونا اور اپنے وظیفے کے متعلق سوال کرنے کی وجہ سے تھا اور رسول

---

[1] التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج۷، ص۱۴۰.

[2] التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج۷، ص۱۴۰.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مستمراً انہیں اس کا حکم فرماتے تھے اور یہ اشکال حائضہ اور نفساء کے بارے میں وارد نہیں ہے کیونکہ حیض و نفاس وہ چیز ہے جو زیادہ اتفاق پذیر ہوتی ہے اور یہ کہنا صحیح ہے کہ: پیغمبر اس بارے میں خواتین کو حکم فرمایا کرتے تھے... لیکن ایسی مستحاضہ جس کا حیض اول رمضان میں قطع ہو چکا ہو اور وہ اس کے بعد مستحاضہ ہوئی ہو، اس کے لیے یہ تعلیل درست نہیں کیونکہ ایسا بہت ہی کم پیش آتا ہے اور اس بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائماً اس مسئلہ کا حکم فرمایا کرتے تھے... کیونکہ اس کلام کا ظہور یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اس کام کا حکم دیتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ کہ کس مورد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؑ اور بقیہ تمام خواتین کو اس حکم کے اجراء کا امر فرمایا کیونکہ اس حوالے سے روایات میں ایک مورد تک ذکر نہیں ہوا اور یہاں سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس روایت کا ایک حصہ چھوٹ گیا ہے اس بنا پر اس روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ تشویش کی حامل ہے۔[1]

ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت تشویش کی حامل ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ روایت حجیت سے ساقط ہے۔

لیکن آیت اللہ خوئی کے کلام کے دوسرے حصے کے بارے میں امام خمینی لکھتے ہیں: انصاف یہ ہے کہ اس صحیح السند اور واضح الدلالت حدیث سے، اس کے ایک جملے میں خلل ہونے کی

---

[1] التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج ۷، ص ۱۴۲.

وجہ سے ہاتھ اٹھانا ممکن نہیں جبکہ شیعہ قدیم وجدید اصحاب وفقہاء نے اس پر تکیہ کیا ہے [1] [یعنی اس روایت کے ایک حصے میں تشویش لاحق ہونا اسی حصے سے ہاتھ اٹھانے کا موجب بنے گا نہ کہ کل روایت سے، اور درست ہے کہ اس کا مشوش حصہ اس کے دوسرے حصے سے مرتبط ہے لیکن علمائے قدیم شیعہ کا اس روایت پر تکیہ کرنے کی وجہ سے اس کے واضح حصے سے ہاتھ اٹھایا نہیں جاسکتا]

نتیجہ :اس تمام بحث کے بعد ہم آخر میں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جناب زہراؑ کی طہارت کی بیان گر روایات اور زرارہ وابن مہزیار کی روایات میں تعارض موجود نہیں [کیونکہ زرارہ وابن مہزیار کی روایات اس بات پر واضح نہیں کہ بی بیؑ کو خون لاحق ہوتا تھا، اور جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ان دونوں کے نسخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور ان دو حدیثوں کے مفہوم کے بارے میں مختلف احتمالات پائے جانے اور من جملہ تاویل صاحب معالم کے بعد اس کی دلالت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں بچتی] اور اگر ہم یہ بات قبول بھی کریں کہ ان روایات میں تعارض پایا جاتا ہے [تو یہ تعارض غیر مستقر کی قسم سے ہے] کیونکہ ان دو میں پایا جانے والا تعارض، تعارض بین نص و ظاہر یا اظہر و ظاہر ہے جو در حقیقت تعارض ہی نہیں ہے کیونکہ یہ قابل جمع ہے اور انہیں جمع کرنے کا طریقہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ [اور اگر بالفرض اس بات کو قبول کیا جائے کہ

---

1 الطہارۃ: ج۱، ص۲۸۵.

ان میں پایا جانے والا تعارض، تعارض مستقر ہے تو ایسی صورت میں ان روایات کو جو جناب سیدہ طاہرہ ؑ کی طہارت پر دال ہیں انہیں ان کی کثرت اور شہرت کی وجہ سے ترجیح دے کر مقدم کیا جائے گا۔]

اب ان تمام باتوں کے بعد اس کلام سخیف کی جانب توجہ کیجیے کہ: کیا جناب سیدہ ؑ نے حضرات حسنین ؑ و بی بی زینب ؑ کو جنم نہیں دیا تھا، پس کیسے ممکن ہے کہ انہیں خون لاحق نہ ہوا ہو؟

جناب زہراء ؑ کی طہارت کے بارے میں بحث کی اہمیت

اس بحث کی اہمیت چند مطالب میں ظاہر ہو سکتی ہے؛ من جملہ:

الف) جناب امیر المومنین ؑ کے لیے حضرت زہراء ؑ کی زندگی میں دوسری خواتین سے نکاح کی حرمت جیسے کہ شیخ طوسی ؒ نے تہذیب اور امالی میں ابو بصیر سے روایت نقل کی ہے کہ امام صادق ﷺ نے فرمایا: حَرَّمَ اللَّهُ النِّسَاءَ عَلَى عَلِيٍّ ع مَا دَامَتْ فَاطِمَةُ ع حَيَّةً قَالَ قُلْتُ كَيْفَ قَالَ لِأَنَّهَا طَاهِرَةٌ لَا تَحِيضُ. خدا نے دوسری خواتین کو علی ؑ پر اس وقت تک حرام کر دیا تھا جب تک فاطمہ ؑ زندہ تھیں۔ عرض کیا: کیوں؟ فرمایا: کیونکہ فاطمہ ؑ طاہرہ تھیں اور انہیں حیض لاحق نہیں ہوتا تھا۔[1]

---

[1] تہذیب الاحکام: ج۷، ص۴۷۸، ح۱۱۶؛ امالی طوسی: ج۱، ص۴۲، ط مکتبہ الداوری.

اور مردوں کے لیے تعدد ازدواج کی ایک حکمت یہی خواتین کو حیض لاحق ہونے کا مسئلہ ہے کہ ان ایام میں شوہر بیوی سے ہمبستری کا حق نہیں رکھتا اور ممکن ہے کہ کسی وجہ سے گناہ یا خطا کا مرتکب ہو جائے۔

ب) جناب زہراءؑ کا تمام روز و شب، مہینوں اور اپنی زندگی کے تمام سالوں میں ہمیشہ نماز پڑھنا اور ان کا تمام رمضانوں کے سارے روزے رکھنا۔ کیونکہ جب خواتین کو حیض لاحق ہوتا ہے تو وہ ایام جو ان کے حیض کے ہیں یا اگر ان کے یہاں بچے کی ولادت ہو اور انہیں نفاس لاحق ہو تو وہ نماز نہیں پڑھتیں اور اگر یہ ماہ رمضان میں ہو تو روزے بھی نہیں رکھتیں، لیکن کسی رمضان کا کوئی روزہ ایسا نہیں تھا جو جناب سیدہؑ نے اس وجہ سے ترک کیا ہو اور کسی ماہ کا کوئی ایسا دن نہیں تھا جب انہوں نے خواتین کو لاحق شرعی عذر کی وجہ سے نماز چھوڑی ہو، پس یہ ایسی خاتون ہیں جن کا آخر حیات تک نماز روزے کا دوام قطع نہیں ہوا۔ [اور یہ ان کی روح کو فرض نماز و روزہ کے ساتھ سنخیت حاصل ہونے کی خاطر تھا]

ج) جناب فاطمہؑ کا حدث سے پاک ہونا جو باقی تمام خواتین کو لاحق ہوتا ہے۔

توضیح: ہر وہ حالت جس کے وجود کی وجہ سے عبادات کے لیے طہارت، وضو یا غسل کی ضرورت ہو اسے حدث کہتے ہیں، حدث انسان میں ایسی پلیدگی و ناپاکی پیدا کرتا ہے جو واجب عبادات اور وہ عبادات جن میں طہارت کی ضرورت ہوتی ہے کی انجام دہی کی صلاحیت کو

غسل و وضو کے بنا ختم کر دیتا ہے۔ اب اگر اسے وضو کی ضرورت ہو تو یہ حدث اصغر ہے اور اگر غسل کی ضرورت ہو تو یہ حدث اکبر ہے، اور خواتین کو لاحق ہونے والے تین خون حدث اکبر میں شمار ہوتے ہیں[1] کہ اس پلیدگی کے جاری ہوتے ہی خاتون اس وقت تک جب تک یہ جاری رہے عبادات کی اس (خاص) نوع کی انجام دہی کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

جبکہ جناب سیدہؑ اپنی پوری زندگی میں ان تین احداث اکبر یعنی حیض، ونفاس واستحاضہ سے پاک تھیں اور وہ پلیدگیاں جو عام طور پر عبادات سے دور رکھ سکتی تھیں انہیں کبھی لاحق نہیں ہوئیں اور یہ ان کے لیے ایک عظیم کرامت ہے [جو ان کی روح کی پاکیزگی کی بلندی سے جاری ہوتی ہے] اور اگر عقل اس امر کے ان کے ساتھ اختصاص کو درک نہ کر پا رہی کو تو بھی یہ موجب انکار نہیں ہو سکتی۔

اس کے باوجود ہم ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں کہ جس کی کوشش یہ ہے کہ وہ اپنے بیانات سے ان تمام روایات کو مخدوش ثابت کرے جو طہارت جناب سیدہؑ کے باب میں وارد ہوئی ہیں۔ اس طرح کہ اولاً تو کہے کہ یہ روایات متواتر نہیں ہے جن کی سند کی تحقیق کی ضرورت نہ رہے بلکہ مشہور و مستفیض ہیں؛ ثانیاً جو چیز بھی مشہور ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قابل قبول بھی ہو اور اس کی سند کی تحقیق نہ کی جائے؛ ثالثاً یہ تمام روایات یا تو ضعیف ہیں، یا مرسل اور یا

[1] [سوائے استحاضہ قلیلہ کے]

مضطرب! تو پھر کس طرح ان سے اطمینان حاصل کیا جا سکتا ہے؟[1] اور وہ روایت صحیحہ جو ہم نے نمبر ۵ پر نقل کی ہے اس کے بارے میں لکھتا ہے: مجھے اس کی سند کی جانب مراجع کرنا میسر نہیں آیا لیکن بہر حال اس کی دلالت صریح نہیں ہے۔[2]

ہم جواب میں اس سے کہتے ہیں: اولاً تو خبر مستفیض بھی اطمینان آور ہوتی ہے اور اس کی سند کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی ویسے ہی جیسے اس بارے میں ہم آیت اللہ خوئی کا کلام اس سے قبل نقل کر آئے ہیں۔

ثانیاً: آپ کو باقی روایات کی سند میں چھان پھٹک کر کے انہیں مرسل، مضطرب اور ضعیف کہنے کا تو وقت مل گیا لیکن فقط ایک صحیح سند روایت (نمبر ۵) کی اسناد کی تحقیق کا وقت نہ مل سکا؟

ثالثاً: ہم نے گزشتہ بحث میں روایت ابن مہزیار کے بارے میں آیت اللہ خوئی کے کلام کی جانب اشارہ کیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں: ہم اس سے خارج میں علم رکھتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ طاہرہ و مطہرہ ہیں اور انہیں حیض لاحق نہیں ہوتا تھا۔[3]

رابعاً: آپ کے پاس اگر وقت نہیں تھا تو ان ابحاث میں وارد ہونے کا موقع کسی اور کو دے دینا چاہیے تھا کیونکہ بحث و تحقیق کی اولین شرط وقت کا ہونا ہے۔

---

[1] ہوامش نقدیہ: ص ۴۴.

[2] ایضاً.

[3] التنقیح فی شرح عروۃ الوثقیٰ: ج ۷، ص ۱۴۰.

خامساً: آپ روایت (نمبر ۵) کو کیوں کہتے ہیں کہ وہ صریح الدلالہ نہیں ہے؟ [ہم روایت دوبارہ بیان کیے دیتے ہیں تا کہ حقیقت آشکار ہو جائے۔ علی بن جعفر امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک فاطمہ صدیقہ شہیدہ ہیں اور بے شک انبیاء کی بیٹیوں کو حیض لاحق نہیں ہوتا۔ اس روایت کی دلالت بالکل صریح ہے، کیونکہ اگر اس کا دوسرا حصہ جو کہتا ہے کہ انبیاء کی بیٹیوں کو حیض لاحق نہیں ہوتا اس کے پہلے حصے سے ربط نہ رکھتا ہوتا جو جناب فاطمہؑ کے بارے میں ہے، اور جناب سیدہؑ کا انبیاء کی بیٹیوں کے ساتھ شریک ہونا اس کا منظور نہ ہو تو پھر روایت کا دوسرا حصہ فرمانے کا مطلب کیا ہوا؟ جبکہ یہ روایت جناب فاطمہؑ کے فضائل بیان کرنے کے مقام میں ہے اس بنا پر اس کا دوسرا حصہ بھی اسی حوالے سے بیان ہوا ہے۔

یہی شخص یہ اعتراض بھی کرتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی طہارت کی احادیث ایک دوسرے سے متعارض ہیں اور خبر متعارض حجت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان میں سے بعض میں آیا ہے کہ فاطمہؑ مثل حور یہ انسیہ ہیں یا ان کی اصل سیب بہشتی سے ہے، انہیں خون لاحق نہیں ہوتا اور بعض دوسری روایات میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ تمام انبیاء کی بیٹیوں کو حیض نہیں ہوتا اور

اگر ہم کہیں کہ یہ ایک دوسرے سے تعارض نہیں رکھتیں تو کم از کم اختلاف ضرور رکھتی ہیں۔[1]

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں: علم اصول میں ایک مورد اتفاق قاعدہ ہے کہ مثبتات میں تعارض واقع نہیں ہوتا اور کسی چیز کا ثابت کرنا اس کے غیر کے منتفی ہونے کا مستلزم نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ روایات طہارت بنات انبیاء کہتی ہیں کہ انہیں طمث یعنی حیض نہیں آتا جبکہ جناب زہراءؑ کی روایات طہارت کا مقتضا یہ ہے کہ انہیں خون حیض و نفاس وغیرہ بھی لاحق نہیں ہوتا (حدیث نمبر ۳، ۶، ۷ کے مطابق) لہذا اگر روایات کے ظاہر کے مطابق یہ کہا جائے کہ باقی بنات انبیاء فقط حیض سے پاک تھیں جبکہ جناب سیدہؑ ان تینوں خونوں سے تو بعید نہیں ہے۔

اور اس کے بعد پھر اعتراض کرتا ہے کہ روایت ۵ عام ہے اور وہ تمام بنات انبیاء کے بارے میں کلام کرتی ہے تو پھر ہم کیوں کہتے ہیں کہ یہ جناب فاطمہؑ کی خصوصیات میں سے ہے۔

ہم اس سے قبل دیے گئے جواب کو اس اعتراض کے لیے بھی کافی سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ کبھی کلمہ اختصاص اس صفت کے حامل افراد کے نادر ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم کہتے ہیں: حضرت ابراہیمؑ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ وہ اولوالعزم تھے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی کوئی نبی اولوالعزم نہیں تھا۔

---

[1] ہوامش نقدیہ: ص ۴۳.

کچھ اور اعتراضات

پہلا اعتراض: بعض روایات میں حضرت فاطمہؑ کی طہارت کے ساتھ ساتھ جناب مریمؑ کی طہارت کے بارے میں بھی کلام وارد ہوا ہے جبکہ بعض روایات میں جناب مریمؑ کی طہارت کی نفی کی گئی ہے، اور یہ جناب فاطمہؑ کی طہارت میں بھی شک کا موجب بنتی ہے؛ من جملہ:

الف) شیخ صدوقؒ اسماعیل جعفی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ ع إِنَّ الْمُغِيرَةَ يَزْعُمُ أَنَّ الْحَائِضَ تَقْضِي الصَّلَاةَ كَمَا تَقْضِي الصَّوْمَ فَقَالَ مَا لَهُ لَا وَفَّقَهُ اللَّهُ إِنَّ امْرَأَةَ عِمْرَانَ قَالَتْ ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ ما فِي بَطْنِي مُحَرَّراً﴾ وَ الْمُحَرَّرُ لِلْمَسْجِدِ لَا يَخْرُجُ مِنْهُ أَبَداً فَلَمَّا وَضَعَتْ مَرْيَمَ ﴿قالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُها أُنْثى وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا أَدْخَلَتْهَا الْمَسْجِدَ فَلَمَّا بَلَغَتْ مَبْلَغَ النِّسَاءِ أُخْرِجَتْ مِنَ الْمَسْجِدِ أَنَّى كَانَتْ تَجِدُ أَيَّاماً تَقْضِيهَا وَ هِيَ عَلَيْهَا أَنْ تَكُونَ الدَّهْرَ فِي الْمَسْجِدِ. میں نے امام باقرؑ سے عرض کی: مغیرہ گمان کرتا ہے کہ حائضہ جس طرح اپنے روزوں کی قضا کرتی ہے ویسے ہی نماز کی بھی قضا کرے۔ امام نے فرمایا: اسے کیا لینا دینا؟ خدا اسے کامیاب نہ کرے! بے شک زوجہ عمران نے کہا: اے خدا! میرے رحم میں جو بھی ہے میں اسے تیری نذر کرتی ہوں کہ محرر (یعنی آزاد) ہو اور وہ بھی مسجد کے لیے تاکہ کبھی اس سے خارج نہ ہو پس جب مریم متولد ہوئیں تو انہوں نے کہا: اے میرے پالنے والے! میں نے تو بیٹی کو جنم دیا ہے... اور بیٹا بیٹی کی طرح نہیں ہوتا۔ پس جب اس نے بیٹی کو جنم دیا اور مسجد میں لے گئی اور جب مریمؑ اپنے مخصوص ایام تک پہنچی تو مسجد سے خارج ہو گئیں۔ مریمؑ نے کون

سے دنوں میں نماز قضا کی؟ جب کہ ان پر واجب تھا کہ ساری زندگی مسجد میں رہیں (اور مسجد میں عبادت میں مشغول رہیں)[1]

اور سند روایت میں محمد بن علی اور محمد بن احمد موجود ہیں جس کی وجہ سے یہ ضعیف قرار پاتی ہے۔

ب) کلینی اسماعیل جعفی سے یہی مذکورہ بالا روایت، کچھ اضافات کے ساتھ یوں نقل کرتے ہیں: إِنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ سَعِيدٍ رَوَى عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ لَهُ إِنَّ الْحَائِضَ تَقْضِي الصَّلَاةَ فَقَالَ مَا لَهُ لَا وَفَّقَهُ اللَّهُ إِنَّ امْرَأَةَ عِمْرَانَ نَذَرَتْ مَا فِي بَطْنِهَا مُحَرَّراً وَ الْمُحَرَّرُ لِلْمَسْجِدِ يَدْخُلُهُ ثُمَّ لَا يَخْرُجُ مِنْهُ أَبَداً ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْها قالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُها أُنْثى... وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا أَدْخَلَتْهَا الْمَسْجِدَ فَسَاهَمَتْ عَلَيْهَا الْأَنْبِيَاءُ فَأَصَابَتِ الْقُرْعَةُ زَكَرِيَّا وَ كَفَّلَها زَكَرِيَّا فَلَمْ تَخْرُجْ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى بَلَغَتْ فَلَمَّا بَلَغَتْ مَا تَبْلُغُ النِّسَاءُ خَرَجَتْ فَهَلْ كَانَتْ تَقْدِرُ عَلَى أَنْ تَقْضِيَ تِلْكَ الْأَيَّامَ الَّتِي خَرَجَتْ وَ هِيَ عَلَيْهَا أَنْ تَكُونَ الدَّهْرَ فِي الْمَسْجِدِ.

اس کے آخر میں آیا ہے: پس کیا مریم ان ایام کی نماز قضا کر سکتی تھیں جن میں وہ مسجد سے باہر تھیں جبکہ ان پر واجب تھا کہ وہ تمام عمر مسجد میں رہیں؟[2]

اس سند کی روایت میں معلی بن محمد بصری ہے، جس کے بارے میں تین نظرات پائی جاتی

---

[1] علل الشرائع: ص۵۷۸، ح۶.

[2] الکافی: ج۳، ص۱۰۵، ح۴.

ہیں۔ علامہ مجلسی، امام خمینی اور مشہور علماء نے اسے ضعیف جانا ہے؛[1] لیکن آیت اللہ خوئی نے اسے اسانید علی بن ابراہیم میں ہونے کی وجہ سے ثقہ مانا ہے؛[2] اور آیت اللہ مامقانی اسے حسن جانتے ہیں۔[3] اس روایت کے متن اور ان دونوں کی سند کا ابان بن عثمان کے طریق سے اسماعیل جعفی پر منتہی ہونا اس بات کی خبر دیتا ہے کہ یہ دونوں روایات ایک ہی ہیں۔

ج) مرحوم عیاشیؒ حفص بن بختری سے اور وہ امام صادقؑ سے خدا کے اس قول: «إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ ما فِي بَطْنِي مُحَرَّراً» المحرر يكون في الكنيسة و لا يخرج منها فَلَمَّا وَضَعَتْها أنثى «قالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُها أُنْثى وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِما وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى» إن الأنثى تحيض فتخرج من المسجد و المحرر لا يخرج من المسجد. کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ امام نے فرمایا: محرر وہ ہوتا ہے جو کنیسے میں ہو اور اس سے خارج نہ ہو پس جب زوجہ عمران کے بیٹی متولد ہوئی تو اس نے کہا: خدایا میرے یہاں تو بیٹی ہوئی ہے اور تو بہتر جانتا ہے اسے جسے میں نے جنم دیا ہے اور بیٹا بیٹی جیسا نہیں ہوتا، بیٹی کو حیض آتا ہے اور وہ مسجد سے خارج ہوتی ہے جبکہ محرر کو مسجد سے باہر نہیں جانا چاہیے۔[4]

اس روایت کی سند مرسل ہے۔

---

[1] مرآۃ العقول: ج۱۳، ص۲۴۹؛ المکاسب المحرمۃ: ج۱، ص۳۵۹.

[2] معجم رجال الحدیث: ج۱۸، ص۲۵۰.

[3] تنقیح المقال: ج۳، ص۲۳۳.

[4] تفسیر عیاشی: ج۱، ص۱۷۰، ح۳۷.

د) عیاشی ہی علی بن مہزیار سے نقل کرتے ہیں کہ خدا کے اس کلام: «فَلَمَّا وَضَعَتْها قالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُها أُنْثى وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِما وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى وَ إِنِّي سَمَّيْتُها مَرْيَمَ وَ إِنِّي أُعِيذُها بِكَ وَ ذُرِّيَّتَها مِنَ الشَّيْطانِ الرَّجِيمِ» قال قلت: أ كان يصيب مريم ما تصيب النساء من الطمث قال: نعم ما كانت إلا امرأة من النساء. کے بارے میں انہوں نے کہا: میں نے عرض کی کیا مریمؑ کو بھی حیض لاحق ہوتے تھے؟ فرمایا: ہاں مریمؑ بھی عورتوں میں سے ایک عورت تھی۔[1]

اس روایت کی سند بھی مرسل ہے البتہ اس روایت میں جناب مریمؑ کو حیض لاحق ہونے کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب: اولاً تو جناب سیدہؑ کی طہارت سے متعلق روایات ان روایات میں منحصر نہیں جن میں جناب سیدہؑ کے ساتھ جناب مریمؑ کی طہارت کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اس بنا پر اگر جناب مریمؑ کی عدم طہارت ثابت بھی ہو جائے تو یہ جناب فاطمہؑ کی روایات طہارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ روایت نمبر ۵ کی جانب توجہ کرتے ہوئے تعارض سامنے آئے لیکن یہ بھی درست نہیں کیونکہ روایت نمبر ۵ عام ہے اور روایات عدم طہارت مریمؑ خاص ہیں اور علم اصول میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عام و خاص کے درمیان تعارض نہیں ہوتا بلکہ خاص فقط عام کو تخصیص لگاتا ہے [اور اپنے مصداق کو عام کے دائرے سے خارج

---

[1] ایضاً: ص ۱۷۳، ح ۴۸.

کرتا ہے] یعنی روایت نمبر ۵ کہتی ہے کہ انبیاء کی بنات کو حیض نہیں ہوتا اور یہ روایات کہتی ہیں کہ مریمؑ کو حیض ہوتا تھا پس جناب مریمؑ دوسرے انبیاء کی بیٹیوں کے حکم سے خارج ہو جائیں گی اور یہاں پر کوئی تعارض موجود نہیں۔

[البتہ انصاف یہ ہے کہ ایسا نتیجہ پاک قلوب قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ جناب مریمؑ اس فرض کے ساتھ کہ بنت نبی ہیں دوسرے انبیاء کی بنات سے افضل ہیں تو پھر ایسا کیا ہوا کہ ان بنات کے درمیان فقط انہی کو حیض لاحق ہو؟ اس بنا پر بہتر ہے کہ مقام جواب میں کہا جائے: روایت نمبر ۵ کی سند صحیح ہے لیکن ان چار روایات کی سند ضعیف ہے کیونکہ روایات ((ج)) و ((د)) تو مرسل ہیں، روایت ((الف)) سب کی نظر کے مطابق ضعیف ہے اور روایت ((ب)) مشہور نظر کے مطابق ضعیف ہے، پس ایک صحیح اور ضعیف روایت کے درمیان کس طرح تعارض پیش آ سکتا ہے۔ اگر ہم آیت اللہ خوئی کی نظر کے مطابق قبول کریں روایت ((ب)) کی سند صحیح ہے تو ہم بعد میں ایک اور صحیح السند روایت لائیں گے جو اس کے ساتھ مخالفت رکھتی ہے پس اس روایت میں کسی بھی صورت کسی چیز کے اثبات کا یارا نہیں۔ لیکن دلالت کے حساب سے کہا جائے گا: دونوں طرف کی روایات تصریح کی حامل ہیں کیونکہ روایت ((د)) جو اس دستے سے ہے جناب مریمؑ کو حیض لاحق ہونے کی تصریح کرتی ہے اور روایت ((الف)) و ((ب)) اس بات کی تصریح کرتیں ہیں کہ جناب مریمؑ کے پاس ان کی نمازوں کے قضا کرنے کا وقت نہیں تھا جو خدا ان کے لیے ان نمازوں کی قضا واجب کرتا۔ اس

کے علاوہ پہلی تین روایات جناب مریمؑ کی والدہ کی پریشانی کی تصریح کرتی ہیں کہ ان کی اولاد بیٹی ہے کیونکہ انہوں نے بچے کو بعنوان محرر مسجد کی نذر کیا تھا یہ سوچ کر کہ ان کے رحم میں بیٹا ہے اور اب ان کے یہاں بیٹی متولد ہوئی تھی اور بیٹی بیٹے جیسی نہیں ہوتی کیونکہ بیٹی کو حیض لاحق ہوتا ہے اور اس کے لیے ان ایام میں مسجد سے باہر جانا لازم ہے جب کہ محرر کو مسجد سے باہر جانے کا حق نہیں تو اب وہ کیا کریں؟ اور اس آخری بیان سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اس دستے کی روایات بھی عام ہیں کیونکہ اگر بنات انبیاء کو حیض لاحق نہیں ہوتا تو پھر کیوں مادر مریمؑ اپنی بیٹی کو لے کر پریشان تھیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو مسجد کے لیے محرر بنانے کی نذر مانی تھی؟ نتیجتاً جواب وہی ہے کہ اس دستے کی روایات کی سند ضعیف ہے اس کے علاوہ کہ جناب مریمؑ کے والد کا پیغمبر ہونا ثابت نہیں ہر چند کہ ایک صحیح السند روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے۔]

ثانیاً: جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا ان چار روایات میں جناب مریمؑ کو خون لاحق ہونے کا بیان اس آیت: وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى؛ کی تفسیر کے ذیل میں ہے یعنی بیٹا مسجد میں محرر ہو سکتا ہے لیکن وہ بیٹی جسے حیض آتا ہو اور اس کا مسجد سے باہر جانا ضروری ہو جائے وہ محرر نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہاں پر اس آیت کے ذیل میں دوسری تفاسیر بھی موجود ہیں جن میں سے بعض روایات اور بعض مفسرین نے بیان کی ہیں [کہ یہ تفاسیر ان چار روایات کے ساتھ سازگار نہیں] من جملہ:

ا۔ بیٹی اور بیٹے میں تفاوت کی وجہ، بیٹی کا نبوت کے لیے صلاحیت نہ رکھنا تھا۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق زوجہ عمران کو ایک پیغمبر کی بشارت دی گئی تھی لیکن جب ان کے یہاں مریم متولد ہوئیں تو انہوں نے کہا: وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ بیٹی پیغمبر نہیں بن سکتی۔

الف) کلینی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَوْحَى إِلَى عِمْرَانَ أَنِّي وَاهِبٌ لَكَ ذَكَراً سَوِيّاً مُبَارَكاً يُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَ الْأَبْرَصَ وَ يُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ وَ جَاعِلُهُ رَسُولًا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فَحَدَّثَ عِمْرَانُ امْرَأَتَهُ حَنَّةَ بِذَلِكَ وَ هِيَ أُمُّ مَرْيَمَ فَلَمَّا حَمَلَتْ كَانَ حَمْلُهَا بِهَا عِنْدَ نَفْسِهَا غُلَامٌ ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْها قالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُها أُنْثى ... وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى﴾ أَيْ لَا يَكُونُ الْبِنْتُ رَسُولًا يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَ ﴿وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِما وَضَعَتْ﴾ فَلَمَّا وَهَبَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَرْيَمَ عِيسَى كَانَ هُوَ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِمْرَانَ وَ وَعَدَهُ إِيَّاهُ فَإِذَا قُلْنَا فِي الرَّجُلِ مِنَّا شَيْئاً وَ كَانَ فِي وَلَدِهِ أَوْ وَلَدِ وَلَدِهِ فَلَا تُنْكِرُوا ذَلِكَ. خدا نے عمران کو وحی کی: میں تجھے ایک وجیہ اور مبارک بیٹا عطا کروں گا جو خدا کے اذن سے مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو ٹھیک کرے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا، نیز میں اسے بنی اسرائیل کے لیے نبی قرار دوں گا عمران نے اپنی زوجہ حنہ جو کہ مریمؑ کی ماں بنیں کو یہ بات بتائی۔ جب وہ حاملہ ہوئیں تو گمان کرنے لگیں کہ ان کے رحم میں بیٹا ہے اور جب انہوں نے مریمؑ کو جنم دیا تو بولیں: بیٹا بیٹی جیسا نہیں ہوتا۔ یعنی بیٹی تو نبی نہیں بن سکتی۔ خدا نے فرمایا: اور خدا بہتر جانتا ہے اسے جو متولد ہو۔ جب خدا نے مریمؑ کو عیسیٰؑ عطا کیے تو یہ

وہی بچہ تھا جس کی عمران کو بشارت دی گئی تھی، اس بنا پر جب ہم اہلبیتؑ میں سے کسی مرد کے بارے میں کوئی بات کرتے ہیں اور وہ اس کے بیٹے یا پوتے میں واقع ہوتا ہے تو اس کا انکار نہ کرو۔[1]

اس روایت کی سند صحیح ہے اور علی بن ابراہیمؒ نے بھی اسے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔[2]

ب) عیاشی نے جابر جعفی سے نقل کیا کہ وہ کہتے ہیں: میں نے امام باقرؑ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے: اس کے بعد پچھلی روایت سے ملتی جلتی بات نقل کی۔[3]

۲۔ تفاوت کی وجہ کنیسے میں ایک خاتون میں خدمت گزاری کی عدم صلاحیت تھی۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاتون بالغ ہونے کے بعد مسجد میں مردوں کی خدمت نہیں کر سکتی کیونکہ یہ حجاب و عفاف سے منافات رکھتا ہے جیسا کہ حریز کی روایت میں امام باقر یا امام صادق علیہما السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: نذرت ما في بطنها للكنيسة أن تخدم العباد، ﴿وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى﴾ في الخدمة قال: فشبت فكانت تخدمهم و تناولهم حتى بلغت فأمر زكريا أن يتخذ لها حجابا دون العباد. (زوجہ عمران نے کہا:) میں نے اپنے رحم میں موجود بچے کو کنیسے کی نذر کیا تا کہ وہ عباد اللہ (مسجد میں معتکف مردوں) کی خدمت کرے جبکہ بیٹا خدمت کرنے کے سلسلے میں بیٹی

---

[1] الکافی: ج۱، ص۵۳۵، ح۱.

[2] تفسیر قمی: ج۱، ص۱۰۱.

[3] تفسیر عیاشی: ج۱، ص۱۷۱، ح۳۹.

جیسا نہیں ہے۔ مریمؑ بڑی ہوئیں، وہ مسجد میں آنے والے مردوں کی خدمت کرتیں اور انہیں کھانا لا کر دیتیں یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں، تو زکریاؑ نے حکم دیا کہ ان کے لیے عباد سے الگ جگہ بنائی جائے اور (بس) وہی مریمؑ کے پاس جایا کرتے تھے۔[1]

۳۔ وجہ تفاوت، دوسری وجہ کے ساتھ ساتھ خون لاحق ہونا بھی تھی۔ ایسے ہی بعض مفسرین کا کلام ان دونوں کو شامل ہے۔ شیخ طوسی اس آیت: وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى کے ذیل میں لکھتے ہیں: وہ عذر پیش کر رہی ہیں کہ میں نے اپنے بچے کو مسجد کی نذر کیا تھا لیکن بیٹی بیٹے جیسی نہیں ہو سکتی... ان چیزوں کی وجہ سے جو خاتون کو لاحق ہوتی ہیں از قبیل حیض و نفاس، اور دوم مردوں کے درمیان آشکار ہونے سے محفوظ ہونے کی وجہ سے بھی۔[2]

[البتہ شیخ طوسی کے کلام میں کوئی تصریح موجود نہیں کہ مریمؑ کو خون لاحق بھی ہوا تھا بلکہ انہوں نے یہ بات اس عنوان سے کی ہے کہ ان کی والدہ نے گمان کیا کہ چونکہ مریمؑ لڑکی ہے، لہذا اسے خون لاحق ہو گا اور وہ مسجد سے باہر جانے پر مجبور ہو جائے گی، البتہ یہ گمان کرنا جناب مریمؑ کو خون لاحق ہونے سے مستلزم نہیں۔ اس کے علاوہ اگر انہیں خون لاحق ہوتا تو لازماً وہ مسجد سے خارج ہوتیں لیکن کسی بھی تاریخی کتاب میں جناب عیسیٰؑ کی ولادت سے قبل ان کا

---

[1] تفسیر عیاشی: ج۱، ص ۱۷۰، ح۳۸.

[2] التبیان فی تفسیر القرآن: ج۲، ص ۴۴۴.

مسجد سے خارج ہونا وارد نہیں ہوا اور فقط یہی بیان ہوا ہے کہ جب وہ بالغ ہوئیں تو ان کا مکان مردوں کے مکان سے جدا کر دیا گیا اور جناب زکریاؑ کے سوا ان کے پاس اور کوئی نہیں جاتا تھا۔]

نتیجہ: آیہ مذکورہ کی تفسیر میں وارد شدہ روایات اور ان میں سے بعض روایات کا مبنی مشہور کی بناپر عدم طہارت جناب مریمؑ پر سند میں ضعف کے پائے جانے کی وجہ سے، ان کے عدم طہارت از حیض پر کوئی معتبر دلیل موجود نہیں ، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے انہیں خون حیض لاحق ہونے سے طاہرہ جانا ہے؛ من جملہ:

شیخ طبرسی جوامع الجامع میں اس آیت: ﴿وَ إِذْ قالَتِ الْمَلائِكَةُ يا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفاكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفاكِ عَلى نِساءِ الْعالَمين﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں: یعنی خدا نے تجھے خواتین کو لاحق ہونے والی پلیدی جیسے حیض و نفاس سے پاک قرار دیا ہے۔[1]

شیخ کا یہ کلام ہر چند کہ ان کے مجمع البیان میں اس آیت: وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى؛ کے ذیل میں وارد شدہ کلام کے مخالف ہے؛[2] کیونکہ وہاں پر ان کا کلام شیخ طوسی کے کلام سے مشابہ ہے لیکن چونکہ جوامع الجامع کے مقدمے میں انہوں نے خود ہی تصریح کی ہے کہ یہ تفسیر انہوں نے مجمع البیان سے فارغ ہونے کے بعد لکھی ہے؛[3] لہذا ان کی جوامع الجامع میں کہی بات معیار مانی جائے گی۔

---

[1] جوامع الجامع: ج۱، ص۱۷۳.

[2] مجمع البیان: ج۱، ص۴۳۵.

[3] جوامع الجامع: ج۱، ص۲.

اسی طرح علامہ بلاغی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی نظریہ قبول کیا ہے۔[1]

کلام علامہ مجلسیؒ: آپ صحیح السند حدیث نمبر ۵ جو انبیاء کی بنات کو حیض لاحق نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ بارے میں لکھتے ہیں: یہ روایت جناب حواء کو حیض آنے کا پتہ دینے والی روایات سے منافات نہیں رکھتی؛ کیونکہ اولاً تو وہ ضعیف السند ہیں؛ثانیاً حوابنت پیغمبر نہیں تھیں ؛ نیز یہ ان روایات سے بھی منافات نہیں رکھتی جن میں جناب مریمؑ کو حیض لاحق ہونے کا بتایا گیا ہے، کیونکہ ممکن ہے اس میں تقیہ کر کے مخالفین شیعہ کو خاموش کرایا گیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث نمبر ۵ کو انبیائے اولی العزم کی بنات پر حمل کیا جائے؛ اور اسی طرح ان روایات کا بھی جواب دے دیا جائے گا جن میں جناب سارہ کو حیض لاحق ہونے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے البتہ یہ اس وقت ہے جب ہم انہیں دختر نبی مانیں۔ کیونکہ روایت مذکورہ نمبر ۵ کا ظاہر انبیاء کی براہ راست بیٹیاں ہیں۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مریمؑ اور سارہ براہ راست انبیاء کی بیٹیاں نہیں تھیں۔[2]

علامہ مجلسی کے کلام پر اعتراض:

اس بارے میں کہ اس روایت کا ظہور انبیاء کی بلاواسطہ بیٹیوں کے سلسلے میں ہے، کوئی کلام

---

[1] آلاء الرحمٰن: ج۱، ص ۲۸۲.

[2] مرآۃ العقول: ج۵، ص ۳۲۱.

نہیں، لیکن یہ احتمال دینا کہ شاید ان سے مراد انبیاء اولی العزم کی بیٹیاں ہوں، تو ہم اس سے متفق نہیں [کیونکہ ان میں سے بعض انبیاء جیسے عیسیٰؑ کی تو اولاد ہی نہیں تھی، پھر بعض کی بیٹیاں نہیں تھیں جیسے جناب ابراہیمؑ اور جناب نوح و موسیٰؑ کی کوئی بیٹیاں تھیں اس حوالے سے ہمیں کوئی اطلاع نہیں، پس فقط رسول اللہ ﷺ ہی باقی بچتے ہیں؛ دوم یہ کہ یہ روایت کے اطلاق عموم کے ساتھ سازگار نہیں کیونکہ اس سے تخصیص اکثر پیش آئے گی جو باطل ہے۔]

پھر ان کا یہ کہنا کہ مریمؑ نبی کی براہ راست بیٹی نہیں تھیں، تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ قطب الدین راوندی نے شیخ صدوق سے ابو بصیر سے توسط سے صحیح السند حدیث نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ ع عَنْ عِمْرَانَ أَ كَانَ نَبِيّاً فَقَالَ نَعَمْ كَانَ نَبِيّاً مُرْسَلًا إِلَى قَوْمِهِ وَ كَانَ حَنَّةَ امْرَأَةِ عِمْرَانَ وَ حَنَّانَةَ امْرَأَةِ زَكَرِيَّا أُخْتَيْنِ فَوُلِدَ لِعِمْرَانَ مِنْ حَنَّةَ مَرْيَمَ وَ وُلِدَ لِزَكَرِيَّا مِنْ حَنَّانَةَ يَحْيَى ع وَ وَلَدَتْ مَرْيَمَ عِيسَى ع وَ كَانَ عِيسَى ابْنِ بِنْتِ خَالَتَهُ وَ كَانَ يَحْيَى ع ابْنِ خَالَةِ مَرْيَمَ وَ خَالَةِ الْأُمِّ بِمَنْزِلَةِ الْخَالَةِ. میں نے امام باقرؑ سے عمران کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وہ پیغمبر تھے؟ فرمایا: ہاں وہ اپنی قوم کی جانب پیغمبر مرسل تھے۔ ان کی بیوی حنہ اور زکریا کی بیوی حنانہ بہنیں تھیں، حنہ سے عمران کے لیے مریم جبکہ حنانہ سے زکریا کے لیے یحییٰ متولد ہوئے اور مریمؑ نے عیسیٰؑ کو جنم دیا عیسیٰؑ یحییٰ کی خالہ زاد کے بیٹے تھے، اور یحییٰ مریم کے خالہ زاد تھے اور ماں کی خالہ (خود اپنی) خالہ کی طرح

ہے۔[1]

البتہ ان کا یہ کہنا کہ شاید یہ روایت عدم طہارت مریمؑ تقیہ کی وجہ سے ہو، قابل قبول ہے۔

علامہ مجلسی روایت اسماعیل جعفی جو جناب مریمؑ کی عدم طہارت پر مبنی ہے کے ذیل میں راقم ہیں: اور ہو سکتا ہے کہ یہ روایت اہلسنت کو اس وجہ سے جو وہ استحسانات میں سے قبول کرتے ہیں، خاموش کرنے کے لیے ہو... جبکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جناب مریمؑ بھی جناب فاطمہؑ کی طرح خون سے پاک تھیں لہذا ممکن ہے کہ اسماعیل جعفی کی روایت مغیرہ کو خود اس کے اپنے عقیدے کے مطابق خاموش کرنے کے لیے ہو (جو وہ کہتا تھا کہ حائضہ نماز کی بھی قضا بجالائے) اور خدا بہتر جانتا ہے۔[2]

دوسرا اعتراض:

بعض روایات میں آیا ہے کہ سارہ کو حیض لاحق ہوا اور وہ بنات انبیاء میں سے پہلی تھیں جنہیں حیض لاحق ہوا؛ اور یہ بات تمام بنات انبیاء من جملہ فاطمہؑ کی طہارت سے منافات رکھتی ہے۔

جواب دوسرے اعتراض کا: ہماری تحقیق کے مطابق جناب سارہ کو خون لاحق ہونے کے

---

1 قصص الانبیاء راوندی: ص ۲۱۴، ح ۲۷۸.

2 مرآۃ العقول: ج ۱۳، ص ۲۳۹.

سلسلے میں فقط دو روایات وارد ہوئی ہیں:

الف) شیخ صدوق امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ بَنَاتِ الْأَنْبِيَاءِ ص لَا يَطْمَثْنَ إِنَّمَا الطَّمْثُ عُقُوبَةٌ وَ أَوَّلُ مَنْ طَمِثَتْ سَارَةُ. انبیاء کی بیٹیوں کو حیض لاحق نہیں ہوتا بے شک حیض ایک عقوبت ہے اور پہلی بی بی جسے حیض ہوا وہ سارہ تھیں۔[1]

اس روایت کی سند ابی جمیلہ مفضل بن صالح کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ب) شیخ صدوق امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اس آیت: ﴿فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْناها بِإِسْحاقَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: حَاضَتْ. سارہ کو حیض لاحق ہوا۔[2]

یہ روایت صحیح السند ہے لہذا اس کی دلالت کے بارے میں بات کی جائے گی اور اس حوالے سے دو صورتیں بیان کی جاتی ہیں:

[پہلی صورت جناب سارہ کو خون کے لاحق ہونے کے حوالے سے ہے۔ یہ روایت فقط یہی بیان کرتی ہے کہ جناب سارہ کو بڑھاپے میں حیض لاحق ہوا، لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں اس سے پہلے بھی حیض ہوتا رہا اور بڑھاپے میں آکر ان کا حیض قطع ہو گیا اور پھر خدا کی کرامت سے دوبارہ جاری ہوا۔ کیونکہ حیض لاحق ہونے اور حاملہ ہونے میں نیز حیض لاحق نہ ہونے اور بانجھ ہونے میں کوئی تلازم عقلی نہیں پایا جاتا، اور پہلی روایت کے مفہوم کے مطابق

1علل الشرائع: ص ۲۹۰، باب ۲۱۵.

2معانی الاخبار: باب معنی ضحک، ص ۲۱۴، مکتبۃ المفید.

کہ ہم اس کی بعد میں تحقیق کریں گے، یہ حیض عقوبت کے عنوان سے تھا، یہی وجہ ہے کہ جناب سیدہ ﷺ، جناب مریمؑ اور انبیاء کی دیگر بنات کو بھی مذکورہ روایات کی بنا پر من جملہ روایت صحیح السند نمبر ۵ کے مطابق حیض لاحق نہیں ہوتا تھا اور وہ اس کے بنا ہی حاملہ ہوتی تھیں۔ پس یہ روایت بس اتنا ہی بتاتی ہے کہ جناب سارہ کو اسحاقؑ کی ولادت کے نزدیک حیض لاحق ہوا لیکن کیوں؟ کیا یہ عقوبت کی وجہ سے تھا یا یہ کہ حاملہ ہونے کے لیے حیض لاحق ہونا لازم تھا؟ اس حوالے سے روایت کچھ نہیں کہتی۔]

دوسری صورت جناب سارہ کے بنت پیغمبر ہونے کے سلسلے میں ہے۔ ہم نے اس سے پہلے علامہ مجلسی کا کلام نقل کیا تھا؛ وہ کہتے ہیں: سارہ نبی کی براہ راست بیٹی ہیں، یہ ثابت نہیں۔ البتہ اس بارے میں چند روایات نقل ہوئی ہیں؛ من جملہ:

۱۔ کلینی ابراہیم بن زیاد کرخی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے امام صادقؑ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ ع كَانَ مَوْلِدُهُ بِكُوثَى رُبَا وَ كَانَ أَبُوهُ مِنْ أَهْلِهَا وَ كَانَتْ أُمُّ إِبْرَاهِيمَ وَ أُمُّ لُوطٍ سَارَةَ وَ وَرَقَةَ وَ فِي نُسْخَةٍ رُقَيَّةَ أُخْتَيْنِ وَ هُمَا ابْنَتَانِ لِلَاحِجٍ وَ كَانَ اللَّاحِجُ نَبِيّاً مُنْذِراً وَ لَمْ يَكُنْ رَسُولًا وَ كَانَ إِبْرَاهِيمُ ع فِي شَبِيبَتِهِ عَلَى الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ الْخَلْقَ عَلَيْهَا حَتَّى هَدَاهُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى إِلَى دِينِهِ وَ اجْتَبَاهُ وَ إِنَّهُ تَزَوَّجَ سَارَةَ ابْنَةَ لَاحِجٍ وَ هِيَ ابْنَةُ خَالَتِهِ... ابراہیم کی والدہ، لوط کی

والدہ، سارہ، اور ورقہ بہنیں تھیں، یہ دونوں لاج کی بیٹیاں تھیں، اور لاج نبی منذر تھے لیکن رسول نہیں تھے... ابراہیم نے سارہ بنت لاج سے شادی کی جو ان کی خالہ زاد تھیں.[1]

حدیث کی سند و متن کی تحقیق: اس روایت کی سند ابراہیم کرخی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز اس میں سہل بن زیاد بھی موجود ہے جو کہ مشہور کی نظر کے مطابق ضعیف لیکن امام خمینی اور مامقانی کے مطابق حسن ہے۔[2]

متن روایت میں بھی نسخوں اور نسخہ برداروں کے اختلاف کی وجہ سے جناب ابراہیمؑ کے سارہ کے ساتھ رشتے کے حوالے سے اختلافات و اضطراب موجود ہے کیونکہ کئی نسخوں میں سارہ کو لاج کی بیٹی اور ابراہیم کی والدہ بتلایا گیا ہے اور آگے چل کر بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیمؑ نے سارہ سے شادی کی اور سارہ ابراہیم کی خالہ زاد تھیں! یہ چیز قطعاً غلطی ہے اور صحیح وہی چیز ہے جو بعض نسخوں میں وارد ہوئی ہے کہ مادر ابراہیم کی جگہ ہمسر ابراہیم لکھا ہے، علامہ مجلسی کا کہنا ہے کہ اس روایت میں کوئی حصہ چھوٹ گیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ سارہ جناب ابراہیمؑ کی خالہ زاد کی بیٹی تھیں۔[3]

[1] الکافی: ج۸، ص۳۷۰، ح۵۶۰.
[2] المکاسب المحرمۃ: ج۲، ص۲۱؛ تنقیح المقال: ج۱، ص۷۱؛ از نتائج التنقیح.
[3] مرآۃ العقول: ج۲۶، ص۵۵۶.

۲۔ مرحوم قطب الدین راوند ضعیف سند کے ساتھ شیخ صدوق سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے امام صادقؑ سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ ع تَزَوَّجَ سَارَةَ وَ كَانَتْ مِنْ أَوْلَادِ الْأَنْبِيَاءِ . ابراہیمؑ نے سارہ کے ساتھ شادی کی اور سارہ انبیاء کی بیٹیوں میں سے تھی۔[1]

اس روایت کی سند عقبہ کی وجہ سے ضعیف ہے [اور یہ بھی کہ یہ حدیث جناب سارہ کے کسی نبی کی براہ راست بیٹی ہونے پر بھی دلالت نہیں کرتی کیونکہ ہو سکتا ہے امام کی مراد یہ ہو کہ وہ نسل انبیاء میں سے تھیں، بالخصوص اس بات پر توجہ کرتے ہوئے کہ فرمایا: سارہ انبیاء کی بنات میں سے تھی اور یہ نہیں فرمایا کہ سارہ نبی کی بیٹی تھی۔]

اور انہی دو ضعیف روایات کی جانب توجہ رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ مجلسی نے صراحتاً لکھا ہے کہ: جناب سارہ کا نبی کی براہ راست بیٹی ہونا ثابت نہیں۔ اب اگر ہم یہ بھی قبول کر لیں کہ یہ دونوں روایات صحیح السند ہیں تب بھی انبیاء کی دوسری بیٹیوں من جملہ جناب فاطمہؑ کی طہارت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ سارہ کو حیض لاحق ہونا فقط ایک مورد خاص ہے اور انبیاء کی بیٹیوں کو حیض کا لاحق نہ ہونا، ایک مورد عام ہے، اور ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ عام و خاص کے تقابل میں تعارض پیش نہیں آتا بلکہ فقط خاص، اپنے مصداق کو عام کے دائرے سے خارج کر لیتا ہے۔

---

1 قصص الانبیاء: ص ۱۱۲، ح ۱۰۹.

دلالت روایت الف) اس روایت میں تصریح ہوئی ہے کہ انبیاء کی بیٹیوں کو حیض لاحق نہیں ہوتا اور حیض عقوبت ہے اور سب سے پہلے جسے حیض ہوا وہ سارہ تھیں۔ اس حوالے سے چند نکات پائے جاتے ہیں جن کی تحقیق لازم ہے۔

[نکتہ اول: روایت کہتی ہے کہ انبیاء کی بیٹیوں کو سارہ سے پہلے حیض لاحق نہیں ہوتا تھا، اور روایت کا یہ ٹکڑا ان روایات کا مؤید ہے جن میں بنات انبیاء کے حیض سے پاک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، گویا انہیں حیض لاحق نہ ہونا ایک قانون ہے، نتیجتاً یہ روایت جناب فاطمہؑ کی طہارت پر مؤید ہوئی نہ کہ اس کی منکر۔

نکتہ دوم: روایت کہتی ہے کہ حیض عقوبت ہے، اس جملے کے لیے دو طرح سے مفہوم لیا جا سکتا ہے:

الف) مفہوم اخباری: یعنی سارہ کو حیض آنا عقوبت کے عنوان سے تھا اور یہ بات کوئی بعید نہیں کہ خدا عزوجل اس کے بعد کہ ایک بنت پیغمبر کو کرامت بخش کر اسے حیض سے پاک رکھے، لیکن بعد میں کسی خطا کی وجہ سے اسے عقوبت میں مبتلا کر کے حیض میں مبتلا کرے اور یہ عقوبت شاید ابراہیمؑ کے ساتھ سارہ کے سوئے خلق کی وجہ سے ہو جیسا کہ بعض روایات میں بیان ہوا ہے اور ان میں سے کچھ صحیح السند بھی ہیں۔

علی بن ابراہیم قمی صحیح سند سے امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابراہیمؑ صحرائے شام میں ساکن تھے۔ جب جناب ہاجرہ نے اسماعیلؑ کو جنم دیا تو اس وجہ سے سارہ شدید

مغموم ہوئیں کیونکہ ان کے بطن سے ابراہیمؑ کے لیے کوئی بچہ نہیں تھا؛ وہ ابراہیمؑ کو ہاجرہ سے متعلق تکلیف دیتیں اور پریشان کرتیں، پس جناب ابراہیمؑ نے بارگاہ خدا میں شکایت کی تو خدا نے ان پر وحی کی: عورت کی مثل ٹیڑھی ہڈی کی سی ہے اگر اسے ڈھیلا چھوڑ دو گے تو استفادہ کرو گے اور اگر اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی۔ [1]

اور ایسے ہی دیگر متعدد روایات جن میں اسی حوالے سے بیان ہوا ہے۔ [2] اور اگر یہ عقوبت سارہ کے لیے ان کی خطا کی وجہ سے تھی تو اولاً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ خطا نہ کرتیں تو خدا انہیں حیض لاحق کر کے عقوبت نہ کرتا اور انہیں اس کے بغیر ہی حاملہ فرما دیتا۔ ثانیاً یہ کہ سارہ کے لیے حیض لاحق ہونا ایک عقوبت کے عنوان سے تھا اور اس سے دوسرے انبیاء کی بنات کو بھی حیض کا لاحق ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اس سے فقط یہی معلوم ہوتا ہے کہ سارہ سے قبل انبیاء کی بیٹیوں کو حیض لاحق نہیں ہوتا تھا اور انبیاء کی بیٹیوں میں سے سارہ کو بعنوان عقوبت حیض لاحق ہوا تھا، یوں ایک دلیل کی وجہ سے جزئی کا اثبات بنا دلیل کے کلی اثبات کا مستلزم نہیں۔

ب) مفہوم تعلیلی: یعنی انبیاء کی بیٹیوں کو اس لیے حیض لاحق نہیں ہوتا تھا کیونکہ حیض آنا ایک عقوبت تھی اور خدا نے انبیاء کی بنات کو اس عقوبت سے بری رکھا اور یہ وجہ زیادہ ظاہر

---

1 تفسیر قمی: ج ۱، ص ۶۰.

2 بحار الانوار: ج ۱۲، ح ۷، ۳۷، ۴۵، ۵۰.

معلوم ہوتی ہے کیونکہ روایت کا متن اس طرح ہے کہ: بنات انبیاء کو حیض لاحق نہیں ہوتا تھا، حیض عقوبت ہے اور سب سے پہلے جس عورت کو حیض ہوا وہ سارہ تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حیض کے عقوبت ہونے کو انبیاء کی بنات کو حیض لاحق نہ ہونے کے بعد بیان کیا گیا ہے اور اگر یہ عقوبت سارہ سے متعلق ہوتی تو اسے سارہ کو حیض لاحق ہونے کی خبر دینے کے بعد ذکر کیا جاتا اور کہا جاتا: انبیاء کی بنات میں سب سے پہلے جسے حیض لاحق ہوا وہ سارہ تھیں اور یہ حیض آنا ایک عقوبت تھی۔

شاید اس حدیث میں عقوبت سے منظور اس حدیث کا مضمون ہو جو شیخ صدوق نے علل میں امام باقرؑ سے نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

خواتین کو حیض ہونا ایک نجاست ہے جس سے خدا نے انہیں زمانہ نوح میں دوچار کیا؛ (اس زمانے سے پہلے) خواتین کو سال میں ایک بار حیض لاحق ہوتا تھا، ۷۰۰ خواتین اپنے گھروں سے خارج ہوئیں، سرخ رنگ کے لباس زیب تن کیے، زینت کی، خوشبو لگائی اور اس کے بعد زمین میں پھیل گئیں، وہ مردوں کے ساتھ بیٹھتیں، ان کے ساتھ اعیاد میں شرکت کرتیں، مردوں کی صفوں میں بیٹھتیں، پس خدا نے انہیں اس زمانے میں ہر ماہ کے حیض سے دوچار کیا ... خدا نے انہیں حیض میں مشغول کیا اور ان کی شہوت بڑھادی، لیکن جن خواتین نے ان کی طرح کے اعمال انجام نہیں دیے تھے انہیں سال میں ایک بار ہی حیض لاحق ہوتا تھا۔ اس کے

بعد ان دونوں قسم کی خواتین کے بچوں کی آپس میں شادیاں ہوتی رہیں اور نسل آپس میں مخلوط ہو گئی جس کے نتیجے میں ان کی ساری بیٹیوں کو ہر ماہ حیض ہونے لگا۔[1]

ہر چند اس روایت میں، ماہانہ حیض کا لاحق ہونا عقوبت کے عنوان سے بیان نہیں ہوا نہ کہ اصل حیض لیکن اس روایت کے شروع کی جانب توجہ رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اصل حیض بھی ایک عقوبت ہی ہے۔

نکتہ سوم: روایت کہتی ہے: سب سے پہلے جس خاتون کو حیض لاحق ہوا وہ سارہ تھیں۔ اس عبارت کے دو طرح سے معنی بیان کیے جا سکتے ہیں:

الف) پہلی خاتون جنہیں حیض لاحق ہوا وہ سارہ تھیں اور یہ ان روایات سے متعارض ہے جو سارہ سے قبل کی خواتین کو حیض لاحق ہونے کی خبر دیتی ہیں۔

ب) بنات انبیاء میں سے پہلی جنہیں حیض لاحق ہوا وہ سارہ ہیں۔

روایت دونوں معنی میں ظہور رکھتی ہے لیکن یہ کہ کہا جائے: دوسرے بیان میں اظہر ہے البتہ دوسرے بیان کے مطابق سارہ کا دختر نبی ہونا بھی بیان ہوا ہے لیکن دونوں بیانات میں سارہ کے حیض دیکھنے کے بعد بقیہ انبیاء کی دختران کو حیض لاحق ہونے پر کوئی دلالت موجود نہیں؛ اگر اعتراض کیا جائے کہ ہر اول کے لیے دوم ہوتا ہے اور چونکہ روایت کہتی ہے کہ

---

[1] علل الشرائع: ج۱، باب ۲۱۵.

بنات انبیاء میں سے پہلی جنہیں حیض لاحق ہوا وہ سارہ ہیں، تو پھر دوسری، تیسری، چوتھی کون تھیں؟ تو ہم کہیں گے: اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ یہ ادعا درست ہے تب بھی اس سے بس یہی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی بنات میں سے بعض دوسری خواتین کو بھی سارہ کے بعد حیض لاحق ہوا ہے، اور موجبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کو ثابت نہیں کرتا۔]

تیسرا اعتراض:

یہ اعتراض امام باقرؑ کی اس روایت کے ذیل میں پیش کیا گیا ہے جسے آپ نے اپنے اجداد سے یوں بیان کیا ہے: إِنَّمَا سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ الطَّاهِرَةَ لِطَهَارَتِهَا مِنْ كُلِّ دَنَسٍ وَ طَهَارَتِهَا مِنْ كُلِ رَفَثٍ وَ مَا رَأَتْ قَطُّ يَوْماً حُمْرَةً وَ لَا نِفَاساً. بے شک فاطمہ بنت محمد ﷺ کو طاہرہ نام دیا گیا ہر ناپاکی اور ہر رفث سے پاک ہونے کی وجہ سے؛ انہیں کبھی بھی حیض و نفاس لاحق نہیں ہوا۔[1]

اعتراض کرنے والا کہتا ہے: کلمہ رفث لغت اور روایات میں فقط جنسی مقاربت کے لیے استعمال ہوا ہے پس اس کا جناب سیدہؑ کے بارے میں استعمال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیونکہ انہوں نے شادی کی اور صاحب اولاد بھی ہوئیں، نتیجہ یہ کہ یہ روایت سرے سے ہی باطل ہے۔[2]

---

[1] بحار الانوار: ج۴۳، ص۱۹، ح۲۰.

[2] ہوامش نقدیہ: ص۴۳.

جواب: اول تو لغت میں کلمہ رفث فقط جنسی مقاربت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ بری بات اور جھوٹ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے؛[1] دوم اگر ہم یہ بات قبول بھی کر لیں کہ اس روایت میں رفث کے معنی جنسی مقاربت کے ہیں تب بھی مشکل نہیں کیونکہ جو کچھ علم اصول میں ثابت شدہ ہے اس کے مطابق اگر کسی روایت میں کوئی باطل مطلب موجود ہو تو کل روایت حجیت سے ساقط نہیں ہوتی بلکہ فقط اس کے باطل حصے سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں آیت اللہ خوئی کا کلام بحث مصحف فاطمہؑ کے ذیل میں نقل کیا جائے گا۔[2]

[اس کے علاوہ رفث کی جنسی مقاربت کے سلسلے میں موجب جنابت ہونے سے بھی تفسیر کی جا سکتی ہے، ان معنی میں کہ فاطمہؑ جنابت سے پاک تھیں اور اس بارے میں جلد ہی توضیح پیش کی جائے گی۔

چوتھا اعتراض:

رسول اللہ ﷺ سے احادیث میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ مسجد میں ہر حائضہ کا جانا حرام ہے سوائے فاطمہ کے؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہؑ کو بھی حیض لاحق ہوتا تھا؛ من جملہ:

---

[1] لسان العرب: ج ۲، ص ۱۵۳؛ مصباح المنیر: ص ۲۳۲؛ وسائل الشیعہ: ج ۹، باب ۲۲ از ابواب تروک احرام ص ۱۰۸، حدیث ۱، ۴، ۸.

[2] التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج ۷، ص ۱۴۱.

الف)الا ان مسجدی حرام علی کل حائض من النساء و کل جنب من الرجال الا علی محمد و اهل بیته علی و فاطمة و الحسن و الحسین؛[1] آگاہ ہو جائے کہ بے شک میری مسجد میں ہر حائضہ خاتون اور مجنب مرد کا داخل ہونا حرام ہے سوائے محمد ﷺ اور ان کے اہلبیت علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام کے۔

ب) الا لا یحل هذا المسجد لجنب و لا حائض الا لرسول الله و علی و فاطمة و الحسن و الحسین الا قد بیّنت لکم الاسماء ان لا تضلوا؛[2] کسی بھی مجنب یا حائضہ کے لیے اس مسجد میں داخلہ حلال نہیں سوائے رسول اللہ ﷺ علی فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کے، میں نے تمہارے سامنے نام بیان کر دیے ہیں تا کہ گمراہ نہ ہو۔

جواب: کلام عرب میں دو قسم کے استثناء موجود ہیں، ایک استثناء متصل اور دوسرا منفصل؛ متصل یعنی یہ کہ کسی چیز کو اس کے ما قبل سے جو اس کا جز ہے، استثناء کیا جائے؛ مثلاً کوئی کہے کہ سارے سادات آئے مگر علی کے، کہ وہ بھی سید تھا لیکن آیا نہیں۔ منفصل یعنی کوئی چیز اپنے ما قبل سے جو اس کا جزو نہیں ہے، استثناء ہو؛ مثلاً قرآن کہتا ہے: سب ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے[3] جبکہ خود قرآن کی تصریح کے مطابق وہ تو سرے سے ہی ملائکہ کا حصہ نہیں تھا بلکہ

---

[1] سنن بیہقی: ج ۷، ص ۶۵.

[2] ایضاً.

[3] بقرہ: ۳۴.

جن تھا۔[1]

یہاں بھی استثناء منفصل ہے یعنی جناب فاطمہؑ اس حال میں کہ انہیں حیض لاحق نہیں ہوتا تھا، حائضہ خواتین سے استثناء قرار دی گئی ہیں، اور اس مدعا پر ہمارے پاس وہی شیعہ سنی احادیث ہیں جو متفقہ طور پر جناب سیدہؑ کے طاہر و پاک ہونے کے بارے میں کلام کرتی ہیں۔

اسمائے فاطمہ و طاہرہ کے ذریعے سے جناب سیدہؑ کی طہارت پر استدلال

جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے، اسمائے فاطمہ خود ذات الٰہی کی جانب سے منتخب شدہ ہے، خدا کا نام رکھنا عام انسانوں کے نام رکھنے کی طرح نہیں کہ فقط کسی بچے کو کوئی نام دینے کی وجہ سے یا کوئی نام پسند ہونے کی وجہ سے رکھ دیا جائے بلکہ خدا کا کسی کا نام رکھنا ایک عظیم امر ہے، جو اس کے دوسرے افعال کی طرح علت، حکمت اور مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے اور یہ حکمت و مصلحت منتخب اسم اور مسمیٰ کے درمیان عمیق تناسب ہے۔ اسم فاطمہ کلمہ ((فطم)) سے ہے جس نے معنی مطلق طور پر جدا ہونے کے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ تمام نقائص، عیوب، برائیوں اور ضعف یہاں تک کہ گناہ سے بھی جدا ہیں، اور انہیں میں سے ایک موردان کا پاک رہنا اور انہیں حیض کا لاحق نہ ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ روایات

---

[1] کہف: ۵۰.

میں جناب زہراءؑ کی اسم گزاری کی متعدد علتیں بیان ہوئی ہیں، اور ان کے درمیان کوئی تعارض بھی نہیں پایا جاتا کیونکہ خدائے عزوجل نے ایک ایسی خاتون کے لیے اس نام کا انتخاب کیا تھا جو ان تمام خصوصیات کی حامل ہے۔ مذکورہ متعدد وجوہات یہ ہیں: وہ علم کی وجہ سے جہل سے جدا تھیں، شر وبدی سے جدا تھیں، حیض سے دور اور پاکیزہ قرار دی گئیں، ان کی ذریت، حقیقی شیعہ و محبین آتش جہنم سے دور اور جدا ہوئے، بشریت ان کے حقیقی مقام کی کنہ معرفت سے دور رہی، اور ان کے دشمن ان کی محبت سے دور رہے...

اور اسی طرح اسم طاہرہ کے ذریعے سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاہرہ بھی وہ نام ہے جو خدا نے بی بی کے لیے منتخب کیا تھا۔

شیخ صدوق خصال میں امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں: خدا کے نزدیک فاطمہؑ کے ۹ نام ہیں: فاطمہ، صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ... [1]

پانچواں اعتراض:

حیض کا لاحق ہونا خلقت زن کے لوازم میں سے ہے لہذا اس کا نہ ہونا نقص شمار ہوگا اور ماہانہ حیض لاحق ہونا اس بات کی علامت ہے کہ خاتون ماں بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، لہذا اس چیز کا فاطمہؑ میں نہ ہونا اول تو نقص شمار ہوگا نہ کہ فضیلت؛ دوم یہ بات ان کے صاحب اولاد ہونے

---

[1] خصال: ص ۴۱۴۔ ح ۳.

کے ساتھ قابل جمع نہیں۔

جواب: بعض اوقات کچھ خلقتی خصوصیات کا نہ پایا جانا نہ فقط یہ کہ نقص شمار نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک فضیلت شمار ہوتا ہے جن میں سے ایک حیض سے پاک ہونا ہے کیونکہ حیض بذات خود ایک پلیدگی اور ناپاکی شمار ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: عورت کے لیے تکلیف کا باعث بھی بنتا ہے۔[1] کیونکہ جب کسی عورت کو حیض لاحق ہوتا ہے، تو وہ خون سے آلودہ ہو جاتی ہے اور اس پر اس کا اثر ہوتا ہے اور وہ شرم کھاتی ہے، اور یہ بات پسند نہیں کرتی کہ کسی کو اس کے حیض لاحق ہونے کی خبر ہو، اور ایسے ہی اس میں ایک روحی پلیدگی بھی پیدا ہونے لگتی ہے کہ جب تک وہ اس سے پاک نہ ہو جائے واجب نماز روزہ انجام نہیں دے سکتی اور اس پر حرام ہے کہ مسجد میں جائے اور ایسے ہی دوسرے احکام۔ خدا نے چاہا کہ جناب فاطمہؑ ان مسائل سے پاک اور دور رہیں اور یہ ان کے لیے ایک عظیم فضیلت شمار ہو گی۔ رہی بات بنا حیض کے ولادت کی تو وہ بصورت معجزہ ہے، اور معجزہ ایک غیر عادی سبب اور ایک خاص سبب کے ذریعے سے کسی کام کو انجام دینے کے علاوہ کچھ اور نہیں۔]

حضرت زہراءؑ دنیا میں بھی طاہرہ و مطہرہ تشریف لائیں

خدا کی جانب سے جناب زہراءؑ کی تکریم فقط انہیں حیض لاحق ہونے سے پاک کرنے سے ہی

---

[1] بقرہ: ۲۲۲.

مختص نہیں بلکہ ان کی ولادت بھی خون و کثافت اور کسی نجس چیز سے دور رہتے ہوئے بصورت طاہر و مطہر عمل میں آئی، جیسا کہ بعض روایات میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے؛ من جملہ:

شیخ صدوق مفضل بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ الصَّادِقِ ع كَيْفَ كَانَ وِلَادَةُ فَاطِمَةَ فَقَالَ نَعَمْ إِنَّ خَدِيجَةَ لَمَّا تَزَوَّجَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ هَجَرَتْهَا نِسْوَةُ مَكَّةَ فَكُنَّ لَا يَدْخُلْنَ عَلَيْهَا وَ لَا يُسَلِّمْنَ عَلَيْهَا وَ لَا يَتْرُكْنَ امْرَأَةً تَدْخُلُ عَلَيْهَا فَاسْتَوْحَشَتْ خَدِيجَةُ لِذَلِكَ وَ كَانَ جَزَعُهَا وَ غَمُّهَا حَذَراً عَلَيْهِ فَلَمَّا حَمَلَتْ بِفَاطِمَةَ كَانَتْ فَاطِمَةُ ع تُحَدِّثُهَا مِنْ بَطْنِهَا وَ تُصَبِّرُهَا وَ كَانَتْ تَكْتُمُ ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ص فَدَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ص يَوْماً فَسَمِعَ خَدِيجَةُ تُحَدِّثُ فَاطِمَةَ فَقَالَ لَهَا يَا خَدِيجَةُ مَنْ تُحَدِّثِينَ قَالَتِ الْجَنِينَ الَّذِي فِي بَطْنِي يُحَدِّثُنِي وَ يُؤْنِسُنِي قَالَ يَا خَدِيجَةُ هَذَا جَبْرَئِيلُ يُخْبِرُنِي [يُبَشِّرُنِي] أَنَّهَا أُنْثَى وَ أَنَّهَا النَّسْلَةُ الطَّاهِرَةُ الْمَيْمُونَةُ وَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى سَيَجْعَلُ نَسْلِي مِنْهَا وَ سَيَجْعَلُ مِنْ نَسْلِهَا أَئِمَّةً وَ يَجْعَلُهُمْ خُلَفَاءَهُ فِي أَرْضِهِ بَعْدَ انْقِضَاءِ وَحْيِهِ فَلَمْ تَزَلْ خَدِيجَةُ عَلَى ذَلِكَ إِلَى أَنْ حَضَرَتْ وِلَادَتُهَا فَوَجَّهَتْ إِلَى نِسَاءِ قُرَيْشٍ وَ بَنِي هَاشِمٍ أَنْ تَعَالَيْنَ لِتَلِينَ مِنِّي مَا تَلِي النِّسَاءُ مِنَ النِّسَاءِ فَأَرْسَلْنَ إِلَيْهَا أَنْتِ عَصَيْتِنَا وَ لَمْ تَقْبَلِي قَوْلَنَا وَ تَزَوَّجْتِ مُحَمَّداً يَتِيمَ أَبِي طَالِبٍ فَقِيراً لَا مَالَ لَهُ فَلَسْنَا نَجِيءُ وَ لَا نَلِي مِنْ أَمْرِكِ شَيْئاً فَاغْتَمَّتْ خَدِيجَةُ ع لِذَلِكَ فَبَيْنَا هِيَ كَذَلِكَ إِذْ دَخَلَ عَلَيْهَا أَرْبَعُ نِسْوَةٍ سُمْرٍ طِوَالٍ كَأَنَّهُنَّ مِنْ نِسَاءِ بَنِي هَاشِمٍ فَفَزِعَتْ مِنْهُنَّ لَمَّا رَأَتْهُنَّ فَقَالَتْ إِحْدَاهُنَّ لَا تَحْزَنِي يَا خَدِيجَةُ فَأَرْسَلَنَا رَبُّكِ إِلَيْكِ وَ نَحْنُ أَخَوَاتُكِ أَنَا سَارَةُ وَ هَذِهِ آسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ وَ هِيَ رَفِيقَتُكِ فِي الْجَنَّةِ وَ

هَذِهِ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ هَذِهِ كُلْثُومُ أُخْتُ مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ بَعَثَنَا اللَّهُ إِلَيْكِ لِنَلِيَ مِنْكِ مَا تَلِي النِّسَاءُ فَجَلَسَتْ وَاحِدَةٌ عَنْ يَمِينِهَا وَ أُخْرَى عَنْ يَسَارِهَا وَ الثَّالِثَةُ بَيْنَ يَدَيْهَا وَ الرَّابِعَةُ مِنْ خَلْفِهَا فَوَضَعَتْ فَاطِمَةَ طَاهِرَةً مُطَهَّرَة... **میں نے امام صادقؑ سے** عرض کی فاطمہؑ کی ولادت کس طرح ہوئی؟فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے خدیجہؑ کے ساتھ شادی کی تو مکے کی خواتین نے ان سے دوری اختیار کر لی، وہ ان سے ملنے نہ جاتیں، انہیں سلام نہ کرتیں، اور کسی عورت کو بھی جناب خدیجہؑ کے دیدار کے لیے نہ جانے دیتیں۔ اس وجہ سے جناب خدیجہؑ کو احساس غربت و تنہائی ہونے لگا اور اس پریشانی کی وجہ سے وہ بے تاب اور غمگیں ہو جاتیں۔ جب وہ فاطمہؑ سے حاملہ ہوئیں، تو فاطمہؑ ان سے شکم میں رہتے ہوئے کلام کیا کرتیں اور انہیں صبر کی تلقین کرتیں، جناب خدیجہؑ اس بات کو رسول اللہ ﷺ سے بیان نہ کرتی تھیں، ایک دن رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ خدیجہؑ فاطمہؑ سے محو کلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے خدیجہؑ کس سے محو کلام ہو؟ وہ بولیں: یہ جو میرے رحم میں ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے اور مجھ سے مانوس ہے۔ فرمایا: اے خدیجہؑ جبرائیل نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہارے رحم میں بیٹی ہے اور بے شک وہ ایک طاہر اور بابرکت نسل ہے اور خدا عنقریب اس سے میری نسل چلائے گا، اور عنقریب اس کی نسل سے امام قرار دے ہے اور انہیں اس زمین پر وحی کے قطع ہونے کے بعد (یعنی بعد وفات رسول اللہ ﷺ) اپنا خلیفہ قرار دے گا۔ خدیجہؑ اسی حال میں تھیں کہ ولادت فاطمہؑ کا وقت آن پہنچا۔ خدیجہؑ نے بنی ہاشم و قریش کی خواتین کو بلوا بھیجا تاکہ وہ اس کام میں جس میں عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہوتیں ہیں، ان کی مدد کریں۔ انہوں نے خدیجہؑ کے لیے پیغام بھیجا: تو نے ہماری بات پر کان نہ

دھرے اور ہماری بات کو ان سنا کر دیا اور یتیم ابی طالب کے ساتھ شادی رچالی جو کہ فقیر تھا اور جس کے پاس کوئی مال نہ تھا، سو اب ہم بھی نہیں آئیں گی اور تیرے کسی کام میں مدد نہیں کریں گی۔ خدیجہؑ اس وجہ سے غمگیں ہو گئیں، عین اسی عالم میں دیکھا کہ چار بلند قد، گندمی رنگ کی حامل خواتین ان کے سامنے کھڑی ہیں، گویا یوں لگتی تھیں کہ بنی ہاشم سے ہیں۔ جب خدیجہؑ نے انہیں دیکھا تو خوف محسوس کیا، ان میں سے ایک خاتون بولیں: پریشان نہ ہو اے خدیجہؑ! ہمیں تیرے خدا نے تیری جانب بھیجا ہے، ہم تیری بہنیں ہیں، میں سارہ ہوں، یہ آسیہ بنت مزاحم ہے جو جنت میں تیری سہیلی ہو گی، یہ مریم بنت عمرانؑ ہے، اور یہ کلثوم خواہر موسیٰؑ ہے۔ خدا نے ہمیں تیری جانب بھیجا تاکہ خاتون کو اس مرحلے میں دوسری خواتین کی جس مدد کی ضرورت پڑتی ہے وہ ہم انجام دیں۔ پس ان میں سے ایک دائیں بیٹھ گئیں دوسری بائیں ایک ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور چوتھی پشت پر، اور فاطمہؑ طاہرہ و مطہرہ متولد ہوئیں۔[1]

[جناب زہراءؑ طاہرہ و مطہرہ دنیا سے رخصت ہوئیں

علامہ رحمانی ہمدانی اس بارے میں لکھتے ہیں: میرا دل چاہتا ہے کہ اس وقت ایک بڑی اور عین اسی حال میں دقیق و شریف بات کی جانب اشارہ کروں اور وہ یہ کہ اہلبیتؑ ہر آلودگی سے پاک و مبرا تھے چاہے وہ ظاہری ہو یا باطنی۔ ہر چند کہ ظاہر میں بعض مصالح اور احکام شریعت کے بیان کی خاطر ان کے ساتھ بھی عام انسانوں کی طرح سے معاملہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ

[1] امالی صدوق: ص ۵۷۴؛ مجلس ۸۷، ح ۱؛ دلائل الامامۃ: بہ سند خود، ص ۷۶، ح ۱۷۰.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون اور وفات کے بعد ان کے بدن کی طہارت پر دلائل پیش کرتے ہیں:

تمام لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ جسم سے روح کی مفارقت کے بعد جسم نجس ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ میت کو غسل دیا جاتا ہے تاکہ وہ آلودگیوں اور پلیدگی سے پاک ہو جائے اور جسم صاف ہو جائے (اور یہ بات روایات میں بیان ہوئی ہے؛[1] لیکن معصومینؑ کے اجساد اس امر سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم سے روح نکل جانے کے بعد بھی ان کے جسم کی طہارت اخبار و آثار میں ایک مسلم اور شک سے محفوظ امر ہے۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے بحار میں روایت نقل کی ہے: امام سے پوچھا گیا: کیا علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کے بعد غسل کیا؟ امام نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طاہر و مطہر تھے لیکن امیر المومنینؑ نے غسل دیا اور (یہ) سنت اسی طرح جاری ہوئی۔[2]

اور علامہ سید محمد مہدی بحر العلوم نے اپنے دیوان "درۃ النجفیہ" میں کیا ہی خوب کہا ہے:

و النص فی المعصوم بالغسل ورد تعبّدا بالغسل مع طهر الجسد

ترجمہ: بعد وفات معصوم جسم کو غسل دینے کی وجہ یہ ہے کہ تعبد ایسا حکم کرتا ہے ورنہ جسد معصوم پاک ہے۔

---

[1] وسائل الشیعہ: ج۲، ص۶۷۹.

[2] بحار الانوار: ج۲۲، ص۵۴۰.

جناب فاطمہؑ کی وفات کے بعد ان کے جسم کی طہارت کے بارے میں شیعہ و سنی حضرات کے یہاں روایات وارد ہوئی ہیں من جملہ:

احمد بن حنبل اپنی مسند میں ام سلمی (زوجہ ابو رافع) سے اس مضمون کی روایت نقل کرتے ہیں: فاطمہؑ اپنے مرض الموت میں مبتلا ہوئیں۔ ان کی تیمارداری و دیکھ بھال کی ذمہ داری میں انجام دے رہی تھی... ایک دن فاطمہؑ نے مجھے حکم دیا: میرے غسل کے لیے آب فراہم کرو؛ میں ان کے غسل کے لیے پانی ڈالتی اور وہ غسل فرماتیں اور میں نے اس سے بہتر غسل نہیں دیکھا... اس کے بعد بی بی اپنے پہلو کے بل قبلہ رو ہو کر بستر پر لیٹ گئیں اور اپنے ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیے اور فرمایا: ام سلمیٰ اب میں اس دنیا سے جانے والی ہوں، میں طاہرہ ہوں پس کوئی میرے جسم کو برہنہ نہ کرے اور اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔[1]

اس روایت کو عامہ و خاصہ کے ایک گروہ نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ ہم ان میں سے بعض کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

ابن حجر نے الاصابہ میں، ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء ج ۲، ص ۴۳ پر، علامہ اربلی نے کشف الغمہ: ج ۱، ص ۵۰۲ پر، ابن شہر آشوب نے مناقب ج ۳، ص ۳۶۳ پر اور محدث نوری نے مستدرک الوسائل ج ۱، ص ۱۰۴ باب فی نوادر الغسل میں نقل کیا ہے۔

---

[1] مسند احمد: ج ۶، ص ۴۶۱.

محقق اربلی اس حوالے سے لکھتے ہیں: شیعہ سنی بزرگان اس عجیب نقل پر جو حکم کلی کے خلاف ہے اتفاق نظر رکھتے ہیں، اور دو طرف کے فقہاء قبل از غسل دفن جائز نہیں سمجھتے... اور شاید یہ امر فاطمہ زہراءؑ کے اختصاصات میں سے ہو۔[1]

1 نقل بالمعنیٰ از کتاب فاطمۃالزہرا ابہجۃ قلب المصطفیٰ: ص ۱۹۲ تا ۱۹۸.

(حقیر عرض کرتا ہے: روایات میں وارد ہوا ہے کہ جناب سیدہ نے جناب امیرؑ کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ خود انہیں غسل دیں اور یہ روایت مشہور ہے. ہو سکتا ہے کہ ان دونوں روایات میں دیکھنے والے کو تعارض محسوس ہو، لیکن یہ دونوں قابل جمع ہیں اس صورت سے کہ مذکورہ بالا روایت میں ((کوئی میرے جسم کو برہنہ نہ کرے)) سے مراد غیر از امیر المومنینؑ ہوں یعنی بی بی کہنا چاہتی تھیں کہ میں طاہرہ ہوں اور طاہرہ کو طاہر کے سوا اور کوئی ہاتھ نہ لگائے. دوم یہ کہ بی بی کے کلام کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں غسل نہ دیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ وہ طاہرہ ہیں لہذا ان کے جسم پر موجود لباس بھی روح نکلنے کی وجہ سے نجس نہیں ہوا لہذا ان کی عفت و شرم کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انہیں اسی لباس میں غسل دیا جائے؛ البتہ جیسا کہ ظاہر ہے کہ ان کے بدن سے لباس کا جدا نہ کرنا خود ان کے جسد کے طاہر ہونے کی علامت ہے فھو مطلوب؛ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اجساد معصومین کو غسل دینا مصلحت اور احکام شریعت کے ظاہر کو محفوظ رکھنے کی غرض سے ہے نہ کہ نجاست کی برطرفی کی وجہ سے. مترجم)

فصل سوم
مصحف فاطمہؑ

اعتراض-۱ : جب ہم ''مصحف فاطمہؑ'' کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی ایجاد میں ان کا کوئی کردار تھا، نتیجتاً مصحف ایک ایسی کتاب ہونی چاہیے جس میں جناب فاطمہؑ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے احکام شرعی، وصیتیں اور نصیحتیں لکھا کرتی تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہؑ اسلام میں سب سے پہلی نویسندہ خاتون تھیں؛ اور یہ وہ چیز ہے جس کی اکثریت کو خبر نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ وہ روایت جو کہتی ہے کہ مصحف فاطمہؑ ایک ایسی کتاب ہے جو علیؑ کے خط اور رسول اللہ ﷺ کی املا میں ہے، معقول نہیں؛ کیونکہ اس صورت میں اس میں جناب فاطمہؑ کا کیا کردار رہا جو یہ مصحف ان کے نام سے مشہور ہوا؟

اعتراض ۲: روایات مصحف ایک دوسرے سے متعارض ہیں ان میں سے ایک کہتی ہے کہ یہ علیؑ کے خط اور رسول اللہ ﷺ کی املا تھی؛ دوسری کہتی ہے ان کے والد کی وفات کے بعد ایک فرشتہ ان سے مانوس ہوا اور وہ جو کہتا تھا اس سے مصحف فاطمہ ع تشکیل پایا۔ تیسری کہتی ہے کہ مصحف میں جناب زہراءؑ کی وصیتیں تھیں، چوتھی کہتی ہے کہ اس میں شرعی احکام تھے۔ ایک روایت کہتی ہے کہ بی بی خود فرشتے کے کلام کو قلمبند فرماتیں، ایک اور روایت کہتی ہے کہ ان کے بیٹے حسنؑ جبکہ کہ وہ بچے تھے رسول اللہ ﷺ کا کلام سن کر آتے اور اپنی والدہ کو منتقل کرتے اور وہ اسے لکھتیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس مصحف کے بعض

ورق کھو گئے تو جناب سیدہؑ نے فضہ سے کہا کہ انہیں ڈھونڈو کیونکہ میرے نزدیک ان کی اہمیت حسنؑ و حسینؑ کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ جب یہ مصحف کسی کے پاس موجود نہیں تو اس بارے میں بحث کرنا کہ اس کا متن کیا تھا، کیا یہ اخبار غیب کے بارے میں ملائکہ کا کلام تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث، کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: ابتداء میں بطور خلاصہ عرض ہے کہ ان اعتراضات میں سے بعض جیسے جناب فاطمہؑ کا لکھنا یا اس مصحف کو جمع آواری میں امام حسنؑ کا واسطہ ہونا دروغ محض ہے۔ اور باقی دوسرے اعتراضات میں بھی خلط ہوا ہے کیونکہ مصحف کو کچھ دوسرے گمشدہ صفحات کے ساتھ خلط کر دیا گیا ہے، اور ان میں سے کچھ اعتراضات روایات کو صحیح طور پر نہ سمجھ پانے کی وجہ سے ہیں۔ ہم چند حصوں میں مصحف فاطمہؑ کے مختلف جوانب کی تحقیق کر کے ان اعتراضات کا جواب دیں گے۔

پہلا حصہ: مصحف فاطمہؑ کا لکھنے والا کون؟

روایات میں جستجو کے بعد ہمیں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملی جو یہ بیان کرے کہ مصحف فاطمہؑ کی لکھنے والی خود بی بی ہی تھیں پس مجھے نہیں معلوم کہ ایسا دعویٰ کس بنا پر کیا جا سکتا ہے؟ بلکہ جو روایات مصحف کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں اس کے لکھنے والے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے ان سب میں بیان ہوا ہے کہ اس مصحف کے لکھنے والے امیر المومنینؑ تھے؛ من جملہ:

پہلی روایت: کلینی علی بن زئاب سے اور وہ ابو عبیدہ سے اور وہ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ فَاطِمَةَ مَكَثَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ص خَمْسَةً وَ سَبْعِينَ يَوْماً وَ كَانَ دَخَلَهَا حُزْنٌ شَدِيدٌ عَلَى أَبِيهَا وَ كَانَ جَبْرَئِيلُ ع يَأْتِيهَا فَيُحْسِنُ عَزَاءَهَا عَلَى أَبِيهَا وَ يُطَيِّبُ نَفْسَهَا وَ يُخْبِرُهَا عَنْ أَبِيهَا وَ مَكَانِهِ وَ يُخْبِرُهَا بِمَا يَكُونُ بَعْدَهَا فِي ذُرِّيَّتِهَا وَ كَانَ عَلِيٌّ ع يَكْتُبُ ذَلِكَ فَهَذَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ ع. بے شک فاطمہؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ۷۵ روز زندہ رہیں، ان پر ان کے والد کے بعد شدید حزن طاری تھا، جبرائیل متواتر آتے اور انہیں ان کے والد کی عزا میں تسلیت پیش کرتے اور انہیں سکون فراہم

کرتے ،انہیں ان کے والد اور ان کے مقام کی خبر دیتے، انہیں ان کے بعد ان کی ذریت کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی خبر دیتے اور علیؑ ان سب کو لکھتے، یہ ہے مصحف فاطمہ۔[1]

حسن صفار قمی نے اس روایت کو ایک اور راوی سے نقل کیا ہے؛[2] اور ان دونوں روایات کی اسناد صحیح ہیں۔

اعتراض: اس روایت کا راوی ابو عبیدہ ہے جو کہ مدائنی ہے اور مجہول ہے اس بنا پر روایت کی سند ضعیف ہے۔

جواب: مدائنی کی کنیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ ابو عبیدہ تھی یا ابو عبید اور یہ اس وجہ سے ہے کہ فقط دو روایات ایسی ہیں جن میں مدائنی کی کنیت بھی اس کے نام کے ساتھ ذکر ہوئی ہے: ایک میں ابو عبیدہ المدائنی اور دوسری میں ابو عبید المدائنی۔

آیت اللہ خوئی اس بارے میں کہتے ہیں: مدائنی فقط دو روایات کی اسناد میں آیا ہے۔[3] لیکن ایک اور شخص بنام حذاء موجود ہے جو ثقہ ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف بھی نہیں کہ اس کی کنیت ابو عبیدہ تھی۔ اگر ہم یہ قبول بھی کر لیں کہ مدائنی کی کنیت ابو عبیدہ ہی تھی تب بھی چونکہ یہاں کنیت ابو عبیدہ نام ذکر کیے بنا مطلق صورت میں ذکر کی گئی ہے لہذا اسے اسی مشہور

---

[1] الکافی: ج۱، ص۲۴۱.

[2] بصائر الدرجات: ص۱۷۳؛ ح۶.

[3] معجم رجال الحدیث: ج۲۱، ص۲۳۲و۲۳۶.

ابو عبیدہ پر منطبق کیا جائے گا جس کا نام حذاء ہے اور جو بالاتفاق ثقہ ہے، نیز علی بن زئاب بھی اس سے بہت زیادہ نقل کرتا ہے اور اس کا نام دوسری دسیوں روایات میں آیا ہے، نہ کہ اسے اس پر منطبق کیا جائے جس کے نام سے فقط ایک روایت امام صادقؑ سے نقل ہوئی ہے۔ اس سے قبل بھی ہم اسم فاطمہ کو فاطمہ بنت ابو حبیش کے نام پر عدم حمل کے حوالے سے آیت اللہ خوئی کا کلام نقل کر چکے ہیں کہ: جب نام بطور مطلق لایا جائے تو اسے اسی مشہور فرد پر حمل کیا جائے گا اور اس کا غیر مشہور فرد پر حمل صحیح نہیں ہوگا مگر یہ کہ کوئی قرینہ موجود ہے؛ اور اس مقام پر کوئی قرینہ بھی موجود نہیں، اس بنا پر جہاں بھی کنیت ابو عبیدہ بنا کسی قرینے کے ذکر کی جائے گی وہاں اسے حذاء پر حمل کیا جائے گا نہ کہ مدائنی پر۔ ہمارے علماء جیسے علامہ مجلسی، امام خمینی اور میرزا جواد آقا تبریزی نے بھی اس روایت کی صحت اور حجیت کا حکم لگایا ہے [1] اور ہم شارحین اصول کافی میں سے کسی ایسے کو نہیں جانتے جس نے ابو عبیدہ کو مدائنی پر حمل کر کے اس روایت کو ضعیف شمار کیا ہو۔

جب ابو عبیدہ کنیت بصورت مطلق ذکر ہو اور اس کے ساتھ نام ذکر نہ کیا جائے، تو اس سے مقصود کون ہوگا اس بارے میں آیت اللہ خوئی لکھتے ہیں: یہ ابو عبیدہ وہی حذاء ہے سوائے ایک مورد کے کہ جہاں ابن سیرین نے ابو عبیدہ سے روایت کی ہے کہ وہاں احتمال ہے کہ ابو عبیدہ

---

[1] مرآة العقول: ج۳، ص۵۹؛ صحیفہ نور: ج۱۹، ص۲۷۸.

جراح ہو۔[1]

اب اگر ہم کہیں کہ جہاں بھی لفظ ابو عبیدہ بصورت مطلق آیا ہے اسے مدائنی ضعیف پر حمل کیا جائے گا تو ہمارے ہاتھوں سے بہت سی فقہی روایات جو فقہ کے مختلف ابواب میں موجود ہیں، چلی جائیں گی ، ہم یہاں فقط ایک شرعی مسئلے کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ جس میں ابو عبیدہ کو حذاء ثقہ پر حمل کرنے میں علماء کا اتفاق دکھائی دیتا ہے نہ کہ مدائنی مجہول پر حمل کرنا سمجھ میں آتا ہو۔ اس قصد کی خاطر ہم ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں اس روایت مذکورہ کی طرح راوی علی بن رئاب ہے جو ابو عبیدہ سے روایت نقل کرتا ہے۔

کلینی علی بن رئاب سے اور وہ ابو عبیدہ سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا: سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ ع عَنِ الطَّامِثِ تَسْمَعُ السَّجْدَةَ قَالَ إِنْ كَانَتْ مِنَ الْعَزَائِمِ فَلْتَسْجُدْ إِذَا سَمِعَتْهَا. میں نے امام باقرؑ سے ایسی حائضہ کے بارے میں سوال کیا جو واجب سجدے کی آیت سنے؛ فرمایا: اگر آیت واجب سجدے کی ہے تو جس وقت وہ اسے سنے لازم ہے کہ سجدہ کرے۔[2]

ہمیں علماء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملا جس نے بصورت احتمال ضعیف بھی یہ کہا ہو کہ یہاں ابو عبیدہ سے مراد مدائنی مجہول ہے بلکہ ان کے اقوال متقن انداز میں بیان کرتے ہیں کہ

---

[1] معجم رجال الحدیث: ج۲۱، ص۲۳۵.

[2] الکافی: ج۳، ص۱۰۶، ح۳.

یہ ابو عبیدہ حذاء ہے جو ثقہ ہے۔ ہم ان علماء میں سے بعض کے ناموں کی جانب اشارہ کرتے ہیں جنہوں نے اس مطلب کی تصریح فرمائی ہے:

۱۔ علامہ حلیؒ (م ۷۲۶ھ) مختلف الشیعہ: ج ۱، ص ۳۴.

۲۔ احمد بن فہد حلیؒ (م ۸۴۱ھ) المہذب البارع: ج ۱، ص ۱۶۶.

۳۔ شہید ثانی (ش ۹۹۶ھ) روض الجنان: ص ۷۶.

۴۔ سید محمد عاملی (م ۱۰۰۹ھ) مدارک الاحکام: ج ۱، ص ۳۴۸.

۵۔ صاحب معالم (م ۱۰۱۱ھ) منتقی الجمان: ج ۱، ص ۲۱۱.

۶۔ شیخ بہائیؒ (۱۰۳۰ھ) مشرق الشمسین: ص ۲۶۰.

۷۔ محقق سبزواریؒ (۱۰۹۰ھ) ذخیرۃ المعاد: ص ۷۱.

۸۔ شیخ یوسف بحرائیؒ (م ۱۱۸۶ھ) الحدائق الناضرہ: ج ۳، ص ۲۵۷.

۹۔ سید جواد عاملیؒ (م ۱۲۲۶ھ) مفتاح الکرامہ: ج ۱، ص ۳۷۲.

۱۰۔ سید علی طباطبائیؒ (م ۱۲۳۱ھ) ریاض المسائل: ج ۱، ص ۳۸۳.

۱۱۔ ملا احمد نراقیؒ (م ۱۲۴۵ھ) مستند الشیعۃ: ج ۲، ص ۴۶۵.

۱۲۔ محمد حسن نجفیؒ (م ۱۲۶۶) جواہر الکلام: ج ۳، ص ۲۲۴.

۱۳۔ شیخ مرتضیٰ انصاریؒ (م ۱۲۸۱ھ) الطہارہ، کتاب الغسل، ص ۴۳۳.

۱۴۔ سید محمد فشارکیؒ (م ۱۳۱۶ھ) الرسائل الفشارکیہ: ص ۳۲۸.

۱۵۔سید محسن الحکیمؒ (م ۱۳۹۰ھ) مستمسک العروۃ الوثقیٰ: ج۳، ص ۲۱۵.

۱۶۔سید ابوالقاسم خوئیؒ (م ۱۴۱۳ھ) التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج۶، ص ۴۳۳.

۱۷۔سید ابوالاعلی سبزواری (م ۱۴۱۴ھ) مہذب الاحکام: ج۳، ص ۲۳۰.

دوسری روایت: کلینی عمر بن عبدالعزیز سے اور وہ حماد بن عثمان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے امام صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: تَظْهَرُ الزَّنَادِقَةُ فِي سَنَةِ ثَمَانٍ وَ عِشْرِينَ وَ مِائَةٍ وَ ذَلِكَ أَنِّي نَظَرْتُ فِي مُصْحَفِ فَاطِمَةَ ع قَالَ قُلْتُ وَ مَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا قَبَضَ نَبِيَّهُ ص دَخَلَ عَلَى فَاطِمَةَ ع مِنْ وَفَاتِهِ مِنَ الْحُزْنِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ فَأَرْسَلَ اللَّهُ إِلَيْهَا مَلَكاً يُسَلِّي غَمَّهَا وَ يُحَدِّثُهَا فَشَكَتْ ذَلِكَ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ع فَقَالَ إِذَا أَحْسَسْتِ بِذَلِكِ وَ سَمِعْتِ الصَّوْتَ قُولِي لِي فَأَعْلَمَتْهُ بِذَلِكَ فَجَعَلَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ع يَكْتُبُ كُلَّ مَا سَمِعَ حَتَّى أَثْبَتَ مِنْ ذَلِكَ مُصْحَفاً قَالَ ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ وَ لَكِنْ فِيهِ عِلْمُ مَا يَكُونُ. زنادقہ ۱۲۸ ہجری میں ظاہر ہونگے، میں نے یہ مصحف فاطمہؑ میں دیکھا ہے۔ میں نے کہا: مصحف فاطمہؑ کیا ہے؟ فرمایا: جب خدا نے رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی جناب فاطمہؑ پر حزن والم کی کیفیت طاری ہوگئی جس (کی شدت کو) خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، پس خدا نے ان کی جانب ایک فرشتہ بھیجا تاکہ وہ انہیں تسلیت پیش کرے اور ان سے باتیں کرے، جناب فاطمہؑ نے امیر المومنینؑ سے شکایت کی اور انہوں نے فاطمہؑ سے کہا: اب جب بھی فرشتے کے آنے کا احساس ہو اور تم اس کی آواز سنو تو مجھے بتانا، فاطمہؑ نے یہ علیؑ کو بتایا اور علیؑ جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے یہاں تک کہ اس نوشتے سے ایک مصحف بنالیا، اس کے بعد فرمایا:

آگاہ ہو جاؤ کہ اس کے اندر حلال و حرام سے متعلق مسائل نہیں بلکہ اس میں تو آئندہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کا علم ہے۔[1]

چند اعتراضات:

ا۔ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک عمر بن عبد العزیز یعنی وہی ابو حفص ہے جو زحل کے نام سے مشہور ہے، اور وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ فضل بن شاذان نے اس کے بارے میں کہا ہے: زحل منکر روایات نقل کرتا ہے لیکن غلو کرنے والے نہیں اور نجاشی سے نقل ہوا ہے کہ وہ مخلط ہے؛ نیز خلاصۃ الاقوال میں علامہ حلی نے کہا ہے کہ وہ مصری عربی اور مخلط ہے۔

جواب: عمر بن عبد العزیز کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ مجلسیؒ اور مامقانیؒ نے اسے ضعیف جانا ہے جبکہ سید خوئیؒ اس کے اسانید علی بن ابراہیم میں ہونے کی وجہ سے اسے ثقہ جانتے ہیں۔[2]

فضل بن شاذان کا کلام عبداللہ بن حمدویہ کے طریق سے نقل ہوا ہے، اور چونکہ خود اس کی توثیق موجود نہیں لہذا اس کی بات قابل اعتناء نہیں۔ ہاں فقط تفسیر امام حسن عسکریؑ میں اس کے نام کے بعد ((رحمہ اللہ)) آیا ہے کہ سید خوئی اور امام خمینی اسے موجب توثیق نہیں سمجھتے، اب اگر ہم علامہ مامقانی کی طرح قبول کریں کہ کسی شخص کے نام کے ساتھ رحمہ اللہ آنا اس

---

[1] الکافی: ج۱، ص۲۴۰، ح۲.

[2] معجم رجال الحدیث: ج۱۳، ص۴۱.

کے حسن ہونے پر دلالت کرتا ہے تو فضل بن شاذان سے فقط یہی ثابت ہو گا کہ عمر بن عبدالعزیز منکرات روایت کرتا ہے لیکن کیا روایت مناکیر موجب ضعف ہے؟ وحید بہبہائیؒ نے ذکر کیا ہے کہ متاخرین کے مطابق یہ طعن راوی کا موجب نہیں؛[1] آیت اللہ خوئی تصریح کرتے ہیں کہ کسی راوی کا مناکیر روایت کرنا موجب تضعیف نہیں۔[2] اور نجاشی کا یہ کہنا کہ وہ مخلط ہے، تو یہ بھی کوئی مشکل ایجاد نہیں کرتا کیونکہ مخلط ہونا راوی کے اسباب ضعف میں سے نہیں ہے جیسا کہ علامہ مامقانی نے مقباس میں یہ بات بیان کی ہے۔[3] ایسے ہی سید خوئی نے بھی بارہا اس مطلب کی تصریح فرمائی ہے۔ بعنوان مثال نجاشی نے جابر بن یزید جعفی کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ مخلط ہے لیکن سید خوئی نے اسے موجبات ضعف میں سے نہیں جانا اور جابر کو ثقہ متعارف کروایا ہے۔[4] نتیجہ یہ ہے سید خوئی کی نظر کے مطابق اس روایت کی سند صحیح ہے۔

اور جو کلام علامہ حلیؒ سے نقل ہوا ہے اس کے بارے میں کہیں گے: اولاً علامہ کی تضعیف کوئی نئی تضعیف شمار نہیں ہوتی کیونکہ انہوں نے خلاصۃ الاقوال میں شیخ نجاشی و کشی کے کلمات

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج ۲، ص ۳۰۱.

[2] معجم رجال الحدیث: ج ۲ ص ۳۵۸.

[3] مقباس الہدایۃ: ج ۲، ص ۳۰۲۔۳۰۵.

[4] معجم رجال الحدیث: ج ۴، ص ۲۵.

کی تکرار کی ہے۔ثانیاً خلاصۃ الرجال میں لفظ عربی مصری مخلط نہیں [1] بلکہ یہ کتاب نجاشی میں نقل ہوا ہے اور وہاں بھی یہ مصری نہیں بلکہ بصری ہے۔ [2]

۲۔اس روایت کے متن میں یوں وارد ہوا ہے کہ فرشتہ اس لیے آتا تھا تاکہ جناب زہراءؑ کو تسلی دے لیکن انہوں نے امیر المومنینؑ سے شکایت کی کہ انہیں اس فرشتے کے آنے سے تکلیف ہوتی ہے !اس کے کیا معنی ہوئے ؟

جواب: الف) علامہ مجلسی اس اعتراض کا یوں جواب دیتے ہیں کہ شکایت سے مراد مطلق خبر دینا ہے؛ [3] (یعنی جناب سیدہؑ نے اس فرشتے کے پے درپے آنے کی خبر جناب امیرؑ کو دی)

ب) میں کہتا ہوں: متن میں آیا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے امیر المومنینؑ سے شکایت کی لیکن کیا شکایت کی؟ کیا[سرے سے اسے فرشتے کے آنے کی شکایت کی ؟اس فرشتے کو تو خدا نے خود بھیجا تھا اور وہ تو بنا اجازت ان کے پاس نہیں آتا تھا پس اولاً تو خدا کے ارادے اور مشیت پر کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ ثانیاً اگر شکایت ہے بھی تو یہ خود خدا سے کرنی چاہیے تھی نہ کہ امیر المومنینؑ سے ،اور پھر کیا کوئی فرشتے کے آنے سے ناراض ہو گا اور وہ بھی جناب سیدہؑ جیسی شخصیت جو دراصل حوریہ تھیں ؟!

---

[1] خلاصۃ الرجال: ص ۲۴۰؛ قسم ضعفاء، فصل ۱۶، باب ۶، رقم ۶.

[2] رجال نجاشی: ص ۲۴۸، رقم ۶۵۴؛ معجم رجال الحدیث: ج ۱۳، ص ۴۱.

[3] مرآۃ العقول: ج ۳، ص ۵۷.

کیا بی بی فرشتے کے آئندہ در پیش واقعات کی خبر دینے سے رنجیدہ تھیں؟ یہ فرشتہ خود سے تو نہیں آیا تھا بلکہ یہ تو خدا کے حکم سے آیا تھا اور مامور تھا کہ یہ واقعات بی بی کو تسلی کے عنوان سے سنائے، پس اگر آپؑ اس سے ناراض ہوتی تھیں، تو (نعوذ باللہ) یہ خدا کے جہل و غلطی کے مترادف ہے کہ اس نے ان چیزوں کے ذریعے سے بی بی کو تسلی دینا چاہی جن سے آپ ناراض و مغموم ہو گئیں؛ اور یہ چیز محال ہے اور کیا جناب سیدہؑ جیسی شخصیت ایک ایسے فرشتے کے کلام سے جو خدا کی جانب سے مأمور ہو، ناراض ہوں گی؟

کیا بی بی اس وجہ سے شکایت کرتی تھیں کہ تنہا تھیں اور فرشتے کے اچانک آ جانے سے ڈرتی تھیں؟ اس کے جواب میں علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں: یہ چیز جلالت قدر جناب فاطمہؑ سے دور ہے کہ وہ تنہائی اور فرشتے کی آواز سننے سے ڈر جائیں۔[1]

کیا ان مطالب کو بھول جانے کی وجہ سے شکایت کی؟ بی بی تو خطا و غلطی اور نسیان سے پاک و معصوم تھیں۔ ان احتمالات میں سے کوئی ایک بھی بی بی کے لیے قابل تصور نہیں اور ان سب کے بعد فقط ایک احتمال باقی بچتا ہے اور وہ یہ کہ ہم شکایت کو انہیں خبر دینے کے معنی میں لیں یا یہ مطلب لیں کہ بی بی کی شکایت یہ تھی کہ یہ علوم ختم ہو جائیں گے اس وجہ سے انہوں نے امیر المومنینؑ سے شکایت کی اور انہوں نے بھی فرمایا کہ مجھے خبر دینا اور اس کے بعد وہ لکھتے تھے

[1] مرآۃ العقول: ج۳، ص۵۷.

اور امیر المومنینؑ کا یہی عمل شکایت کے معنی روشن ہونے کے لیے واضح قرینہ ہے۔ کیونکہ اگر شکایت خود فرشتے کے آنے پر تھی تو پھر یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ جب بھی فرشتہ آئے مجھے بتانا تاکہ میں اس کا کلام لکھوں بلکہ یہ تو شکایت کے مضمون سے کاملاً بے اعتنائی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جناب امیرؑ نے جناب فاطمہؑ کی شکایت کے رد عمل میں اس فرشتے کے کلام کو لکھنا شروع کیا، اور یہ خود جناب فاطمہؑ کی شکایت کی وجہ اور معنی کو روشن کرتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں: یہ بات کہ جناب زہراءؑ نے کس بارے میں شکایت کی، مجمل ہے اور کلمہ ((ذلک)) کا مشار الیہ واضح نہیں اور اسے سمجھنے کے لیے ہمیں قرینے کی ضرورت ہے، یہاں پر قرینہ موجود ہے اور وہ کلام کی ساخت ہے کیونکہ حدیث کہتی ہے: جب جناب فاطمہؑ نے شکایت کی امیر المومنینؑ نے ان سے فرمایا جب تمہیں فرشتے کا آنا محسوس ہو اور تم اس کی آواز سنو تو مجھے بتانا اور اس کے بعد وہ جو بھی سنتے لکھ لیتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ کی شکایت اور جناب امیرؑ کے عمل میں کیا تناسب پایا جاتا ہے؟ یہی کہ جناب فاطمہؑ کی شکایت گزشتہ مردود احتمالات کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ ان علوم کے ختم ہو جانے اور اہلبیتؑ کا ان کی عدم کتابت کی صورت میں ان کے مضمون سے استفادہ نہ کر پانا اصل وجہ تھی، یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے بی بی کی شکایت پر انہیں لکھنے کا اقدام کیا۔]

اب اگر ہم قبول کریں کہ حدیث کا یہ حصہ مجمل ہے اور کسی بھی صورت قابل فہم نہیں، تو بھی اشکال وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی حدیث کے ایک حصے کا اجمال اس پوری حدیث کے

اسقاط کا موجب نہیں بنتا بلکہ فقط اسی جملے کو حجیت سے ساقط کرتا ہے لیکن بقیہ حدیث اپنی حجیت پر برقرار رہتی ہے۔ نتیجتاً یہ کہ مصحف فاطمہؑ کے لکھنے والے امام علیؑ تھے، اور یہ کہ فرشتہ اس مدت میں لگاتار بی بی پر نازل ہوتا رہا، اور یہ کہ جناب فاطمہؑ کی مصحف میں ان کی ذریت سے متعلق آئندہ کے تمام حالات موجود ہیں اور اس میں حلال و حرام کے بارے میں کوئی کلام نہیں، یہ سارے وہ مطالب ہیں جو اس حدیث پر توجہ رکھتے ہوئے ثابت ہیں اور یہ حدیث سید خوئی کے مبنٰی کے مطابق صحیح ہے۔ اور اس حدیث سے تمسک اختیار کرنا جس کا کوئی ایک حصہ مجمل ہو احادیث فقہی میں ایک جاری امر ہے۔[1]

۳۔ حدیث کا بیان اس طرح سے ہے گویا امام علیؑ کو فرشتے کے آنے کی خبر نہیں ہوتی تھی اور وہ اس کی آواز نہیں سنتے تھے جو انہوں نے بی بی سے کہا: جب فرشتے کے آنے کا احساس ہو اور ان کی آواز سنائی دے تو مجھے خبر دینا!

[جواب: آغاز میں ہم کہتے ہیں: علم اہلبیتؑ اور اس کی وسعت، ان کے اس سے مطلع ہونے کی راہ، اور یہ کہ کیا یہ نماز میں آواز سنتے ہیں یا نہیں، یا یہ کہ ان کی نیند مطلقاً بیداری کی مانند ہے یا نہیں، یا یہ کہ علم باطنی پر عمل پیرا ہونے پر مامور ہیں یا نہیں، یا یہ کہ ان کا علم بصورت ارادی ہے یا مطلقاً حضوری اور یہ کہ یہ ہر چیز کا علم رکھتے ہیں لیکن کہ جب تک یہ خدا کی جانب سے اذن

[1] بعنوان مثال دیکھیے: الطہارۃ امام خمینی: ج۱، ص ۲۸۵؛ التنقیح فی شرح العروۃ الوثقیٰ: ج۷، ص ۱۴۱.

نہ پالیں اس علم کا اظہار یا اس کے مطابق عمل کرتے ہیں یا نہیں، تو ان تمام موارد میں ایک وسیع بحث موجود ہے اور جب تک ان مباحث کا علم نہ ہو اس اعتراض کا عمیق جواب نہیں دیا جا سکتا؛ لیکن فی الجملہ کہتے ہیں: اولاً یہ کہ امام علیؑ فرشتے کی آواز نہیں سنتے تھے، تو اس بارے میں روایت میں کوئی بات نہیں ہوئی بلکہ فقط اتنا ہی آیا ہے کہ حضرت علیؑ نے بی بی سے کہا: جب تجھے فرشتے کی آواز سنائی دے تو مجھے بتانا پس وہ جو سنتے تھے لکھتے تھے۔ اور اس عبارت کا ظہور یہ ہے کہ جناب امیرؑ خود فرشتے سے یہ باتیں سنتے اور پھر لکھتے تھے ورنہ یوں کہنا چاہیے تھا: پس جو کچھ بھی فاطمہؑ سنتی تھیں بولتی تھیں اور امیر المومنینؑ اسے لکھتے تھے۔ ثانیاً یہ جو امام علیؑ نے کہا: جب تمہیں فرشتے کا آنا محسوس ہو تو مجھے بتانا، یہ اس بات پر کوئی دلالت نہیں رکھتا کہ جناب امیرؑ فرشتے کے آنے سے بے خبر تھے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ خدا نے فرشتے کو جناب سیدہؑ کو تسلی دینے کے لیے بھیجا تھا لہذا امام علیؑ نے اس امر میں دخالت نہ کی یہاں تک کہ خود بی بی نے یہ بات بیان کی اور اس وجہ سے وہ اس کے بعد ان کلمات کو لکھتے تھے۔

تیسری روایت: صفار قمی امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: وَ عِنْدَنَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ أَمَا وَ اللَّهِ مَا فِيهِ حَرْفٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَ لَكِنَّهُ إِمْلَاءُ رَسُولِ اللَّهِ ص وَ خَطُّ عَلِيٍّ ع. ہمارے پاس مصحف فاطمہؑ ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کی قسم اس میں قرآن کا کوئی لفظ نہیں بلکہ وہ املائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خط علیؑ (میں) ہے۔[1]

---

[1] بصائر الدرجات: ص ۱۸۱، ح ۳۳.

اس روایت میں علی بن حمزہ بطائنی کے سوا باقی تمام روات ثقہ ہیں؛ بطائنی کے بارے میں اختلاف ہے۔ سید خوئی اسے ضعیف جانتے ہیں لیکن امام خمینی اسے ثقہ مانتے ہیں۔[1] علامہ مامقانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر کوئی صحیح حدیث اس کی خبر کے ساتھ معارضہ نہ کرے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ پس بطور جزم اس روایت کے ضعیف ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

آخر میں ہم کہتے ہیں: بصائر الدرجات میں اس کے علاوہ دیگر روایات بھی موجود ہیں جو مصحف فاطمیہ کے لکھنے والے کے طور پر مولا علیؑ کا تعارف کرواتی ہے؛ من جملہ: ص ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۷، حدیث نمبر ۵، ۱۴، ۱۸، ۱۹۔

اعتراض ا: یہ روایت کہتی ہے کہ مصحف فاطمہؑ رسول اللہ ﷺ کا لکھوایا ہوا اور علیؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، پس اس سب کے درمیان فاطمہؑ کا کیا کردار ہے جو اس کا نام ان کے نام پر رکھا گیا ہے؟ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی کتاب تو ذہن میں یہی آتا ہے کہ یہ کتاب اس نے خود ہی لکھی ہو گی۔

جواب: اولاً جب روایات من جملہ روایت صحیحہ ابو عبیدہ تصریح کر دیں کہ مصحف کے لکھنے والے امام علیؑ تھے تو اس قسم کے استحسانات کی کوئی جگہ نہیں بچتی سوائے اس کے کہ عرف عام

---

[1] المکاسب المحرمۃ: ج ۱، ص ۳۵۰.

میں ''فلاں کی کتاب'' کہنے پر ذہن کا اسی کی طرف متوجہ ہونا اس مقام پر ہے جہاں اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہو لیکن جب ایک صحیح السند روایت کہہ رہی ہے کہ مصحف کے لکھنے والے امام علیؑ ہیں تو اس وہم کی جگہ نہیں رہتی کہ یہ کتاب جناب سیدہؑ نے لکھی تھی، اور اس قسم کے نتائج برآمد کرنا نص کے مقابل اجتہاد ہوگا [جو جاہلوں اور مطلبیوں کا ہنر ہے۔]

ثانیاً فرشتے کا جناب سیدہؑ پر نازل ہونا ہے اس کتاب کی نام گزاری کی وجہ ہے ویسے ہی جیسے خدانے جبرائیل کے ذریعے سے جناب ابراہیمؑ و موسیٰ پر کتاب نازل کی، اور فقط نازل کرنے کی وجہ سے ان کا نام خود ان حضرات کے ناموں پر رکھا۔ قرآن کہتا ہے: ﴿إِنَّ هذا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولى ۞ صُحُفِ إِبْراهِيمَ وَ مُوسى﴾[1]

البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم اپنے اخذ شدہ گزشتہ نتیجے کے مطابق کہیں کہ امام علیؑ فرشتے کے کلام کرتے وقت ہی لکھا کرتے تھے، جیسا کہ حماد بن عثمان کی روایت انہیں معنی کے ساتھ متناسب ہے لیکن اگر اس بات کا قائل ہوا جائے کہ فرشتہ جناب فاطمہؑ کے لیے کلام کرتا تھا اور وہ جناب امیرؑ کو بولا کرتی تھیں تو ایسی صورت میں تو جناب فاطمہؑ کا کردار کاملاً روشن ہو جائے گا۔

اعتراض ۲: پہلی روایت میں یوں آیا ہے کہ یہ مطالب گفتار جبرائیل ہیں، لیکن اس روایت میں ہے کہ یہ گفتار و کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، کیا یہ تعارض نہیں؟

---

[1] اعلیٰ: ۱۸ و ۱۹.

جواب: اس سوال کا جواب ہم دوسرے حصے میں دینگے۔

نتیجہ: مذکورہ اور دوسری روایات کے مطابق، مصحف کے لکھنے والے امام علیؑ تھے، البتہ دو روایات میں مصحف فاطمہؑ کا نام لیا گیا ہے لیکن اس کے لکھنے والے کی جانب اشارہ نہیں کیا گیا؛ ایک حبیب خثعمی کی روایت (بحار الانوار: ج۴۷، ص۲۷۲، ح۱۷) اور دوسری سلیمان بن خالد کی روایت (الکافی: ج۱، ص۲۴۱، ح۴) البتہ ایسا بھی نہیں کہ اس میں کسی دوسرے کو اس کا لکھنے والا ظاہر کیا گیا ہو، لہذا ان روایات میں تعارض نہیں پایا جاتا۔ ہاں ایک ضعیف السند روایت میں یہ آیا ہے کہ مصحف فاطمہؑ آسمان سے کتاب کی صورت میں نازل ہوئی [لیکن وہ بھی یہ نہیں کہتی کہ اس کتاب کی لکھنے والی جناب فاطمہؑ ہیں]

طبری شیعی ابو بصیر سے نقل کرتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے مصحف فاطمہؑ کے بارے میں پوچھا؛ امام نے فرمایا: أُنْزِلَ عَلَيْهَا بَعْدَ مَوْتِ أَبِيهَا... فَلَمَّا أَرَادَ اللَّهُ (عَزَّ وَ جَلَّ) أَنْ يُنْزِلَهُ عَلَيْهَا، أَمَرَ جَبْرَئِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ إِسْرَافِيلَ أَنْ يَحْمِلُوا الْمُصْحَفَ فَيَنْزِلُوا بِهِ عَلَيْهَا، وَ ذَلِكَ فِي لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ مِنَ الثُّلُثِ الثَّانِي مِنَ اللَّيْلِ، هَبَطُوا بِهِ عَلَيْهَا وَ هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي، فَمَا زَالُوا قِيَاماً حَتَّى قَعَدَتْ، فَلَمَّا فَرَغَتْ مِنْ صَلَاتِهَا سَلَّمُوا عَلَيْهَا، وَ قَالُوا لَهَا: السَّلَامُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ. وَ وَضَعُوا الْمُصْحَفَ فِي حَجْرِهَا، فَقَالَتْ لَهُمْ: اللَّهُ السَّلَامُ، وَ مِنْهُ السَّلَامُ، وَ إِلَيْهِ السَّلَامُ، وَ عَلَيْكُمْ يَا رُسُلَ اللَّهِ السَّلَامُ. ثُمَّ عَرَجُوا إِلَى السَّمَاءِ، فَمَا زَالَتْ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْفَجْرِ إِلَى زَوَالِ الشَّمْسِ تَقْرَأُهُ، حَتَّى أَتَتْ عَلَى آخِرِهِ. وَ لَقَدْ كَانَتْ (صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهَا) طَاعَتُهَا مَفْرُوضَةً عَلَى جَمِيعِ مَنْ خَلَقَ اللَّهُ مِنَ الْجِنِّ، وَ الْإِنْسِ، وَ الطَّيْرِ، وَ الْبَهَائِمِ، وَ الْأَنْبِيَاءِ، وَ الْمَلَائِكَةِ. فَقُلْتُ: جُعِلْتُ

فِدَاكَ فَلَمَّا مَضَتْ إِلَى مَنْ صَارَ ذَلِكَ الْمُصْحَفُ؟فَقَالَ: دَفَعْتُهُ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ (عَلَيْهِ السَّلَامُ)، فَلَمَّا مَضَى صَارَ إِلَى الْحَسَنِ، ثُمَّ إِلَى الْحُسَيْنِ، ثُمَّ عِنْدَ أَهْلِهِ حَتَّى يَدْفَعُوهُ إِلَى صَاحِبِ هَذَا الْأَمْرِ. یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ان پر نازل ہوئی... جب خدا نے ارادہ کیا کہ اسے فاطمہؑ پر نازل کرے تو اس نے جبرائیل و میکائیل و اسرافیل کو حکم دیا کہ مصحف اٹھائیں اور اسے لے کر فاطمہؑ پر نازل ہوں۔ یہ ماجرا شب جمعہ کا ہے جب کہ دو تہائی رات گزر چکی تھی اور مذکورہ فرشتے یہ مصحف لیے نازل ہوئے تھے، فاطمہؑ اس وقت کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں، جب تک وہ کھڑی رہیں فرشتے بھی کھڑے رہے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو فرشتوں نے انہیں سلام کیا اور کہا: خدائے سلام آپ پر سلام بھیجتا ہے! اور مصحف فاطمہؑ کی آغوش میں ڈال دی۔ بی بی نے کہا: خدا، سلام ہے، اور سلامی اسی کی جانب سے ہے اور اسی کی جانب لوٹتی ہے، اور خدا کے بھیجے ہوؤں تم پر بھی سلام ہو! اس کے بعد وہ آسمان کی جانب پرواز کر گئے؛ فاطمہؑ نے نماز صبح کے بعد سے زوال آفتاب تک اس کا مطالعہ کیا یہاں تک کہ اسے ختم کر لیا۔ بے شک فاطمہؑ کی اطاعت ان تمام چیزوں پر جنہیں خدا نے جن وانس، پرندوں اور چوپایوں، انبیاء و ملائک میں سے خلق کیا ہے، واجب ہے۔ میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان جاؤں! جناب فاطمہؑ کے بعد یہ مصحف کسے ملی؟ فرمایا: اسے امیر المومنینؑ کو دیا گیا اور ان کے بعد وہ امام حسنؑ اور ان کے بعد امام حسینؑ کو ملی یہاں تک کہ صاحب الامر کو دی جائے گی۔[1]

[1] دلائل الامامۃ: ص ۱۰۴، ح ۳۴.

[اس کا جواب یہ ہے کہ : اول تو اس روایت کی سند ضعیف ہے، دوم اس روایت کا ظہور بتاتا ہے کہ یہاں کسی اور کتاب کے بارے میں بات ہو رہی ہے جو جداگانہ طور پر بی بیؑ پر نازل کی گئی البتہ اس کا نام بھی مصحف ہی تھا جسے تین فرشتے لے کر نازل ہوئے اور یہ دفعی طور پر نازل ہوئی۔ جبکہ روایات مصحف بیان کرتی ہیں کہ ایک فرشتہ لگاتار بی بیؑ کی خدمت میں آتا تھا اور امام علیؑ اس کے کہے کو قلمبند فرماتے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اس روایت میں بیان ہوئی ہے وہ اس کے سوا ہے جسے روایات مصحف میں بیان کیا گیا ہے اور چونکہ ان روایات میں دو الگ چیزوں کا اثبات کیا گیا ہے، لہذا یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مثبتین میں تعارض نہیں ہوا کرتا۔]

اب اگر ہم یہ قبول کر بھی لیں کہ مذکورہ روایت مشہور مصحف کے بارے میں ہی ہے تب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہو گا کیونکہ یہاں چند عقلائی احتمالات موجود ہیں :

[الف) یہ کہ ہم کہیں مصحف دو مراحل میں نازل ہوا ہے ایک غیر مکتوب الفاظ کا نزول تدریجی جو ایک فرشتے کے توسط سے محقق ہوا اور دوسرا مکتوب الفاظ کا نزول دفعی جو تین فرشتوں کے ذریعے سے عمل میں آیا، جبکہ مصحف کے لکھنے والے امیر المومنینؑ تھے۔]

ب) یا یہ کہیں کہ یہ مکتوبی مصحف جو بصورت دفعی نازل ہوا یہ اس مصحف کا نسخہ بدل تھا جسے جناب امیرؑ نے تدریجاً قلمبند فرمایا تھا [اور یہ شاید برکت اور تبرک کے عنوان سے تھا اور شاید

بی بیؑ کو تسلی دینے کی ایک اور نوع سے بھی کہ بی بیؑ صبح سے زوال تک اسے پڑھنے میں مشغول رہیں اور اس طرح ان کے غموں اور گریے میں کچھ دیر کا فاصلہ ہوا۔]

ج) یا یہ کہیں کہ مکتوبی مصحف اس مصحف کی تکمیل کرنے والی تھی جسے جناب امیرؑ نے قلمبند فرمایا تھا؛ کیونکہ روایات کا ظاہر بتاتا ہے کہ جناب امیرؑ نے فرشتے کا کلام اول روز سے لکھنا شروع نہیں فرمایا تھا بلکہ آغاز میں تو فرشتہ فقط بی بیؑ سے کلام کرتا تھا جس کی خبر بی بیؑ نے بعد میں امامؑ کو دی اور انہوں نے فرشتے کی دی گئی خبروں کو لکھنا شروع کیا۔

دوسرا حصہ: مصحف فاطمہؑ کا بیان کرنے والا کون؟

اس سے پہلے حصے میں اعتراض پیش کیا گیا تھا کہ ایک روایت کہتی ہے: مصحف کے الفاظ ادا کرنے والا جبرائیل تھا؛ جبکہ دوسری روایت کا کہنا ہے کہ اس کے کہنے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔[1] اور یہ تعارض ہے۔ اس حصے میں ہم اس حوالے سے ہی تحقیق پیش کرینگے:

---

[1] اور ایسی ہی احادیث کی وجہ سے مرحوم احمد رحمانی سے غلطی ہوئی جو انہوں نے لکھا: اور بعض روایات دلالت کرتی ہیں کہ مصحف فاطمہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی موجود تھی جیسا کہ بصائر کی حدیث میں آیا ہے کہ ((مصحف، املائے رسول اللہ ﷺ اور خط علیؑ میں ہے)) (فاطمۃ الزہراءؑ بہجۃ قلب المصطفیٰ ﷺ: ص۱۷٦).

سندی تحقیق: مقام عرض ہے کہ وہ روایات جو کہتی ہیں کہ مصحف کے کہنے والے جبرائیل تھے وہ زیادہ ہیں اور ان میں سے بعض کی اسناد بھی صحیح ہیں جبکہ ان کے مقابل روایات کم ہیں؛ من جملہ:

۱۔ صفار قمی، علی بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: وَ عِنْدَنَا وَ اللَّهِ مُصْحَفُ فَاطِمَةَ مَا فِيهِ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَ إِنَّهُ لَإِمْلَاءُ رَسُولِ اللَّهِ ص وَ خَطُّهُ عَلِيٌّ ع بِيَدِه. ہمارے پاس مصحف فاطمہؑ ہے جس میں قرآن کی کوئی آیت نہیں وہ رسول اللہ کا بولا ہوا اور علیؑ کے ہاتھ سے لکھا ہوا صحیفہ ہے۔[1]

اس روایت کی سند علی بن سعید کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ نام متعدد راویوں کا ہے جو سارے ہی یا تو مہمل ہیں یا مجہول، فقط ایک علی بن سعید ایسا ہے جو ثقہ ہے لیکن اس نے امام صادقؑ کو درک نہیں کیا۔

۲۔ صفار قمی احمد بن موسی سے وہ حسن بن علی بن نعمان سے وہ ابو زکریا یحییٰ سے وہ عمرو زیات سے اور وہ امام صادقؑ یا امام باقرؑ میں سے کسی ایک سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: وَ خَلَّفَتْ فَاطِمَةُ مُصْحَفاً مَا هُوَ قُرْآنٌ وَ لَكِنَّهُ كَلَامٌ مِنْ كَلَامِ اللَّهِ أُنْزِلَ عَلَيْهَا إِمْلَاءُ رَسُولِ اللَّهِ وَ خَطُّ عَلِيٍّ ع. فاطمہؑ نے ایک مصحف بطور ارث چھوڑا ہے جو قرآن نہیں لیکن خدا کا وہ کلام ہے جو ان پر نازل ہوا، وہ رسول اللہ کی کہی ہوئی املا اور علیؑ کے خط میں

[1] بصائر الدرجات: ۱۷۲۔

ہے۔[1]

اس روایت کی سند میں ابوزکریا یحییٰ کا نام آیا ہے جو چار راویوں کا نام ہے:

۱۔ یحییٰ بن مساور تمیمی، جو مجہول ہے۔

۲۔ یحییٰ بن ابی بکر، جو مہمل ہے۔

۳۔ یحیی بن محمد رازی، جو مجہول ہے۔

۴۔ یحییٰ بن قطان جو سنی ہے لیکن ثقہ ہے۔

لیکن یہاں یہ چوتھا راوی مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ جس نے اس سے روایت نقل کی ہے یعنی حسن بن علی بن نعمان وہ امام حسنؑ عسکری کے اصحاب میں سے ہے جبکہ ابوزکریا ثقہ امام صادقؑ سے روایت نقل کرتا ہے (اور ان کے درمیان طبقات کا فاصلہ ہے) اور یوں وہ ان سے روایت نقل نہیں کر سکتے۔ ایسے ہی یحییٰ بن مساور بھی روایان احادیث امام صادقؑ میں سے ہے۔ یہ تو تھا ایک جہت سے ضعف سند۔ دوسری جانب عمرو زیات کا نام بھی روایوں میں موجود ہے کہ وہ بھی ضعیف ہے اور احتمال قوی ہے کہ سند میں اسم یحییٰ کے بعد کلمہ ((ابن)) کی جگہ ((عن)) غلطی سے لکھا گیا ہے یوں راوی کا نام دراصل ابوزکریا یحییٰ بن عمرو زیّات تھا، جو یا تو مہمل ہے یا ضعیف۔

---

[1] ایضاً: ص۱۷۵، ح۱۴.

۳۔ صفار قمی، علی بن الحسین سے اور وہ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
وَ عِنْدَنَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ ع أَمَا وَ اللَّهِ مَا فِيهِ حَرْفٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَ لَكِنَّهُ إِمْلَاءُ رَسُولِ اللَّهِ وَ خَطُّ عَلِي. ہمارے پاس مصحف فاطمہؑ ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کی قسم! اس میں قرآن کا ایک حرف بھی نہیں بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لکھوائی ہوئی املا اور علیؑ کے خط میں (لکھا ہوا صحیفہ) ہے۔[1]

اس حدیث کا راوی علی بن حسین ہے جو ثقہ اور ضعیف کے درمیان مشترک ہے البتہ جو چیز معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ وہ علی بن حسین عبدی ثقہ ہیں۔

۴۔ صفار قمی علی بن ابی حمزہ بطائنی سے اور وہ امام صادقؑ سے یہی حدیث نمبر ۳ کا متن نقل کرتے ہیں۔[2]

اس کی سند میں بطائنی ہیں اور اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اس کے بارے میں سید خوئی، امام خمینی اور علامہ مامقانی کے درمیان اختلاف ہے۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ سندی جہت سے یہ احادیث ان احادیث کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتیں جن میں جبرائیل کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس صورت میں تعارض پیش نہیں آئے گا کیونکہ اس دوسرے دستہ روایات کی اسناد درست اور حسن نہیں۔

---

[1] ایضاً: ص۱۷۷، ح۱۹.

[2] ایضاً: ص۱۸۱، ح۳۳.

متن کی تحقیق: تعارض اس جگہ پیش آتا ہے جہاں دو قسم کی روایات میں جمع کی کوئی راہ نہ نکلے لیکن جہاں انہیں جمع کرنا ممکن ہو تو ایسی صورت میں کوئی تعارض پیش نہیں آتا جیسا کہ بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ مطالب کا کہنے والا جبرائیل تھا اور بعض میں آیا ہے کہ کوئی رسول (اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ) تھا لیکن اس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔[1]

یہاں پر سرے سے تعارض وجود ہی نہیں رکھتا کیونکہ جن روایات میں رسول (اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے) کا نام ذکر نہیں ہوا ہم انہیں ان روایات پر حمل کریں گے جن میں فرشتے کا نام بیان ہوا ہے اور یوں روایات میں جمع کی صورت نکل آئے گی۔

ہماری بحث میں بھی ان دو قسم کی روایات میں جمع ممکن ہے۔ علامہ مجلسی اس زمینے میں راقم ہیں: رسول خدا سے مراد وہی فرشتہ ہے جو گفتگو کے لیے نازل ہوتا تھا اور وہ جبرائیلؑ ہی ہے۔[2] واضح ہے کہ ان کا کہا بعید نہیں ہے کیونکہ لفظ رسول قرآن میں متعدد مقامات پر جبرائیلؑ یا دوسرے فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے، من جملہ:

الف) جناب مریمؑ کے واقعے میں جبرائیلؑ نازل ہوئے، تو فرمایا: ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ﴾ بے شک میں تیرے رب کا رسول (بھیجا ہوا) ہوں۔[3]

---

[1] بصائر الدرجات: ص ۱۷۲، باب ۱۴، ح ۳.

[2] بحار الانوار: ج ۲۶، ص ۱۴۲.

[3] مریم: ۱۹.

ب)خداوند متعال فرماتا ہے: ﴿اللَّهُ يَصْطَفي مِنَ الْمَلائِكَةِ رُسُلاً وَ مِنَ النَّاس﴾ اللہ نے ملائکہ اور انسانوں میں سے رسول (بھیجنے والے) چنے۔[1]

ج)ارشاد ہوتا ہے: ﴿حَتَّى إِذا جاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنا﴾[2]

د) خدائے تبارک و تعالی فرماتا ہے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فاطِرِ السَّماواتِ وَ الْأَرْضِ جاعِلِ الْمَلائِكَةِ رُسُلا﴾ حمد ہے زمین و آسمان کو بنانے والے کی، اس نے ملائکہ کو رسول (بھیجنے والا) قرار دیا ہے۔[3]

و) ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّ رُسُلَنا يَكْتُبُونَ ما تَمْكُرُونَ﴾ بے شک ہمارے رسول (بھیجے ہوئے فرشتے) وہ لکھتے ہیں جو مکر تم کرتے ہو۔[4]

ی) نیز فرماتا ہے: ﴿وَ لَمَّا جاءَتْ رُسُلُنا إِبْراهيمَ بِالْبُشْرى قالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلِ هذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ اور جب آئے ابراہیم کے پاس ہمارے رسول (بھیجے ہوئے) بشارت کے ساتھ، (تو) انہوں نے کہا بے شک ہم اس قریے کے لوگوں کو ہلاک کریں گے۔[5]

اور ایسے ہی سورہ ہود کی آیات نمبر ۶۹، ۷۷، ۸۸.

---

[1] حج: ۷۵.

[2] انعام: ۶۱.

[3] فاطر: ۱.

[4] یونس: ۲۱.

[5] عنکبوت: ۳۱.

اور جو کچھ روایات میں وارد ہوا ہے، وہ علامہ مجلسی کے کلام کی تائید کرتا ہے، صفار کی دوسری روایت میں امام صادقؑ فرماتے ہیں: لیکن مصحف فاطمہؑ وہ کلام ہے جو خدا کی جانب سے فاطمہؑ پر نازل ہوا ہے۔ اور اس کے بعد فرماتے ہیں: یہ رسول خدا کی املا اور علیؑ کے خط میں ہے۔ اس بات کے کوئی معنی نہیں ہونگے کہ ہم کہیں کہ یہ الفاظ خود جناب سیدہؑ پر نازل ہوئے ہیں اور اس کے بعد کہیں کہ ان کے کہنے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ کیونکہ جب مصحف کے الفاظ خود جناب فاطمہؑ پر نازل ہوئے ہیں، تو لازم ہے کہ یہ الفاظ فرشتہ لایا ہو [اور کسی بھی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی املا اور گفتار کو نزول سے تعبیر نہیں کیا گیا] اور چونکہ جبرائیلؑ خدا کے کلام و الفاظ کو پہنچانے پر دائمی ماموریت رکھتے ہیں، تو اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ واسطہ نزول جبرائیل ہی تھے، پس املائے رسول خدا سے مراد املائے جبرائیل ہے جو جناب زہراءؑ کے لیے خدا کے بھیجے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ جتنی بھی روایات مصحف کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں املا کرنے والے کو رسول خدا کہا گیا ہے، ان میں سے کسی ایک میں بھی لفظ رسول کے بعد ((صلی اللہ علیہ والہ وسلم)) وارد نہیں ہوا، اور یہ بات بھی اس امر پر قرینہ ہے کہ رسول خدا سے مراد خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں بلکہ خدا کی جانب سے مامور کیا ہوا ایک ایسا رسول ہے جسے کے ذمہ فاطمہؑ کو الفاظ مصحف پہنچانا تھا اور ابو عبیدہ کی صحیح السند روایت میں اس کا نام جبرائیلؑ بیان ہوا ہے۔

[ایسے ہی اسی صحیح السند روایت نیز حماد بن عثمان کی روایت جو سید خوئی کے مطابق صحیح ہے، میں تصریح ہوئی ہے کہ جبرائیل بعد وفات پیغمبر ﷺ نازل ہوتے تھے اور مصحف کے الفاظ بیان کرتے تھے اور یہ اس بات پر واضح ترین دلیل ہے کہ ان الفاظ کے کہنے والے رسول اللہ ﷺ نہیں تھے۔ پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ ان چار روایات میں کس وجہ سے فرشتے کے لیے رسول خدا کی تعبیر سے استفادہ کیا گیا ہے جو کہ ان معنی میں شبہ ایجاد کرنے والی روایات ہیں؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہ تقیہ اور بعض راویوں کی استعداد کی رعایت کو مد نظر رکھتے ہوا کہا گیا تھا۔]

اعتراض: جہاں بھی لفظ "رسول" مطلق ذکر کیا جائے اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہوتے ہیں نہ کہ کوئی دوسرا۔

جواب: یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس مقام پر جہاں قرینہ موجود نہ ہو، نہ کہ اس مقام پر بھی جہاں (بطور قرینہ) ہمارے پاس صحیح السند روایت موجود ہو جو کہے: کہ خدا کا بھیجا ہوا جبرائیلؑ تھا اور ان قرائن کے ہوتے ہوئے جو ہم نے چند سطور قبل ذکر کیے ہیں، روایات سے مطلق مفہوم لینے کی جگہ نہیں بچتی۔

خلاصہ: روایات مصحف فاطمہؑ میں بولنے اور املاء کروانے والے میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ بعض اوقات یہ اشکال ہوتا ہے کہ کچھ روایات میں آیا ہے کہ مصحف کے الفاظ امام علیؑ یا

امام حسنؑ کے توسط سے رسول اللہ ﷺ سے جناب سیدہؑ تک پہنچتے تھے، لیکن ہمیں تو اس حوالے سے کوئی ایک ضعیف السند روایت بھی نہیں ملی جس کی ہم تحقیق ہی کر پاتے۔

اعتراض: ایک روایت اٹھ واسطوں سے ابن مسعود سے نقل ہوئی ہے کہ: يَا ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ، هَلْ تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ) عِنْدَكِ شَيْئاً: تُطْرِفِينِيهِ.فَقَالَتْ: يَا جَارِيَةُ، هَاتِ تِلْكَ الْحَرِيرَةَ.فَطَلَبَتْهَا فَلَمْ تَجِدْهَا، فَقَالَتْ: وَيْحَكِ اطْلُبِيهَا، فَإِنَّهَا تَعْدِلُ عِنْدِي حَسَناً وَ حُسَيْناً.فَطَلَبَتْهَا فَإِذَا هِيَ قَدْ قَمَمَتْهَا فِي قُمَامَتِهَا، فَإِذَا فِيهَا:قَالَ مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ): «لَيْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مَنْ لَمْ يَأْمَنْ جَارُهُ بَوَائِقَهُ، وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ، وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ يَسْكُتْ.إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْخَيِّرَ الْحَلِيمَ الْمُتَعَفِّفَ، وَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الضَّنِينَ السَّئَّالَ الْمُلْحِفَ.إِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ وَ الْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَ إِنَّ الْفُحْشَ مِنَ الْبَذَاءِ، وَ الْبَذَاءُ فِي النَّارِ» ایک شخص جناب سیدہؑ کے پاس آیا اور گویا ہوا: اے بنت رسول ﷺ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لیے کوئی چیز چھوڑی ہے جو آپ مجھے عنایت فرمائیں: فاطمہؑ نے فرمایا: اے خدمتگزار! وہ پارچہ لے آ (نسخہ جریدہ میں آیا ہے) پس خدمت گزار نے اسے تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا، فاطمہؑ نے فرمایا: وائے بر تو! اسے ڈھونڈو کہ وہ پارچہ میرے لیے حسن و حسینؑ کے برابر اہمیت رکھتا ہے تا آخر روایت کہ جس میں وارد ہوا ہے کہ اس پارچے میں ان کے والد بزگوار کی پانچ نصیحتیں لکھی ہوئیں تھیں۔[1]

[1] دلائل الامامۃ: ص ۶۵، ح ۱۔

جواب: اس روایت میں سوائے دوراویوں کے باقی سب افراد غیر ثقہ ہے اور ابن مسعود کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، یہ تو تھا اس کی سند کی بابت کلام اور اس کی دلالت و متن کے بارے میں ہم کہیں گے کہ: [جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں اس میں مصحف کے بارے میں کوئی معمولی سا اشارہ بھی موجود نہیں، بلکہ اس چیز کی تصریح کے بعد کہ اس پارچے میں پانچ جملے موعظہ کے لکھے ہوئے تھے، ہمیں یقین ہے کہ یہ مصحف کے علاوہ کوئی اور چیز تھی کیونکہ اول تو مصحف کے جملے قطعی طور پر پانچ عدد نہیں تھے۔ دوم مصحف ان اوراق کو کہتے ہیں جو ایک جلد میں بمعنی کتاب مجلد ہوں، پارچہ مصحف نہیں کہلاتا اور جریدہ کے نسخے میں بھی درخت خرما کے تنے کا ذکر ہے، کہ اس کا بھی مصحف کے موضوع سے کوئی سروکار نہیں، کیونکہ ایک لکڑی کی لوح جس پر پانچ جملے لکھے ہوں اسے مصحف نہیں کہتے، لہذا مصحف ایک اور چیز ہے جبکہ یہ پارچہ یا لوح کوئی دوسری چیز ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس حدیث میں ان مکتوبات کے لکھنے والے کی جانب بھی کوئی اشارہ موجود نہیں۔]

اور اس بات کی مؤید وہ روایت ہے جسے شیخ کلینی نے امام صادقؑ سے نقل فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا: جَاءَتْ فَاطِمَةُ ع تَشْكُو إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ص بَعْضَ أَمْرِهَا فَأَعْطَاهَا رَسُولُ اللَّهِ ص كُرَيْسَةً وَ قَالَ تَعَلَّمِي مَا فِيهَا فَإِذَا فِيهَا مَنْ ﴿كانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ وَ ﴿مَنْ كانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَ ﴿مَنْ كانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَسْكُتْ. **فاطمہؑ تشریف لائیں**

اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی بعض مشکلات کی شکایت کی، پس آپؐ نے انہیں ایک رسالہ ساعطا کیا اور فرمایا: جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کر لے۔ اور اس روایت میں روایت اول الذکر سے ملتے جلتے جملے ہی زیر بحث تھے۔[1]

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے اسحاق بن عبد العزیز کے، جو آیت اللہ مامقانی کے مبنیٰ کے مطابق ضعیف جبکہ آیت اللہ خوئی کے اسانید علی بن ابراہیم قمی کے قبول کرنے کے مبنیٰ کے مطابق ثقہ ہے۔

ایک اور لوح: شیخ صدوق کتاب عیون اخبار الرضاؑ میں اس باب میں جو امام رضاؑ کی امامت پر نص بیان کرتا ہے، احادیث نقل کرتے ہیں جو سب کی سب ایک لوح کے وجود پر دلالت کرتی ہیں جس میں بارہ اماموں کے نام تھے اور جابر بن عبد اللہ انصاری نے ان کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲، ۱، ۵، ۶ اور ۷؛ ان روایات میں سے مختصر ترین روایت یہ ہے: جابر کہتے ہیں: دَخَلْتُ عَلَى فَاطِمَةَ ع وَ بَيْنَ يَدَيْهَا لَوْحٌ فِيهِ أَسْمَاءُ الْأَوْصِيَاءِ فَعَدَدْتُ اثْنَيْ عَشَرَ آخِرُهُمُ الْقَائِمُ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ مُحَمَّدٌ وَ أَرْبَعَةٌ مِنْهُمْ عَلِيٌّ. میں فاطمہؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے سامنے ایک لوح تھی جس میں اوصیاء کے اسماء لکھے ہوئے تھے، میں نے انہیں گنا تو وہ بارہ تھے جن کا آخری قائم تھا، ان میں سے تین افراد محمدؑ، اور چار علیؑ تھے۔[2]

---

[1] کافی: ج ۲، ص ۲۶۷، ح ۶.

[2] عیون اخبار الرضا: ج ۱، ص ۴۶، ح ۶.

یہی حدیث کتاب الاختصاص: ص ۲۰۵ تا ۲۰۷؛الاحتجاج: ج۱، ص ۱۲۶؛عیبۃ نعمانی: ص ۶۲، ح ۵ل نیز الاخبار الدخیلہ، علامہ محمد تقی شوستری: ج۱، ص ۲تا۴ میں بھی نقل ہوئی ہے۔

اعتراض: روایات مصحف فاطمہؑ میں اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ ان میں سے بعض کہتی ہیں کہ یہ جبرائیلؑ لائے تھے اور بعض کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کی املاء کرائی گئی کتاب ہے، اور اب جب ایسا ہے تو واقع سے نزدیک تر یہی ہے کہ ہم دوسرے گروہ کی روایات قبول کریں جو کہتی ہیں کہ: مصحف فاطمہؑ علوم کا ایک مجموعہ ہے جو ان تک ان کے والد کے توسط سے پہنچا ہے۔

جواب: ہم اس اعتراض کے پہلے حصے کا جواب گزشتہ سطور میں دے آئے ہیں، اب یہاں ہم اس کے دوسرے حصے کا جواب دیں گے جو کہتا ہے: دوسرے گروہ کی روایات واقعیت سے زیادہ نزدیک ہیں۔

روایات کے ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے زیادہ واقعیت سے نزدیک ہونے کے لیے لازم ہے کہ گروہ متقابل میں ان تین میں سے کوئی ایک خصوصیت پائی جاتی ہو:

الف) ساری ضعیف السند ہوں اور دوسرا گروہ صحیح السند ہو۔

ب) تصریح قرآن یا روایات، حکم قطعی اور مسلمین کے عقائد یقینی کے مخالف ہو۔

ج) ان کے مقابل روایات دوسرے گروہ کے متن کی تفسیر کرنے والی ہوں۔

جبکہ جناب سیدہؑ پر نزول جبرائیل سے متعلق روایات میں، ان میں سے کوئی ایک مورد بھی موجود نہیں۔ اگر سند کی بات کی جائے تو جیسا کہ ہم جان چکے ہیں ان میں سے بعض صحیح السند ہیں، اور یہ ایک دوسری صحیح السند حدیث بھی اس کی تقویت کرتی ہے جو ابو بصیر نے امام صادقؑ سے نقل فرمائی ہے: إِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ أَمْلَاهَا اللَّهُ وَ أَوْحَى إِلَيْهَا؛ مصحف فاطمہؑ وہ چیز ہے جو خدا نے فاطمہؑ پر املا اور وحی کی۔[1]

دوسری خصوصیت کے بارے میں کہیں گے کہ فرشتوں کا بعض ایسے افراد پر نازل ہونا جو انبیاء میں سے نہیں تھے نہ فقط یہ کہ قرآن و روایات سے مخالفت نہیں رکھتا بلکہ یہ تو مکمل طور پر اس کی تائید کرتے ہیں۔ من جملہ؛ جناب مریمؑ جن کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجاباً فَأَرْسَلْنا إِلَيْها رُوحَنا فَتَمَثَّلَ لَها بَشَراً سَوِيًّا ۝ قالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قالَ إِنَّما أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلاماً زَكِيًّا﴾ پس ہم نے اپنی روح کو مریمؑ کی جانب بھیجا اور وہ مریمؑ کے لیے درست اندام

---

[1] بصائر الدرجات: ص ۱۷۱، ح ۳. (ہو سکتا ہے کہ یہاں کوئی اشکال کرے: گزشتہ روایات میں املاء کی نسبت فرشتے کی جانب ثابت کی گئی ہے جبکہ اس صحیح السند روایت میں املا کی نسبت خدا سے دی گئی ہے، اور یہ روایات میں تعارض ہے. جواب میں عرض ہے کہ ان دو روایات میں اختلاف نہیں؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے کا املا کروانا خدا کے افعال کے طول میں تھا نہ کہ عرض میں؛ جیسے کہ روح فرشتے نکالتے ہیں لیکن خدا ان کے اس فعل کی نسبت اپنی جانب دیتا ہے کیونکہ یہ فرشتے باب عمل میں طول عمل الٰہی کے تحت قرار پاتے ہیں. ایسے ہی یہاں املاء کی نسبت خدا کی جانب دینا فرشتے کی جانب دینے سے متعارض نہیں. مترجم)

انسانی صورت میں متمثل ہوا۔ مریم نے کہا: میں خدائے رحمن کی پناہ لیتی ہوں اگر تو متقی ہے۔ روح نے کہا: میں تیرے خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔[1]

اس کے علاوہ فرماتا ہے: ﴿وَ إِذْ قالَتِ الْمَلائِكَةُ يا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفاكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفاكِ عَلى نِساءِ الْعالَمينَ﴾ جب ملائکہ نے مریم سے کہا: اے مریم خدا نے تجھے چنا اور پاک کیا اور تجھے عالمین کی عورتوں میں سے منتخب کیا۔[2]

اور سارہ کہ جن سے ملائکہ نے کلام کیا؛ قرآن کہتا ہے: ﴿وَ جاءَتْهُ الْبُشْرى يُجادِلُنا في قَوْمِ لُوطٍ﴾ پس ہم نے سارہ کو (اپنے دو فرشتوں کے ذریعے) اسحق کی بشارت دی۔[3]

[اور اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ ایک فرشتے کا انسانی صورت میں کسی سے بات کرنا اور اس کا خود اپنی اصل صورت میں ظاہر ہو کر کسی سے ہمکلام ہونے کی فضیلت میں فرق ہے، تو ہم کہیں گے: جناب مریمؑ کے بارے میں ہم نے جو دوسری آیت نقل کی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ فرشتے ان سے بنا انسانی صورت میں متمثل ہوئے کلام کرتے تھے، اور اس کے علاوہ ہم یہ بات گزشتہ ابحاث میں ثابت کر چکے ہیں کہ جناب سیدہؑ کا مقام مریمؑ و سارہ سے کہیں افضل ہے، اور اگر ان دو مستورات کے لیے فرشتوں نے انسانی صورت میں متمثل ہو کر ان سے کلام کیا تھا تو جو فاطمہؑ اس سے بالاتر ہوں ان کے سامنے فرشتے کا اپنی اصل صورت میں ظاہر ہو کر کلام کرنا

---

[1] مریم: ۱۷ تا ۱۹.

[2] آل عمران: ۴۲.

[3] ہود: ۷۴.

کوئی بعید چیز نہیں رہے گا اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں کیونکہ مثبتین میں تعارض نہیں ہوتا.]

روایات میں بھی اس مطلب کے مؤیدات موجود ہیں نہ کہ مخالف؛ من جملہ:

۱۔ طبری امامی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: لِفَاطِمَةَ (عَلَيْهَا السَّلَامُ) تِسْعَةُ أَسْمَاءٍ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ: فَاطِمَةُ، وَ الْمَذُوبَةُ[1]، وَ الْمُبَارَكَةُ، وَ الطَّاهِرَةُ، وَ الزَّكِيَّةُ، وَ الرَّاضِيَةُ، وَ الرَّضِيَّةُ، وَ الْمُحَدَّثَةُ، وَ الزَّهْرَاءُ. خدا کے یہاں فاطمہؑ کے نو نام ہیں: فاطمہ، صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، زکیہ، راضیہ، مرضیہ، محدثہ، زہراؑء۔[2]

۲۔ شیخ صدوق، اسحاق بن جعفر بن محمد بن عیسی بن زید بن علی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: إِنَّمَا سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ ع مُحَدَّثَةً لِأَنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَهْبِطُ مِنَ السَّمَاءِ فَتُنَادِيهَا كَمَا تُنَادِي مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَتَقُولُ يَا فَاطِمَةُ اللَّهُ ﴿اصْطَفَاكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفَاكِ عَلى نِساءِ الْعالَمِينَ﴾ يَا فَاطِمَةُ ﴿اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِي وَ ارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ فَتُحَدِّثُهُمْ وَ يُحَدِّثُونَهَا فَقَالَتْ لَهُمْ ذَاتَ لَيْلَةٍ أَ لَيْسَتِ الْمُفَضَّلَةُ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَقَالُوا إِنَّ مَرْيَمَ كَانَتْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ عَالَمِهَا وَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ جَعَلَكِ سَيِّدَةَ نِسَاءِ عَالَمِكِ وَ عَالَمِهَا وَ سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ. بے شک فاطمہؑ کو محدثہ کہا جاتا ہے کیونکہ ملائکہ آسمان سے آتے

---

[1] في «ط» و كتب الصّدوق: الصّدّيقة.

[2] دلائل الامامۃ: ص۷۹، ح۱۹؛ علل الشرائع: ج۱، ص۱۷۸، ح۳، الخصال: ص۴۱۴، ح۳؛ امالی صدوق: ص۴۷۴، ح۱۸.

تھے اور انہیں ویسے ہی صدا دیتے جیسے وہ مریم بنت عمرانؑ کو دیا کرتے تھے اور کہتے تھے: اے فاطمہؑ بے شک خدا نے تجھے چنا اور پاک کیا اور تجھے نساء عالمین میں سے منتخب کیا؛ اے فاطمہؑ اپنے خدا کی فرمابردار رہ اور اس کے لیے سجدہ ور کوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ پس فاطمہؑ ان سے کلام کرتیں اور وہ ان سے کلام کرتے۔ پس ایک شب انہوں نے ان سے کہا: کیا عالمین کی خواتین پر مریمؑ کو فضیلت حاصل نہیں؟ ملائکہ نے کہا: بے شک مریم اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں اور خدا نے آپ کو اپنے اور اولین و آخرین میں سے ہر زمانے کی خواتین پر فضیلت بخشی ہے۔[1]

۳۔ شیخ صدوق روایت کرتے ہیں کہ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ لَمَّا قَرَأَ وَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَ لَا نَبِيٍّ وَ لَا مُحَدَّثٍ وَ هَلْ يُحَدِّثُ الْمَلَائِكَةُ إِلَّا الْأَنْبِيَاءَ قَالَ مَرْيَمُ لَمْ تَكُنْ نَبِيَّةً وَ كَانَتْ مُحَدَّثَةً وَ أُمُّ مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ كَانَتْ مُحَدَّثَةً وَ لَمْ تَكُنْ نَبِيَّةً وَ سَارَةُ امْرَأَةُ إِبْرَاهِيمَ قَدْ عَايَنَتِ الْمَلَائِكَةَ فَبَشَّرُوهَا ﴿بِإِسْحَاقَ وَ مِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾ وَ لَمْ تَكُنْ نَبِيَّةً وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ ص كَانَتْ مُحَدَّثَةً وَ لَمْ تَكُنْ نَبِيَّةً.

محمد بن ابی بکر سے اس آیت: وَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَ لَا نَبِيٍّ (خدا نے تم سے قبل نہ کوئی رسول بھیجا نہ نبی اور نہ محدث) کے بارے میں پوچھا کہ کیا ملائکہ غیر انبیاء سے بھی کلام کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا مریم نبیہ نہیں تھیں لیکن محدثہ تھیں، مادر موسیٰ

1 علل الشرائع: ج۱، باب ۱۴۶، ص ۱۸۲.

محدثہ تھیں لیکن نبیہ نہیں تھیں، ابراہیم کی زوجہ سارہ ملائکہ سے روبرو ہوئیں اور انہوں نے انہیں اسحاق کی بشارت دی لیکن وہ نبیہ نہیں تھیں اور فاطمہؑ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محدثہ تھیں لیکن نبیہ نہ تھیں۔[1]

[ہر چند کہ یہ کلام حدیث معصوم نہیں ہے کیونکہ معصوم سے نقل نہیں ہوا لیکن یہ محمد بن ابی بکر جیسے سے نقل ہوا ہے جو دو سال کی عمر سے امیر المومنینؑ کے زیر تربیت رہے اور ان کے اصحاب سر میں سے تھے۔]

یہی وجہ ہے کہ شیخ صدوق اس کلام کے ذیل میں بعنوان تائید لکھتے ہیں: اور خدا نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ اس نے کسی بھی عورت کو بطور نبیہ مبعوث نہیں کیا؛ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَ ما أَرْسَلْنا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجالًا نُوحِي إِلَيْهِم﴾[2] اور اس میں نساء نہیں کہا گیا۔ جبکہ محدثین، رسول یا نبی نہیں ہیں (یعنی ان دو عہدوں میں فرق ہے)۔[3]

شیخ طوسی نے بھی یہی بات قبول کی ہے وہ لکھتے ہیں: اور مریم پر ملائکہ کا ظہور... ہمارے نزدیک یہ جائز ہے کہ یہ خود مریم کے لیے معجزہ اور کرامت قرار پائے ہر چند کہ وہ نبیہ نہیں تھیں کیونکہ ہمارے (یعنی شیعوں کے) نزدیک صالحین و اولیاء کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر کرنا

---

[1] ایضاً: ج۱، ص۱۸۲.

[2] یوسف: ۱۰۹؛ نحل: ۴۳؛ انبیاء: ۷.

[3] ایضاً.

ممکن ہے۔[1]

امام خمینی بھی اپنے وصیت نامے میں لکھتے ہیں: اور ہم شیعہ اس پر افتخار کرتے ہیں کہ... خدا کی جانب سے یہ کتاب صحیفہ فاطمیہ جو زہرائے مرضیہ کے لیے الہام کی گئی، ہم سے مخصوص ہے۔[2]

اعتراض: جناب فاطمہؑ پر فرشتے کے نزول کو قبول کرنے کا لازمہ انہیں نبیہ ماننا ہے!

جواب: اس بات کو جان لینا چاہیے کہ کسی نبی اور غیر نبی کے درمیان پایا جانے والا فرق فقط جبرائیل کا نزول اور اس کا ہمکلام ہونا نہیں جیسا کہ اس سے قبل ہم نے بعض آیات نقل کی ہیں جن میں ملائکہ کے غیر نبی سے کلام کرنے کی جانب اشارہ موجود ہے۔ ایسے ہی اگر جبرائیل کسی شخص کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور وہ کلام کسی کتابی صورت میں جمع ہو جاتا ہے تو اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص پیغمبر اور اس کی کتاب آسمانی کتاب مثل توارات وانجیل وقرآن قرار پائے۔ کیونکہ آسمانی کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس کا مضمون کسی نبی پر اس عنوان سے کہ وہ نبی ہے وحی کیا جائے۔ لہذا جناب فاطمہؑ پر فرشتے کے نازل ہونے، اس کا ان سے ہمکلام ہونے، اور اس کے کلام کا امیر المومنینؑ کے توسط سے لکھے جانے کا لازمہ جناب سیدہؑ کا نبیہ ہونا نہیں۔

---

[1] التبیان: ج ۲، ص ۴۵۷.

[2] صحیفہ نور: ج ۲۱، ص ۱۷۱.

البتہ قرطبیؒ جو علمائے تفسیر اہلسنت میں سے ہیں وہ جناب مریمؑ سے ملائکہ کے کلام کرنے کی وجہ سے ان کے نبیہ ہونے کا قائل ہے۔[1] لیکن علمائے تشیع میں سے کسی ایک نے بھی اس کی رائے قبول نہیں کی اور ان میں سے کوئی بھی وحی اور ملائکہ کے کلام کرنے اور نبی ہونے میں تلازم کا قائل نہیں رہا۔ اس کے علاوہ جناب مریمؑ سے ہٹ کر جناب فاطمہؑ کی عدم نبوت پر دو محکم دلیلیں موجود ہیں، ایک تو یہ کہ آپ خاتون ہیں اور کوئی خاتون نبیہ کے طور پر نہیں بھیجی گئی دوم یہ کہ تمام مسلمانوں کی اتفاق نظر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی پیغمبر آنے والا نہیں، اس بنا پر ملائکہ بی بی کے ساتھ کلام کرتے تھے بغیر اس کے کہ آپ نبیہ تھیں۔

امام خمینی اس بارے میں اور مصحف فاطمہ کے کل موضوع کے بارے میں لکھتے ہیں: میں اپنے آپ کو جناب سیدہؑ کے بارے میں کلام کرنے سے قاصر سمجھتا ہوں، سوا الکافی میں معتبر سند سے نقل ہونے والی روایت نقل کرنے پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے وہی ابو عبیدہ کی روایت نقل کی، اس کے بعد فرماتے ہیں: روایت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ رفت و آمد ۷۵ دن تک جاری رہی، یعنی جبرائیل کا نزول و صعود بہت زیاد تھا، اور مجھے نہیں لگتا کہ اول درجے کے انبیاء کے سوا کسی کی شان میں ایسا مطلب نقل ہوا ہو جیسا شان فاطمہؑ میں وارد ہوا ہے کہ

---

[1] الجامع الاحکام القرآن: ج ۴، ص ۸۳.

جبرائیل امین ۷۵ دن کے دورانیہ میں مسلسل ان پر نازل ہوتے رہے اور وہ واقعات جو مستقبل میں رونما ہونے تھے اور جو ان کی ذریت پر وارد ہونا تھا ان سے بیان کرتے رہے اور جناب امیرؑ ان سب کو لکھتے رہے، اور جس طرح امیر المومنینؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی کے کاتب تھے ویسے ہی ان ۷۵ دنوں میں وحی سیدہ صدیقہ کے کاتب رہے۔ اور طبیعتاً احکام لانے کے معنی میں وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ختم ہوئی، کسی شخص کے پاس جبرائیل کا آنا کوئی چھوٹی بات نہیں پس یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ جبرائیل ہر کسی کے لیے نازل ہوا ہے یا ممکن ہے کہ نازل ہو کیونکہ اس کے نزول کا لازمہ اس شخص، جس پر وہ نازل ہو رہا ہے، کی روح کا خود جبرائیل، جو کہ روح اعظم ہے، کی روح کے ساتھ تناسب ہے۔ اور یہ تناسب اول درجے کے انبیاء جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عیسیٰؑ، موسیٰ و ابراہیمؑ کے درمیان پایا جاتا ہے، اور یہ ہر شخص کے لیے واقع نہیں ہوا اور ان کے بعد بھی یہ کسی کے لیے واقع نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے تو آئمہؑ کے بارے میں بھی نہیں دیکھا کہ جبرائیل ان پر اس طرح مسلسل نازل ہو، بلکہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ جبرائیل ۷۵ دنوں تک بصورت مکرر فقط زہراءؑ پر نازل ہوئے ہیں اور انہوں نے انہیں ان واقعات کی خبر دی جو ان کی ذریت کے ساتھ بہت جلدی پیش آنے والے تھے... بہر حال میں اس فضیلت و شرف کو باقی ان تمام فضیلتوں سے عظیم تر شمار کرتا ہوں جو زہراءؑ کے لیے ذکر کی گئی ہیں، ہر چند کہ یہ ساری ہی عظیم ہیں۔ کیونکہ ایسی فضیلت غیر انبیاء کے

لیے واقع نہیں ہوئی، بلکہ یہ تو ہر نبی کو بھی میسر نہیں آئی، اور فقط اول درجے کے انبیاء اور اول درجے کے اولیاء جو ان انبیاء کے درجے میں تھے، کے لیے ہی واقع ہوئی ہے۔[1]

محدث اور نبی کے درمیان فرق

کلینی نے صحیح سند کے ساتھ احول سے نقل کیا کہ: سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ ع عَنِ الرَّسُولِ وَ النَّبِيِّ وَ الْمُحَدَّثِ قَالَ الرَّسُولُ الَّذِي يَأْتِيهِ جَبْرَئِيلُ قُبُلًا فَيَرَاهُ وَ يُكَلِّمُهُ فَهَذَا الرَّسُولُ وَ أَمَّا النَّبِيُّ فَهُوَ الَّذِي يَرَى فِي مَنَامِهِ نَحْوَ رُؤْيَا إِبْرَاهِيمَ وَ نَحْوَ مَا كَانَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ص مِنْ أَسْبَابِ النُّبُوَّةِ قَبْلَ الْوَحْيِ حَتَّى أَتَاهُ جَبْرَئِيلُ ع مِنْ عِنْدِ اللَّهِ بِالرِّسَالَةِ وَ كَانَ مُحَمَّدٌ ص حِينَ جُمِعَ لَهُ النُّبُوَّةُ وَ جَاءَتْهُ الرِّسَالَةُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ يَجِيئُهُ بِهَا جَبْرَئِيلُ وَ يُكَلِّمُهُ بِهَا قُبُلًا وَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَنْ جُمِعَ لَهُ النُّبُوَّةُ وَ يَرَى فِي مَنَامِهِ وَ يَأْتِيهِ الرُّوحُ وَ يُكَلِّمُهُ وَ يُحَدِّثُهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونَ يَرَى فِي الْيَقْظَةِ وَ أَمَّا الْمُحَدَّثُ فَهُوَ الَّذِي يُحَدَّثُ فَيَسْمَعُ وَ لَا يُعَايِنُ وَ لَا يَرَى فِي مَنَامِهِ. میں نے امام باقرؑ سے رسول، نبی اور محدث کے فرق کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: رسول وہ ہے جس کے پاس جبرائیل سامنے سے آتا ہے اور اس سے کلام کرتا ہے، نبی وہ ہے جو جبرائیل کو خواب میں دیکھتا ہے جیسے ابراہیم کا خواب اور ویسے ہی جیسے رسول اللہ اسباب نبوت کے بارے میں وحی سے قبل خواب میں دیکھا کرتے تھے یہاں تک کہ جبرائیل خدا کی جانب سے ان کے پاس رسالت کا حکم لے کر آئے... البتہ محدث وہ ہے جس سے کلام کیا جاتا ہے اور وہ بات سنتا ہے لیکن وہ فرشتے کے روبرو نہیں

---

[1] صحیفہ نور: ج۱۹، ص۲۷۸.

ہوتا اور نہ اسے خواب میں دیکھتا ہے۔[1]

توضیح علامہ مجلسی: علامہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:... فرشتے کا رسول کو دیکھنا فقط حکم شرعی دریافت کرتے وقت سے مخصوص ہے اور نبی اور امام فرشتے کو اس اس حالت میں نہیں دیکھتے ہر چند کہ دوسری حالتوں میں وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔[2]

اس بات کی مؤید وہ روایات ہیں جو اس مطلب کی تصریح کرتی ہیں؛ من جملہ:

۱۔ صفار قمیؒ صحیح سند کے ساتھ داؤد بن فرقد سے نقل کرتے ہیں کہ: سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَ ﴿إِنَّا أَنْزَلْناهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَ ما أَدْراكَ ما لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ قَالَ نَزَلَ فِيهَا مَا يَكُونُ مِنَ السَّنَةِ إِلَى السَّنَةِ مِنْ مَوْتٍ أَوْ مَوْلُودٍ قُلْتُ لَهُ إِلَى مَنْ فَقَالَ إِلَى مَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ إِنَّ النَّاسَ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ فِي صَلَاةٍ وَ دُعَاءٍ وَ مَسْأَلَةٍ وَ صَاحِبَ هَذَا الْأَمْرِ فِي شُغُلٍ تَنَزَّلُ الْمَلائِكَةُ إِلَيْهِ بِأُمُورِ السَّنَةِ مِنْ غُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى طُلُوعِهَا ﴿مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلامٌ هِيَ﴾ لَهُ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ.

میں نے امام سے خدا کے اس کلام ﴿إِنَّا أَنْزَلْناهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَ ما أَدْراكَ ما لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾:[3] کے بارے میں سوال کیا، تو امام نے فرمایا: شب قدر میں اس سال سے لے کر اگلے سال تک جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے وہ نازل ہوتا ہے جیسے موت، پیدائش (وغیرہ) میں نے کہا:

---

[1] الکافی: ج ۱، ص ۱۷۶، ح ۳.

[2] مرآۃ العقول: ج ۲.

[3] قدر: ۱ و ۲.

کس پر نازل ہوتے ہیں؟ فرمایا کس پر نازل ہو سکتے ہیں: بے شک لوگ اس شب میں نماز و دعا و درخواست میں مشغول ہوتے ہیں اور صاحب ولایت (امام معصوم) ایک کام میں مصروف ہوتا ہے کہ فرشتے اس سال ہونے والے تمام واقعات کے ساتھ غروب آفتاب سے طلوع فجر تک اس پر نازل ہوتے ہیں۔[1]

۲۔ صفار قمی صحیح سند کے ساتھ ابو بصیر سے نقل کرتے ہیں کہ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ ع عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَ ﴿إِنَّ الَّذِينَ قالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ﴾ الْمَلائِكَةُ أَلَّا تَخافُوا ﴿وَ لا تَحْزَنُوا وَ أَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ قَالَ هُمُ الْأَئِمَّةُ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ. میں نے امام صادقؑ سے خدا کے اس قول: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ﴾ الْمَلائِكَةُ أَلَّا تَخافُوا ﴿وَ لا تَحْزَنُوا وَ أَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾[2] کے بارے میں پوچھا۔ امام نے فرمایا: یہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود آئمہ ہیں۔[3]

۳۔ صفار قمی علی بن حمزہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظمؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: مَا مِنْ مَلَكٍ يُهْبِطُهُ اللَّهُ فِي أَمْرٍ إِلَّا بَدَأَ بِالْإِمَامِ فَعَرَضَ ذَلِكَ عَلَيْهِ وَ إِنَّ مُخْتَلَفَ الْمَلَائِكَةِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى إِلَى صَاحِبِ هَذَا الْأَمْرِ. کوئی فرشتہ ایسا

---

[1] بصائر الدرجات: ص ۲۴۰، ح ۲.

[2] فصلت: ۳۰.

[3] ایضاً: ص ۱۱۳، ح ۱۵.

نہیں کہ خدا اسے کسی کام کے لیے بھیجے مگر یہ کہ وہ اس کام کی ابتداء امام (کی خدمت میں حاضر ہونے) سے کرتا ہے اور وہ کام امام پر پیش کرتا ہے اور بے شک خدا کی جانب سے صاحب ولایت کے پاس فرشتوں کی آمد ورفت لگی رہتی ہے۔[1]

اس روایت کی سند امام خمینی اور آیت اللہ مامقانی کے مبنٰی کے مطابق صحیح ہے۔

۴۔ صفار قمی دو صحیح اسناد سے عبد اللہ بن ابی یعفور سے نقل کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا: بے شک علیؑ محدث تھے، بے شک روز بنی قریظہ اور بنی النضیر جبرائیل علیؑ کی دائیں جانب اور میکائیل ان کی بائیں جانب تھے اور ان سے کلام کر رہے تھے۔[2]

البتہ تیسری خصوصیت کے بارے میں کہیں گے کہ نہ فقط یہ کہ دوسرے گروہ کی روایات پہلے گروہ کی روایات کی مفسر نہیں بلکہ برعکس پہلے گروہ کی روایات یعنی وہ روایات جو نزول جبرائیل اور فرشتے کے بارے میں بات کرتی ہیں دوسرے گروہ روایات کی مفسر ہیں جو کہ مصحف کو خدا کے بھیجے ہوئے اور رسول کی املا اور گفتار کی صورت میں متعارف کرواتی ہیں۔

[نتیجہ یہ ہے کہ اولا تو ان روایات سے جن میں مصحف کو رسول خدا کی املا اور گفتار کہا گیا ہے، اس سے مراد جبرائیل کی املا ہے، دوم جبرائیل کے کسی شخص پر نازل ہونے اور اس سے کلام کرنے کا لازمہ اس کا نبی ہونا نہیں۔]

---

[1] ایضاً: ص۱۱۵، ح۲۲.

[2] بصائر الدرجات: ص۳۴۱، ح۲ و ص۳۴۲، ح۷.

البتہ ہو سکتا ہے کہ ایک اعتراض یہاں پر کیا جائے اور وہ یہ کہ بعض صحیح السند روایات میں آیا ہے کہ جناب زہراءؑ نے اپنے والد کی وفات کے بعد بہت گریہ کیا اور وہ اپنے بابا کے غم میں نوحوں کی صورت میں اشعار بھی پڑھتی تھیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

قد كان جبرائيل بالآيات يؤنسنا فغاب عنا و كل الخير محتجب[1]

یہ شعر اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:

و كان جبرائيل روح القدس زائرنا فغاب عنا و كل الخير محتجب[2]

اور یہ کلام جناب زہراءؑ پر جبرائیل کے نزول کے ساتھ سازگار نہیں۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے: پہلے شعر کا جواب تو کاملاً واضح ہے کیونکہ اس میں کہا گیا ہے: جبرائیل آیات لانے کی وجہ سے ان سے انس رکھتے تھے اور اس قسم کا انس اور نزول آیات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد منقطع ہو گیا، کیونکہ اس کے بعد اب آیات نازل نہیں ہونگی۔

[البتہ دوسرے شعر کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ اس میں کہا گیا ہے: جبرائیل ان کا زائر تھا اور اب نہیں رہا۔ اولاً تو معلوم نہیں کہ جناب زہراءؑ نے یہ شعر کس موقع پر کہا ہے، اور یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مصحف کے نزول و املا سے پہلے کہا گیا شعر ہو۔ ثانیاً ''زائرنا'' سے خود

1 تفسیر قمی: ج۲، ص۱۵۷.

2 مناقب ابن شہر آشوب: ج۳، ص۳۶۱.

ذات جناب فاطمہؑ مراد نہیں بلکہ اس سے مراد جبرائیل کی ان کے گھر میں آمد و رفت تھی، جیسا کہ حدیث کساء کے واقعے میں بھی جبرائیل پنجتن کے ساتھ عبا میں داخل ہوئے تھے، اور کبھی آ کر امام حسینؑ کا جھولا جھلاتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے:

ان فی الجنة نهرا من لبن لعلی و لزهراء و حسين و حسن[1]

اور کبھی جناب سیدہؑ کی چکی چلایا کرتے تھے اور جب کبھی رسول اللہ ﷺ جناب سیدہؑ کے گھر تشریف لاتے تو یہ نزول وحی کے لیے ان کے پاس آتے، اور اگر ہم یہ مانیں کہ اہل بیت نے خود جبرائیل کو نہیں دیکھا تھا تو کم از کم وہ اپنے گھر میں ان کے وجود کو محسوس تو کرتے ہونگے اور اب وہ آمد و رفت قطع ہو گئی تھی البتہ یہ اس چیز سے منافات نہیں رکھتا کہ جبرائیل فقط ان کے پاس مصحف کی املا کے لیے آتے جاتے رہیں۔ ثالثاً پہلا شعر جس کی سند صحیح ہے سے دوسرے شعر کی مراد سمجھی جا سکتی ہے کہ جبرائیل کے غائب ہونے کا مطلب آیات کے نزول کا منقطع ہونا ہے جس کا نزول صحف سے کوئی لینا دینا نہیں اور یہ مسئلہ اس شعر کے جہت صدور کی جانب توجہ رکھنے سے کاملاً واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جناب سیدہؑ نے یہ شعر اپنے بابا کی مصیبت میں نوحے کے طور پر کہا ہے، پس یہاں جبرائیل کے نزول کے منقطع ہونے سے مقصود وہ قطع نزول ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مربوط تھا نہ کہ ہر نزول۔ رابعاً ہو سکتا ہے کہ "زائرنا"

[1] بے شک جنت میں ایک دودھ کی نہر ہے جو علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے لیے ہے۔

سے مراد کل مسلمین ہوں جو اس کے بعد برکت نزول سے محروم ہو گئے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو جنہیں ان کے نزدیکی خاندان سے نسبت دی گئی ہے اور اس طرح کی متعدد روایات موجود ہیں جن میں آئمہ فرماتے ہیں: قرآن ہم پر نازل ہوا ہے اور جن پر قرآن نازل ہوا ہے وہی اس کے معنی جانتے ہیں۔[1] جبکہ قرآن ان پر نہیں بلکہ ان کے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے، اور اس قسم کی نسبتیں روایات میں عام ہیں۔

تیسرا حصہ: مصحف فاطمہؑ کا متن

اعتراض ۱: روایات مصحف میں سے بعض میں آیا ہے کہ اس میں حلال و حرام کے بارے میں کوئی چیز نہیں آئی اور بعض دوسری میں وارد ہوا ہے کہ اس میں احکام شرعی بیان ہوئے ہیں یا اس سے حکم شرعی کا استفادہ کیا گیا ہے، اور یہ تعارض ہے۔

اعتراض ۲: جب مصحف فاطمہؑ لوگوں میں سے کسی ایک کی بھی دسترس میں نہیں تو پھر اس کے متن کے بارے میں بحث کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

پہلے اعتراض کا جواب: مصحف فاطمہؑ کے متن میں موجود مطالب جاننے کے لیے لازم ہے کہ اس سے مربوط روایات کی ایک ایک کر کے تحقیق کی جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کیا واقعاً ان میں تعارض پایا جاتا ہے یا نہیں؟

1علل الشرائع: ج۱، باب ۸۹، ح۵.

پہلی روایت: کلینی سند صحیح کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: وَ يُخْبِرُهَا عَنْ أَبِيهَا وَ مَكَانِهِ وَ يُخْبِرُهَا بِمَا يَكُونُ بَعْدَهَا فِي ذُرِّيَّتِهَا... اور جبرائیل فاطمہؑ کو ان کے والد کے مقامات اور ان کے بعد ان کی ذریت کو پیش آنے والے واقعات کی خبر دیتے تھے۔[1] صفار قمی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔[2]

[یہ روایت دو صحیح اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے، جو اس بات کی بیان گر ہے کہ مصحف کا ایک حصہ جناب فاطمہؑ کی ذریت کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں تھا، اور ہمارا یہ کہنا کہ یہ مطالب اس مصحف کا ایک حصہ تھے، یہ اس وجہ سے ہے کیونکہ روایت نے یہ نہیں کہا کہ اس کے مطالب فقط اسی پر مشتمل تھے یعنی اس میں ادوات شرط سے استفادہ نہیں کیا گیا اور کسی چیز کا اثبات اس کے غیر کی نفی کا مستلزم نہیں ہوتا۔ یعنی امام کے یہ کہنے سے کہ اس میں جناب سیدہؑ کی ذریت کے بارے میں مستقبل کے واقعات تھے، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی اور چیز موجود نہیں تھی بلکہ ممکن ہے کہ اس میں دوسرے مطالب بھی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ بھی ہوں، اور امام نے اس روایت میں اس بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا لہذا لازم ہے کہ دوسری روایات کی تحقیق کی جائے۔]

دوسری روایت: شیخ صدوق امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: كُنْتُ

---

[1] الکافی: ج۱، ص۲۴۱.

[2] بصائر الدرجات: ص۱۷۳، ح۶.

أَنْظُرُ فِي كِتَابِ فَاطِمَةَ ع فَلَيْسَ مَلِكٌ يَمْلِكُ إِلا وَ هُوَ مَكْتُوبٌ بِاسْمِهِ وَ اسْمِ أَبِيهِ فَمَا وَجَدْتُ لِوُلْدِ الْحَسَنِ فِيهِ شَيْئا. میں نے کتاب فاطمہ میں دیکھا ہے کوئی بادشاہ نہیں جو بادشاہی کرے مگر اس کا اور اس کے باپ کا نام اس میں نہ لکھا ہو، اور میں نے اس میں امام حسنؑ کی اولاد کے لیے بادشاہی کے سلسلے میں کوئی چیز نہیں دیکھی۔[1]

[یہ روایت اس چیز کی بیان گر ہے کہ آئمہ کے پاس ایک کتاب بنام کتاب فاطمہ تھی جس کا ایک حصہ تمام بادشاہوں کے دقیق طور سے ناموں پر مشتمل تھا۔ کیا اس کتاب سے مراد مصحف فاطمہؑ ہی ہے؟ فرض کیجیے کہ یہاں کتاب سے مراد وہی مصحف فاطمہ ہی ہے تو اس روایت اور اس سے قبل روایت کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ اس سے پہلی روایت میں بیان ہوا ہے کہ مصحف فاطمہ کے مطالب جناب فاطمہؑ کی ذریت کے واقعات کے بارے میں ہیں کہ بالطبع ان میں سے بعض مقدار خود بخود ان کے ادوار کے بادشاہوں سے متعلق ہو گی ، اور اس روایت میں بھی بیان ہوا ہے کہ اس مصحف کا بعض حصہ بادشاہوں کے ناموں پر مشتمل ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ اگر ہم کتاب فاطمہؑ اور مصحف فاطمہؑ کو ایک ہی جانیں، اس بنا پر ان کے درمیان منافات نہیں] لیکن بہر حال اس کی سند قاسم بن جوہری کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کے علاوہ حسین بن حسن بن ابان جو سید خوئی کے نزدیک ضعیف جبکہ

---

[1] علل الشرائع: ج۱، ص۲۰۷، ح۲.

مامقانی کے یہاں ثقہ ہے، نیز فضل بن سکرہ جسے سید خوئی نے مہمل جبکہ علامہ مامقانی نے حسن شمار کیا ہے۔

تیسری روایت: شیخ مفید بنا سند کے امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: وَ أَمَّا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ ع فَفِيهِ مَا يَكُونُ مِنْ حَادِثٍ وَ أَسْمَاءُ كُلِّ مَنْ يَمْلِكُ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةَ... مصحف فاطمہؑ میں ہر واقعہ اور تا قیامت بادشاہت کرنے والے ہر شخص کا نام درج ہے۔[1]

یہ روایت ضعیف السند ہے چونکہ مرسل ہے [البتہ مضمون کے اعتبار سے روایت قبل کی مؤید ہے جو مصحف کے ایک حصے کی بیان گر ہے]

چوتھی روایت: صفار قمی سلیمان بن خالد سے اور وہ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ فِي الْجَفْرِ الَّذِي يَذْكُرُونَهُ لَمَا يَسُوؤُهُمْ لِأَنَّهُمْ لَا يَقُولُونَ الْحَقَّ وَ الْحَقُّ فِيهِ فَلْيُخْرِجُوا قَضَايَا عَلِيٍّ ع وَ فَرَائِضَهُ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ وَ سَلُوهُمْ عَنِ الْخَالاتِ وَ الْعَمَّاتِ وَ لْيُخْرِجُوا مُصْحَفَ فَاطِمَةَ فَإِنَّ فِيهِ وَصِيَّةَ فَاطِمَةَ وَ مَعَهُ سِلَاحُ رَسُولِ اللَّهِ ص. بے شک جس جفر کا وہ ذکر کرتے ہیں اس میں ایک چیز ہے جس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے... اگر (مدعیان امامت) سچ کہتے ہیں تو وہ مصحف جس میں فاطمہؑ کی وصیت اور رسول اللہ ﷺ کی سلاح ہے، کو نمایاں کریں۔[2]

---

[1] الارشاد: ص ۲۷۴.

[2] بصائر الدرجات: ص ۱۷۸، ح ۲۱.

اس روایت کی سند صحیح ہے [اور یہ بیان کرتی ہے کہ آئمہ کے پاس ایک ایسی مصحف تھی جس میں جناب فاطمہؑ کی وصیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلاح تھا۔ کیا اس مصحف سے مراد بھی وہی مشہور مصحف فاطمہؑ ہے؟ ہم کہتے ہیں: مصحف سے مربوط تمام روایات میں کلمہ مصحف، بطور معرفہ اور کلمہ فاطمہ کے مضاف کے طور پر آیا ہے جبکہ اس روایت میں بطور نکرہ، اس طرح آیا ہے "مصحفا فيه وصية فاطمة" اور یہاں مصحف فاطمہؑ کے لیے کوئی ظہور موجود نہیں بلکہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کے مطالب میں سے ایک جناب سیدہؑ کی وصیت تھی، اور اس چیز کے شواہد میں سے کہ اس سے مراد کوئی اور مصحف ہے وہ روایات ہیں جو جفر کے بارے میں کلام کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلاح اس میں ہے۔[1] لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ سلاح جو اس میں موجود ہے، تو اس کا معاملہ مجمل ہے کیونکہ امام صادقؑ اس کے مطالب و متن کے بارے میں بات کر رہے ہیں جبکہ سلاح تو متن کا حصہ نہیں ہے مگر یہ کہ ہم کہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی خاص علم کے بارے میں ایک اصطلاح ہے اور اس کے بعد والی روایت کی جانب توجہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے کلمہ "معہ" رہ گیا ہے اور دراصل متن یوں تھا: وہ مصحف جس میں وصیت فاطمہ تھی اور اس کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلاح تھی۔

---

[1] ایضاً: ص ۱۷۴، ح ۹ و ۱۷۱، ح ۲.

لیکن فاطمہؑ کی وصیت سے کیا چیز مراد ہو سکتی ہے؟

الف) اگر فاطمہ سے بنت محمد ﷺ مراد ہیں تو وصیت سے مراد وہ نامہ ہو سکتا ہے جو جناب امیرؑ کو بی بی کی شہادت کے بعد ان کے سرہانے رکھا ملا تھا۔[1] ہو سکتا ہے کہ ان کے بچوں کے لیے ان کے اموال واو قاف کی وصیت ہو، ہو سکتا ہے کہ یہ وہی پارچہ ہو جس میں رسول اللہ ﷺ کی پانچ جملوں پر مشتمل نصیحت موجود تھی اور ہو سکتا ہے کہ وہ لوح ہو جس میں جابر ابن عبداللہ انصاری نے بارہ اماموں کے نام دیکھے تھے اور ہو سکتا ہے کہ یہ وہی مصحف فاطمہ ہو۔ آخری تین موارد کو وصیت کہنے کی وجہ ان کا ارث میں چھوڑنا ہے، جیسا کہ علامہ مجلسی اس کے بعد والی حدیث میں جس کا متن اسی کی شبیہ ہے، ایسے ہی تعلیقہ لگاتے ہیں: یعنی بی بی کی اپنے او قاف کے بارے میں وصیت یا جبرائیل کی انہیں ان کی ذریت کے بارے میں وصیت کرنا؛[2] لیکن چونکہ امامؑ کا کلام علائم امام حقیقی کے بارے میں ہے اور وہ وصیت فاطمہؑ کو بزرگی اور عظمت کے ساتھ یاد کر رہے ہیں جو اپنے حامل کی امامت کو ثابت کرنے والی ہے، لہذا امام کا منظور پہلے تین موارد تو نہیں ہو سکتے بلکہ چوتھے یا پانچویں مورد میں سے کوئی ایک ہے۔ یعنی وہ افراد جو امامت کا دعویٰ کرتے ہیں اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو وہ لوح جس میں آئمہؑ کے اسماء

---

[1] مقتل خوارزمی: ص ۸۵.

[2] مرآۃ العقول: ج ۳، ص ۵۹.

موجود ہیں اسے نمایاں کریں یا وہ مصحف جو فاطمہؑ پر نازل ہوا تھا، اسے نمایاں کریں، اور خدا بہتر جاننے والا ہے۔

ب) اگر یہاں فاطمہؑ سے مراد فاطمہ بنت امام حسینؑ ہیں، تو اس بارے میں ہم آگے چل کر تحقیق کریں گے، البتہ یہ احتمال بعید نہیں کیونکہ یہ روایت بنی الحسن کے بارے میں ہے اور مادر عبداللہ بن حسن فاطمہ بنت امام حسینؑ کے پاس امام حسینؑ کی ایک وصیت تھی جو مقام امامت سے مخصوص تھی اور فاطمہ نے اسے بعد والے امام کو سونپا تھا۔]

پانچویں روایت: صفار قمی یونس سے وہ ایک مرد سے اور وہ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں:

إِنَّ فِي الْجَفْرِ الَّذِي يَذْكُرُونَهُ لَمَا يَسُوؤُهُمْ لِأَنَّهُمْ لَا يَقُولُونَ الْحَقَّ وَ الْحَقُّ فِيهِ فَلْيُخْرِجُوا قَضَايَا عَلِيٍّ ع وَ فَرَائِضَهُ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ وَ سَلُوهُمْ عَنِ الْخَالاتِ وَ الْعَمَّاتِ وَ لْيُخْرِجُوا مُصْحَفَ فَاطِمَةَ فَإِنَّ فِيهِ وَصِيَّةَ فَاطِمَةَ وَ مَعَهُ سِلَاحُ رَسُولِ اللَّهِ ص.

عین یہی متن نقل کیا گیا ہے سوائے اس کے کہ اس کلام: "اس مصحف میں وصیت فاطمہ اور سلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے" کی جگہ یہ نقل کیا ہے: اس مصحف میں وصیت فاطمہ اور اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلاح ہے۔[1]

[دقت سے مطالعہ کرنے والے پر ان دو جملوں کا فرق واضح ہے جیسے کہ ہم نے اس سے قبل

[1] بصائر الدرجات: ص۱۷۷، ح۱۶.

پیش کی گئی روایت کے ذیل میں اس کی توضیح پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ اس روایت میں، کلمہ مصحف، بصورت معرفہ اور کلمہ فاطمہ کے مضاف کے طور پر آیا ہے، روایت قبل کے بر عکس کہ وہاں یہ بصورت نکرہ آیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ اس روایت کے مطابق مصحف فاطمہ کا ایک حصہ بی بی کی وصیت پر مشتمل تھا، جب کہ اس سے قبل پیش کی گئی روایت، جس کی سند بھی صحیح تھی، میں مصحف کے متن کے ضمن میں اس وصیت کا ذکر نہیں کیا گیا، کیا یہ تعارض نہیں؟]

اس کے جواب میں ہم کہیں گے: اس روایت کی سند مرسل ہے کیونکہ جس مرد سے یونس نے روایت نقل کی ہے اس کا نام بیان نہیں کیا، یونس اور ان کی طرح کے افراد کی مرسلات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: علمائے تشیع اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ یہ غیر ثقہ سے روایت نقل نہیں کرتے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ بات حجت ہے یا نہیں، آیت اللہ خوئی یہ بات قبول نہیں کرتے،[1] لہذا ان کے مبنٰی کے مطابق روایت کی سند ضعیف ہے۔

[دوم؛ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے یہ روایت متن کے لحاظ سے بالکل پہلی روایت جیسی ہے جس میں مصحف نکرہ کی صورت میں آیا تھا اور ہم نے کہا تھا کہ وہاں اس کا مصحف فاطمہ میں کوئی ظہور نہیں پایا جاتا، اور چونکہ ہم نہیں جانتے کہ کون سا متن درست ہے (("مصحفا فيه وصية فاطمة" یا "مصحف فاطمة فان فيه وصية فاطمة")) لہذا ہم اس

---

[1] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص ۶۴.

روایت کے متن سے تمسک اختیار نہیں کر سکتے جبکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اس سے قبل بیان کی گئی روایت کی سند صحیح ہے۔

سوم؛ ممکن ہے کہ اس جملے ((فان فيه وصية فاطمة)) میں ضمیر جفر کی جانب پلٹتی ہو نہ کہ مصحف کی جانب کیونکہ حدیث کے آغاز میں بات جفر کی ہو رہی ہے پس حدیث کہہ رہی ہے کہ ایک کتاب بنام جفر موجود ہے جس میں جناب فاطمہؑ کی وصیت بھی ہے اور اس صورت میں اس کا ہماری بحث سے کوئی ربط ہی نہیں۔

چہارم؛ علم اصول میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دو مثبت امور کے درمیان تعارض نہیں ہوتا ،مثال کے طور پر؛ اگر ایک شخص آئے اور کہے کہ کل خطیب جمعہ خطبے میں غدیر کا ذکر کر رہا تھا اور ایک دوسرا شخص آکر کہے کہ خطیب جمعہ خطبے میں حدیث ثقلین کی بابت بات کر رہا تھا، تو ان دو اقوال میں تعارض نہیں بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کا خطبہ دونوں باتوں پر مشتمل تھا، پہلے ناقل نے ایک حصہ جبکہ دوسرے نے دوسرا حصہ نقل کیا ہے۔ ہاں اگر پہلا ناقل ادوات حصر سے استفادہ کرے اور کہے خطیب جمعہ نے فقط یہی کہا ہے، تو اس وقت پہلے ناقل کی بات دوسرے ناقل کی بات سے متعارض ہو جائے گی لیکن یہ بات دلیل مثبتات سے خارج ہے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو روایت اول میں ادوات حصر سے استفادہ کیا گیا ہے اور نہ ہی روایت دوم میں، جو یہاں تعارض پیش آئے۔

لیکن انصاف یہ ہے کہ روایت اول اس امر کی بیان گر ہے کہ مصحف کے الفاظ جبرائیل کی جانب سے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وصیت فاطمہؑ مصحف کا جز نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ ہم کہیں: بی بی کی وصیت اس کے ملحقات کا جز تھی نہ کہ اس کے اصلی متن کا، البتہ ہم نے چوتھی روایت کے ذیل میں عرض کیا کہ معلوم نہیں کہ اس مصحف سے مراد وہی مشہور مصحف فاطمہؑ ہی ہے۔]

چھٹی روایت: صفار قمی حماد بن عثمان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے امام صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: تَظْهَرُ الزَّنَادِقَةُ فِي سَنَةِ ثَمَانِيَةَ وَ عِشْرِينَ وَ مِائَةٍ وَ ذَلِكَ لِأَنِّي نَظَرْتُ فِي مُصْحَفِ فَاطِمَةَ قَالَ فَقُلْتُ وَ مَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ ع فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى لَمَّا قَبَضَ نَبِيَّهُ ص دَخَلَ عَلَى فَاطِمَةَ مِنْ وَفَاتِهِ مِنَ الْحُزْنِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا مَلَكاً يُسَلِّي عَنْهَا غَمَّهَا وَ يُحَدِّثُهَا فَشَكَتْ ذَلِكَ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ع فَقَالَ لَهَا إِذَا أَحْسَسْتِ بِذَلِكَ فَسَمِعْتِ الصَّوْتَ فَقُولِي لِي فَأَعْلَمَتْهُ فَجَعَلَ يَكْتُبُ كُلَّمَا سَمِعَ حَتَّى أَثْبَتَ مِنْ ذَلِكَ مُصْحَفاً قَالَ ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ فِيهِ مِنْ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ وَ لَكِنْ فِيهِ عِلْمُ مَا يَكُونُ. زنادقہ سن ۱۲۸ ہجری میں ظاہر ہونگے اور یہ اس لیے ہے کیونکہ میں نے مصحف فاطمہؑ میں یہ دیکھا ہے۔ میں نے کہا: یہ مصحف فاطمہؑ کیا ہے؟ فرمایا: جب خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح قبض کی تو ان کی وفات سے جناب فاطمہؑ پر بہت زیادہ حزن کی کیفیت وارد ہوئی جسے خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ خدا نے ایک فرشتہ ان کی جانب بھیجا تا کہ انہیں اس غم کی تسلیت پیش کرے، وہ ان کے ساتھ کلام کرتا تھا اور فاطمہؑ اس (علامہ مجلسی کے ترجمے کے مطابق) کی خبر امیر المومنینؑ کو دیتی تھیں۔ یہاں تک

کہ فرماتے ہیں: آگاہ ہو جا کہ خدا کی قسم اس میں حلال و حرام میں سے کوئی چیز موجود نہیں بلکہ اس میں آئندہ واقع ہونے والی تمام چیزوں کا علم ہے۔[1]

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے؛ جو علامہ مجلسی ومامقانی کے مطابق ضعیف جبکہ سید خوئی کے مطابق ثقہ ہے کیونکہ یہ علی بن ابراہیم کی اسناد میں موجود ہے۔

[یہ روایت بیان کرتی ہے کہ مصحف فاطمہؑ احکام کی کتاب نہیں تھی بلکہ اس میں آئندہ پیش آنے والے واقعات موجود تھے۔ جبکہ پہلی روایت میں کہا گیا تھا کہ اس میں ان حوادث کا ذکر ہے جو ذریت فاطمہؑ کو پیش آئیں گے۔ کیا یہ تعارض نہیں ہے؟

جواب میں ہم کہیں گے: اگر پہلی روایت میں ادوات حصر جیسے فقط وغیرہ سے استفادہ کیا جاتا تو تعارض پیش آسکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا، اور پہلی روایت میں آئندہ پیش آنے والے بعض واقعات کی بات کی گئی ہے اور دوسری روایت میں تمام واقعات کی۔ اور ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ دو مثبت دلیلوں میں تعارض پیش نہیں آتا۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ فلاں کتاب کن مطالب پر مشتمل ہے اور ایک فرد کہے کہ: فضائل جناب فاطمہؑ پر اور دوسرا شخص جواب دے کہ فضائل چہاردہ معصومینؑ پر تو ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ پہلے نے اس کے بعض مطالب کے بارے میں بات کی ہے جبکہ دوسرے نے کل مطالب کے بارے میں

[1] بصائرالدرجات: ص۱۷۷، ح۱۸.

جواب دیا ہے۔ اب یہ کہ پہلے نے کس وجہ سے بعض اور دوسرے نے سارے مطالب کی جانب اشارہ کیا، اور کیا وجہ بنی کہ ایک عام سوال کا جواب خاص دیا گیا، تو یہ ایک الگ مطلب ہے جس کا بیان اس کتاب سے تناسب نہیں رکھتا، البتہ بہر حال اس کا تعارض سے کوئی لینا دینا نہیں۔]

ساتویں روایت: صفار قمی محمد بن سنان سے اور وہ تین افراد یعنی داؤد بن سرحان، یحییٰ بن معمر اور علی بن ابی حمزہ سے اور وہ ولید بن صبیح سے روایت کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: اے ولید میں نے مصحف فاطمہؑ میں دیکھا ہے، اس میں فلاں خاندان کے بارے میں حکومت میں کوئی حصہ نہیں مگر جوتے پر جمی دھول کے برابر (یعنی نہ ہونے کے برابر)۔[1]

محمد بن سنان نے یہ روایت تین افراد سے نقل کی ہے:

یحییٰ بن معمر، جو مہمل ہے؛

علی بن ابی حمزہ جو آیت اللہ خوئی کے یہاں ضعیف لیکن امام خمینی اور علامہ مامقانی کے یہاں اس کی خبر پر عمل کیا جاتا ہے؛

داؤد بن سرحان، جو ثقہ ہے۔

خود محمد بن سنان آیت اللہ خوئی کے یہاں ضعیف ہے لیکن امام خمینی اور علامہ مامقانی کے

[1] بصائر الدرجات: ص۱۷۰، ح۱۔

یہاں اس کی خبر پر عمل کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ کہ یہ روایت سید خوئی کے مطابق ضعیف اور امام خمینی و مامقانی کے مطابق صحیح ہے۔

[یہ روایت بھی دوسری اور تیسری روایت کی طرح اس بات کی بیان گر ہے کہ مصحف کا ایک حصہ بادشاہوں کے ناموں پر مشتمل ہے اور ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ ان روایات اور پہلی روایت کے مضمون میں کوئی تعارض نہیں]

اٹھویں روایت: کلینی امام باقرؑ و صادقؑ سے تین روایات نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک کتاب یا صحیفہ لاتے ہیں اور اس میں سے جناب فاطمہؑ کی وصیت پڑھتے ہیں۔[1]

اس تینوں روایات کی سند صحیح ہے، لیکن اس سے زیادہ سے زیادہ جو چیز سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ کی وصیت ایک کتاب میں لکھی ہوئی تھی جس سے دیکھ کر امام نے اسے پڑھا، البتہ اس بات کا ذرا سا بھی ظہور نہیں کہ وہ وہی مصحف فاطمہؑ تھی۔

نویں روایت: کلینی حبیب خثعمی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے: كَتَبَ أَبُو جَعْفَرٍ الْمَنْصُورُ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ وَ كَانَ عَامِلَهُ عَلَى الْمَدِينَةِ أَنْ يَسْأَلَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ عَنِ الْخَمْسَةِ فِي الزَّكَاةِ مِنَ الْمِائَتَيْنِ كَيْفَ صَارَتْ وَزْنَ سَبْعَةٍ وَ لَمْ يَكُنْ هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ص وَ أَمَرَهُ أَنْ يَسْأَلَ فِيمَنْ يَسْأَلُ- عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَسَنِ وَ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ ع قَالَ فَسَأَلَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَقَالُوا أَدْرَكْنَا مَنْ كَانَ قَبْلَنَا عَلَى هَذَا فَبَعَثَ إِلَى

---

[1] الکافی: ج۷، ص۴۸، ح۵و۶.

عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَسَنِ وَ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ع فَسَأَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَسَنِ فَقَالَ كَمَا قَالَ الْمُسْتَفْتَوْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ فَقَالَ مَا تَقُولُ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ص جَعَلَ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ أُوقِيَّةً أُوقِيَّةً فَإِذَا حَسَبْتَ ذَلِكَ كَانَ عَلَى وَزْنِ سَبْعَةٍ وَ قَدْ كَانَتْ وَزْنَ سِتَّةٍ وَ كَانَتِ الدَّرَاهِمُ خَمْسَةَ دَوَانِيقَ قَالَ حَبِيبٌ فَحَسَبْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ كَمَا قَالَ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَسَنِ فَقَالَ مِنْ أَيْنَ أَخَذْتَ هَذَا قَالَ قَرَأْتُ فِي كِتَابِ أُمِّكَ فَاطِمَةَ. منصور دوانیقی نے محمد بن خالد کو جو مدینے میں اس کا کارندہ تھا ایک نامہ لکھا کہ اہل مدینے سے زکات کے بارے میں مسئلہ پوچھے، وہ مسئلہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا۔ اس نے حکم دیا کہ یہ مسئلہ عبداللہ ابن حسنؑ اور امام صادقؑ سے بھی پوچھے۔ اہل مدینہ سے پوچھا تو ان سب نے جواب دیا: جو لوگ ہم سے پہلے تھے ہم نے انہیں اس طریقے پر پایا ہے۔ اس کے بعد محمد بن خالد نے کسی کو عبداللہ بن حسن اور امام صادقؑ کے پاس بھیجا۔ عبد اللہ بن حسن نے اہل مدینہ کے جیسا ہی جواب دیا۔ محمد بن خالد نے امام صادقؑ سے کہا: اے ابا عبداللہ! آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ امام نے فرمایا:... یہاں تک کہ عبداللہ بن حسن نے امام کا رخ کیا اور کہا: آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے دریافت کیا؟ امام نے فرمایا: میں نے یہ بات تمہاری ماں فاطمہؑ کی کتاب میں پڑھی ہے۔[1]

اس روایت کی سند سلمہ بن خطاب کی وجہ سے ضعیف ہے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ کی ایک کتاب تھی جس میں احکام کے بارے میں بھی کلام ہوا تھا، لیکن کیا اس سے منظور وہی مصحف فاطمہؑ ہے؟ اگر یہ کتاب وہی مصحف فاطمہ ہو تو اس روایت کا مضمون

[1] الکافی: ج۳، ص۵۰۷، ح۲.

چھٹی روایت سے تعارض رکھتا ہے کیونکہ اس میں تصریح کی گئی تھی کہ اس مصحف میں حلال و حرام کے بارے میں کوئی چیز نہیں تھی۔

جواب: اول؛ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اس روایت کی سند ضعیف ہے، اور ایک ضعیف السند روایت ایک صحیح السند روایت کے ساتھ تعارض پیدا نہیں کر سکتی اور ایسے ہی چھٹی سند کی روایت بھی آیت اللہ خوئی کے یہاں صحیح ہے جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

دوم؛ تعارض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں روایات ظہور کے ایک سے مرتبے پر ہوں جبکہ چھٹی روایت مصحف ہونے کے معاملے میں نص ہے اور تصریح کرتی ہے کہ مصحف کے بارے میں بات کر رہی ہے لیکن یہ روایت ظاہر ہے لیکن تصریح نہیں کرتی کہ کتاب فاطمہؑ سے منظور وہی مصحف فاطمہؑ ہے، اور نص، ظاہر کے ساتھ تعارض پیدا نہیں کرتی، اور کم از کم یہ دونوں ظاہر اور اظہر ہیں اور ظاہر و اظہر کے درمیان تعارض پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آیت اللہ خوئی اور امام خمینی نے اس کی تصریح کی ہے۔[1] [البتہ انصاف یہ ہے کہ مذکورہ روایات مصحف کے بارے میں ظہور بھی نہیں رکھتی] اب اگر ہم یہ قبول بھی کر لیں کہ یہ دونوں روایات ظہور و بیان کے ایک ہی درجے میں ہیں تب بھی تعارض پیدا نہیں ہو گا کیونکہ تعارض اس جگہ پیش آتا ہے جہاں دو روایات کا مضمون جمع نہ کیا جا سکتا ہو جبکہ یہاں انہیں جمع کرنا ممکن

---

[1] مصباح الاصول: ج ۳، ص ۳۵۲؛ الرسائل: ج ۲، ص ۱۸۔

ہے اور ایسی وجوہات موجود ہیں جو تعارض کو ختم کر سکتی ہیں؛ من جملہ:

پہلی وجہ: عموم روایات مصحف میں لفظ مصحف آیا ہے، جبکہ یہاں لفظ کتاب آیا ہے اور معلوم نہیں کہ یہاں کتاب فاطمہؑ سے مراد وہی مصحف ہے بالخصوص ان روایات کی جانب توجہ رکھتے ہوئے جن میں صدیقہ طاہرہؑ کی دوسری باقی ماندہ کتب و نوشتہ جات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے بعض کی جانب ہم اس سے قبل اشارہ کر چکے ہیں۔

علامہ مجلسی نے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی احتمال پیش کیا ہے کہ یہ امکان ہے کہ کتاب فاطمہؑ مصحف فاطمہ کے علاوہ ہو۔[1] اور ہر چند کہ ہم اس چیز کے درپے نہیں کہ جناب فاطمہؑ کے لیے مصحف کے علاوہ کسی اور کتاب کا وجود ثابت کریں لیکن اسی قدر کہ اس کا احتمال موجود ہے، تو اس احتمال کے پیش نظر مصحف فاطمہ میں احکام کے وجود پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

[دوسری وجہ: چھٹی روایت جو یہ کہتی ہے کہ مصحف میں حلال و حرام سے متعلق احکامات موجود نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ بصورت مستقل اس میں احکام بیان نہیں ہوئے، یعنی یہ کتاب احکام کی خاطر صادر نہیں ہوئی نہ یہ کہ اس سے کوئی حکم استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی نویں روایت میں بھی اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ہوئی کہ اس کتاب میں احکام شرعی

[1] الاربعین: ص ۵٦۰.

موجود ہیں بلکہ فقط یہی بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن حسن نے امام سے پوچھا: یہ حکم آپ کو کہاں سے ملا؟ اور امام نے فرمایا: تمہاری ماں فاطمہ کی کتاب سے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس کتاب میں احکام شرعی بیان ہوئے تھے، بلکہ فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس کتاب سے سمجھا جا سکتا ہے، لیکن کیا اس سے دوسرے احکامات یا بقیہ سارے احکامات شرعی بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں؟ تو اس بارے میں روایت خاموش ہے اور کچھ نہیں کہتی۔]

اور یہی وجہ ہے کہ علامہ مجلسی نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: احتمال ہے کہ چھٹی روایت سے مراد یہ ہے کہ اس مصحف میں مستقلاً کوئی حکم شرعی بیان نہیں ہوا البتہ اس بات میں کوئی منافات نہیں کہ مصحف میں وارد ہوئے بعض اخبار سے بعض احکام کا استنباط کیا جا سکے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر روایت سے کوئی نہ کوئی حکم سمجھا جا سکتا ہے۔[1] [اس کے علاوہ پہلی روایت جس کی سند بھی صحیح ہے، اس میں آیا ہے کہ اس میں جناب سیدہؑ کی ذریت سے متعلق واقعات ہیں، اگر ہم اس کے مطلب کی جانب توجہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ان واقعات میں سے ایک یہی واقعہ تھا جو امام صادقؑ کے ساتھ پیش آیا۔ پس پہلی روایت کے مضمون کی جانب توجہ رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ منصور دوانیقی کا محمد بن خالد کو خط لکھ کر مسئلہ دریافت کرنا اور کہنا کہ امام صادقؑ سے بھی اس کا جواب لو، یہ پورے کا پورا واقعہ بھی مصحف میں آیا ہے اور امام کے

[1] ایضاً: ص ۵۵۹.

یہ کہنے سے کہ: میں نے اسے تیری ماں فاطمہ کی کتاب میں دیکھا ہے، یہی مراد ہو اور خدا بہتر جانتا ہے۔ اس بنا پر نویں روایت نہ فقط یہ کہ چھٹی روایت سے تعارض نہیں رکھتی بلکہ پہلی روایت کے ساتھ کاملاً سازگار بھی ہے۔]

تیسری وجہ: یہ بھی معلوم نہیں کہ یہاں فاطمہ سے مراد جناب زہراءؑ ہی ہے یا نہیں، کیونکہ امام صادقؑ نے عبداللہ بن حسن سے فرمایا: میں نے یہ تیری ماں فاطمہ کی کتاب میں پڑھا ہے۔ امام نے یہ نہیں کہا کہ: تیری جدہ فاطمہ یا ہماری ماں فاطمہ، اور چونکہ عبداللہ بن حسن کی والدہ فاطمہ بنت امام حسینؑ تھیں لہذا بعید نہیں کہ فاطمہ بنت امام حسینؑ نے ایک کتاب میں اپنے والد یا بھائی امام سجادؑ کی احادیث جمع کی ہوں جن میں حلال و حرام کے بارے میں کلام کیا گیا ہو، ممکن ہے کہ امام صادقؑ نے یہ حکم اس کتاب یا وہ کتاب جو فاطمہ بنت امام حسینؑ کے پاس تھی، میں دیکھا ہو۔

یہ احتمال نہ فقط یہ کہ بعید نہیں بلکہ ان روایات کی جانب توجہ کرنے کے بعد جو اس زمینے میں وارد ہوئی ہیں اس کا امکان بہت قوی ہو جاتا ہے۔ وہ روایات جو کہتی ہیں کہ امام حسینؑ نے کربلا میں شہادت سے قبل ایک کتاب جامع جو حلال و حرام کے مسائل سے مخصوص تھی اپنی بیٹی فاطمہ (مادر عبداللہ بن حسن) کو امانتاً دی تھی؛ من جملہ:

الف) کلینی ابی الجارود سے اور وہ امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ ع لَمَّا حَضَرَهُ الَّذِي حَضَرَهُ دَعَا ابْنَتَهُ الْكُبْرَى فَاطِمَةَ بِنْتَ الْحُسَيْنِ

ع فَدَفَعَ إِلَيْهَا كِتَاباً مَلْفُوفاً وَ وَصِيَّةً ظَاهِرَةً وَ كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ع مَبْطُوناً مَعَهُمْ لَا يَرَوْنَ إِلَّا أَنَّهُ لِمَا بِهِ فَدَفَعَتْ فَاطِمَةُ الْكِتَابَ إِلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ع ثُمَّ صَارَ وَ اللَّهِ ذَلِكَ الْكِتَاب إِلَيْنَا يَا زِيَادُ قَالَ قُلْتُ مَا فِي ذَلِكَ الْكِتَابِ جَعَلَنِيَ اللَّهُ فِدَاكَ قَالَ فِيهِ وَ اللَّهِ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ وُلْدُ آدَمَ مُنْذُ خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ إِلَى أَنْ تَفْنَى الدُّنْيَا وَ اللَّهِ إِنَّ فِيهِ الْحُدُودَ حَتَّى إِنَّ فِيهِ أَرْشَ الْخَدْشِ. جب امام حسینؑ کی شہادت کا وقت آن پہنچا تو امام حسینؑ نے اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کو طلب کیا اور ایک سربستہ تحریر اور ظاہری وصیت ان کے حوالے کی جبکہ علی بن الحسینؑ ایسے بیمار تھے کہ ان کی صحت یابی کی امید نہ تھی۔ اس کے بعد فاطمہ نے وہ کتاب علی بن الحسینؑ کو دے دی، خدا کی قسم وہ کتاب ہم تک پہنچی ہے۔ میں نے کہا: خدا مجھے آپ پر قربان کرے اس کتاب میں کیا ہے؟ فرمایا: خدا کی قسم ہر وہ چیز جس کی آدم زاد کو خلقت آدم سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک ضرورت ہے اس کتاب میں ہے، خدا کی قسم اس میں احکامات حدود بھی موجود ہیں یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت بھی موجود ہے۔[1]

ب) کلینی ابی الجارود سے روایت کرتے ہیں کہ امام باقرؑ نے فرمایا: لَمَّا حَضَرَ الْحُسَيْنَ ع مَا حَضَرَهُ دَفَعَ وَصِيَّتَهُ إِلَى ابْنَتِهِ فَاطِمَةَ ظَاهِرَةً فِي كِتَابٍ مُدْرَجٍ فَلَمَّا أَنْ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحُسَيْنِ ع مَا كَانَ دَفَعَتْ ذَلِكَ إِلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ع قُلْتُ لَهُ فَمَا فِيهِ يَرْحَمُكَ اللَّهُ فَقَالَ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ وُلْدُ آدَمَ مُنْذُ كَانَتِ الدُّنْيَا إِلَى أَنْ تَفْنَى. جب امام حسینؑ کی شہادت کا وقت ہوا، تو انہوں نے اپنی وصیت ایک کتاب میں کر کے اپنی بیٹی فاطمہ کے حوالے کی، اور

---

[1] اصول کافی: ج۱، ص ۳۰۳؛ اسی سے نزدیک تر مضمون بصائر الدرجات: ص ۱۶۷، ح ۹، ص ۱۸۳، ح ۳، ص ۱۸۴، ح ۶ و ص ۱۸۸، ح ۲۲ میں بھی وارد ہوا ہے۔

جب امام حسینؑ کا معاملہ وہاں تک پہنچ گیا جہاں تک مقدر تھا، تو فاطمہ نے یہ کتاب علی بن الحسینؑ کو دے دی۔ میں نے عرض کیا خدا آپ پر رحمت کرے، اس کتاب میں کیا تھا؟ فرمایا: جب سے دنیا وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کر اس کے فانی ہونے تک جس جس چیز کی آدم زاد کو ضرورت ہے (اس میں موجود ہے)۔[1]

[رہی یہ بات کہ امام صادقؑ نے اسے کتاب فاطمہ کیوں کہا اور اس کتاب کا اصلی نام کیا تھا؟ تو اس کے لیے دو وجوہات بیان کی جاسکتی ہیں:

پہلی وجہ: چونکہ یہ کتاب فاطمہ بنت امام حسینؑ کو دی گئی تھی اور یہ ایک مدت تک ان کے پاس رہی تھی۔ ایسے ہی ہم نے چوتھی روایت کے ذیل میں بھی اس احتمال کا ذکر کیا تھا کہ وصیت فاطمہ سے مراد یہ وصیت بھی ہو سکتی ہے جو فاطمہ بنت امام حسینؑ کے ہاتھ میں تھی، جس میں حکم امامت تھا اور انہوں نے اسے اپنے والد سے حاصل کیا تھا اور بعد والے امام کے سپرد کیا تھا، اور اس قسم کی نسبتیں عرفاً بعید نہیں ہیں۔

دوسری وجہ: بعض روایات اور تواریخ کے مطابق بنی الحسن میں امامت میں حصہ دار ہونے کے حوالے سے چہ مگویاں تھیں، ان کا کہنا تھا کہ حسنؑ و حسینؑ دونوں ہی امام تھے، پس ان کے بعد امامت فقط امام حسینؑ کی اولاد کو کیوں ملے اور ہم اس میں شریک نہ ہوں لہذا ہم بھی امامت

[1] اصول کافی: ج۱، ص ۳۰۳؛ اسی سے نزدیک تر مضمون بصائر الدرجات: ص ۱۶۷، ح۹، ص ۱۸۳، ح۳، ص ۱۸۴، ح۶ و ص ۱۸۸، ح ۲۲ میں بھی وارد ہوا ہے۔

میں حصہ دار ہیں۔ شاید امام صادقؑ اپنے اس کلام: ''میں نے یہ تیری ماں فاطمہ کی کتاب میں پڑھا ہے'' میں کنایہ فرمارہے ہیں کہ تم لوگ جو امر امامت میں شریک ہونے کا ادعا کرتے ہو، امامت سے مخصوص کون سی کتاب اپنے پاس رکھتے ہو؟ یہاں تک کہ جو کتاب تمہاری ماں فاطمہ بنت امام حسینؑ کے پاس تھی وہ بھی اب ہمارے ہاتھ میں ہے نہ کہ تمہارے پاس۔ اور ایسے ہی چوتھی اور پانچویں روایت کا آغاز جسے ہم نے نقل نہیں کیا، وہ بھی اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے کہ امام نے فرمایا: اگر یہ سچ کہتے ہیں کہ (امر امامت میں شریک ہیں) پس کتاب قضاوت علیؑ اور فرائض علیؑ پیش کریں۔ یعنی ان لوگوں کے پاس نبوت وامامت کے ودائع میں سے کوئی چیز نہیں، لہذا ان کا ادعا باطل ہے۔ واللہ العالم.

اور یہ بات کہ اس کتاب کا نام کیا تھا تو ہم بعد میں بیان کریں گے کہ متعدد روایات کے مطابق اس کتاب کا نام جامعہ ہے۔]

دسویں روایت: کلینی حسین بن ابی علاء سے اور وہ امام صادقؑ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام سے سنا کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ عِنْدِي الْجَفْرَ الْأَبْيَضَ قَالَ قُلْتُ فَأَيُّ شَيْءٍ فِيهِ قَالَ زَبُورُ دَاوُدَ وَ تَوْرَاةُ مُوسَى وَ إِنْجِيلُ عِيسَى وَ صُحُفُ إِبْرَاهِيمَ ع وَ الْحَلَالُ وَ الْحَرَامُ وَ مُصْحَفُ فَاطِمَةَ مَا أَزْعُمُ أَنَّ فِيهِ قُرْآناً وَ فِيهِ مَا يَحْتَاجُ النَّاسُ إِلَيْنَا وَ لَا نَحْتَاجُ إِلَى أَحَدٍ حَتَّى فِيهِ الْجَلْدَةُ وَ نِصْفُ الْجَلْدَةِ وَ رُبُعُ الْجَلْدَةِ وَ أَرْشُ الْخَدْش.

میرے پاس جفر ابیض ہے۔ میں نے کہا: اس میں کیا ہے؟ فرمایا: داؤد کی زبور، موسیٰ کی تورات، عیسیٰ کی انجیل، ابراہیم کے صحف، حلال و حرام اور مصحف فاطمہ، ہم دعویٰ نہیں

کرتے کے اس میں قرآن ہے، اس میں وہ ہے جس کی لوگ ہماری طرف نیاز مندی رکھتے ہیں لیکن ہم کسی کی جانب نیاز مندی نہیں رکھتے یہاں تک کہ اس میں ایک تازیانے کی دیت، آدھے تازیانے کی دیت، ایک چہارم تازیانے کی دیت اور ایک خراش کی دیت بھی موجود ہے۔[1]

اس روایت کی سند صحیح ہے، لیکن اس کی دلالت میں بعض افراد نے گمان کیا ہے کہ ((فیه الجلدة)) میں موجود ضمیر مصحف فاطمہؑ کی جانب پلٹتی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں: اور مصحف فاطمہؑ میں ایک تازیانے، نصف تازیانے، ایک چہارم تازیانے اور ایک خراش تک کی بھی دیت موجود ہے۔ اور یوں انہوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ: یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ مصحف میں احکام شرعی بیان ہوئے ہیں، اور یوں اس روایت میں اور چھٹی روایت جو کہتی ہے کہ مصحف میں حلال و حرام میں سے کوئی چیز مذکور نہیں، ان دونوں میں تعارض موجود ہے۔ [لیکن یہ گمان چند دلائل کی بناپر واضح البطلان ہے:

پہلی دلیل: جیساکہ ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں امام اس سے قبل کہ مصحف فاطمہؑ کا نام لیں، جفر ابیض کے بارے میں فرماتے ہیں: اس میں صحف ابراہیم اور حلال و حرام ہے، پس معلوم ہوتا ہے کہ تمام حلال و حرام اور احکام شرعی اس جانب توجہ رکھتے ہوئے کہ الحلال والحرام میں الف لام جنس کا ہے، جفر ابیض میں ہے نہ کہ مصحف فاطمہؑ میں، نتیجتاً بعد کا جملہ جو کہتا ہے: ((فیه

---

[1] الکافی: ج۱، ص ص ۲۴۰، ح۳۔

الجلدۃ و...)) وہ جفر ابیض سے متعلق امور کی توضیح کے لیے ہے اور ضمیر جفر ابیض کی جانب پلٹتی ہے اور اس میں توضیح دی جارہی ہے کہ حلال و حرام کلیات کا بیان نہیں بلکہ تمام جزئیات کا بھی اس میں ذکر ہے یہاں تک کہ ایک چوتھائی تازیانے کی دیت کا حکم بھی، اور یہ بات کاملاً آشکار ہے۔

دوسری دلیل: راوی جفر ابیض سے متعلق سوال کر رہا ہے نہ کہ مصحف کے بارے میں جو امام اس کی توضیح دیں] اور روایت کا سیاق اور اس کے مطالب سے ارتباط یہی بتاتا ہے کہ کل روایت جفر ابیض کی توضیح سے متعلق ہے اور جملہ: ((وما ازعم انّ فیہ قرآنا)) مصحف کی توصیف میں جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے تاکہ قرآن اور اس کے درمیان مصحف کے مشترک لفظی کی وجہ سے مصحف کے قرآن ہونے کا توہم دور ہو سکے۔

[تیسری دلیل: جفر کے مطالب کی توضیح میں وارد شدہ بعض روایات میں تصریح ہوئی ہے کہ اس میں ہر وہ چیز ہے جس کے لوگ حلال و حرام میں محتاج ہیں، پس اس طرح ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ''فیہ'' کی ضمیر بھی جفر کی طرف ہی پلٹتی ہے اور جملہ: '' وفیہ مایحتاج... فیہ الجلدۃ'' جفر سے متعلق ہے نہ کہ مصحف فاطمہؑ سے متعلق۔ من جملہ بصائر الدرجات میں روایت وارد ہوئی ہے کہ امام نے فرمایا: جفر میں کتابیں ہیں اور وہ سب کچھ جس کی حلال و حرام میں سے

لوگوں کو قیامت تک احتیاج ہے۔[1] اس روایت کی زبان بھی بالکل دسویں روایت کی سی ہے سوائے اس کے کہ اس میں الگ الگ کتابوں کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اس میں کہا گیا ہے: اس میں کتابیں ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ امام نے فرمایا: کوئی ایسی چیز نہیں جس کی لوگوں کو احتیاج ہو اور وہ اس میں موجود نہ ہو۔[2]

پس معلوم ہوا کہ لوگوں کی احتیاج کی تمام چیزیں اور حلال و حرام جس چیز میں ہے وہ کتاب جفر ہے نہ کہ مصحف فاطمہؑ، نتیجتاً " فیہ مایحتاج" اور "فیہ الجلدۃ" کی ضمیر جفر کی جانب پلٹتی ہے نہ کہ مصحف کی جانب، نیز مصحف میں کوئی شرعی حکم نہیں آیا اور ان دو روایات میں کوئی تعارض نہیں۔]

چوتھی دلیل: اس روایت کے آخر میں خراش کی دیت کے بارے میں کلام وارد ہوا ہے، اور ایک متتبع شخص سے پوشیدہ نہیں کہ خراش کی دیت کے بارے میں کلام متعدد روایات کے مطابق جفر و جامعہ میں وارد ہوا ہے اور یہاں سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ " حتی فیہ الجلدۃ... و ارش الخدش" کی ضمیر جفر ابیض کی جانب پلٹتی ہے جو دیگر روایات کے مطابق خراش کی دیت سے متضمن ہے نہ کہ مصحف فاطمہؑ۔ اس حوالے سے چند روایات کی جانب توجہ کیجیے:

---

[1] بصائر الدرجات: ص ۱۷۶، ح ۱۵۔

[2] ایضاً: ص ۱۷۵، ح ۱۲۔

الف) صفار قمی نے جفر کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جس میں امام نے فرمایا: مَا مِنْ شَيْءٍ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ إِلَّا وَ هُوَ فِيهِ حَتَّى أَرْشُ الْخَدْشِ. کوئی چیز ایسی نہیں جس کی لوگوں کو احتیاج ہو اور وہ جفر میں موجود نہ ہو یہاں تک کہ خراش کی دیت بھی (اس میں موجود ہے)۔[1]

ب) کلینی جامعہ کے بارے میں امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: وَ إِنَّ عِنْدَنَا الْجَامِعَةَ... فِيهَا كُلُّ حَلَالٍ وَ حَرَامٍ وَ كُلُّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ النَّاسُ إِلَيْهِ حَتَّى الْأَرْشُ فِي الْخَدْش. ہمارے پاس جامع ہے... اس میں تمام حلال و حرام اور ہر وہ چیز جس کی لوگوں کو احتیاج ہے یہاں تک کہ ایک دیت کی خراش بھی موجود ہے۔[2]

اس روایت کے رواۃ میں سے ایک عبداللہ بن حجال ہے، اگر یہ عبداللہ بن محمد بن حجال ہے تو وہ ثقہ ہے اور یوں اس کی سند صحیح ہوگی، علامہ مجلسی کی بھی یہی نظر ہے۔[3] اور اگر اس سے اسی نام کا فرد عبداللہ حجال مراد ہو تو سید خوئی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضعیف ہے کیونکہ انہوں نے اس کا نام عبداللہ بن محمد بن حجال سے جدا لکھا ہے اور ذکر کیا ہے کہ اس شخص کا نام فقط دو روایات میں وارد ہوا ہے جن میں سے ایک یہی روایت ہے۔[4]

---

[1] ایضاً۔

[2] اصول کافی: ج۱، ص۲۳۸.

[3] مرآۃ العقول: ج۳، ص۵۴.

[4] معجم رجال الحدیث: ج۱۰، ص۱۵۶.

ج) کلینی سند صحیح کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: فِيهَا كُلُّ مَا يَحْتَاجُ النَّاسُ إِلَيْهِ وَ لَيْسَ مِنْ قَضِيَّةٍ إِلَّا وَ هِيَ فِيهَا حَتَّى أَرْشُ الْخَدْش. **اوراس میں** ہر وہ چیز ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہے اور کوئی قضیہ نہیں جو اس میں موجود نہ ہو یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت بھی اس میں موجود ہے۔[1]

د)صفار قمی صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن سنان سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے: میں نے امام صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا:تِلْكَ صَحِيفَة... فِيهَا كُلَّمَا يَحْتَاجُ النَّاسُ إِلَيْهِ وَ لَيْسَ مِنْ قَضِيَّةٍ إِلَّا وَ فِيهَا أَرْشُ الْخَدْشِ. ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے...اور لوگوں کو جس چیز کی بھی احتیاج ہے اس میں موجود ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جو اس میں موجود نہیں یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت بھی۔[2]

ان ادلہ اربعہ کی جانب توجہ کرتے ہوئے بالخصوص پہلی اور دوسری دلیل کے تئیں کسی ایک کے لیے بھی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ حسین بن العلاء کی روایت میں " فیہ مایحتاج" اور " فیہ الجلدۃ" کی ضمیریں جفر ابیض کی جانب پلٹتی ہیں نہ کہ مصحف کی جانب، اس بنا پر چھٹی اور دسویں روایت میں کوئی تعارض نہیں۔

[اعتراض: اگر "فیہ" کی ضمیر جفر کی جانب پلٹتی ہے، تو اس روایت اور ان روایات میں جو

---

[1] اصول کافی: ج۱، ص ۲۴۱، ح۵؛ اور ایسے ہی بصائر الدرجات: ص ۱۶۲، ح ۲، میں بھی صحیح سند کے ساتھ۔

[2] بصائر الدرجات: ص ۱۶۳، ح۶.

کہتی ہیں کہ لوگوں کو جس چیز کی بھی ضرورت ہے یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت بھی، وہ کتاب جامعہ میں موجود ہے، تعارض پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ روایت کہتی ہے کہ یہ جفر میں ہے اور وہ کہتی ہے کہ یہ جامعہ میں ہے۔

جواب: ابتدائے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ اس ضمیر کو مصحف کی جانب پلٹائیں تو تعارض پیش آئے گا کیونکہ اس صورت میں روایت کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ جس چیز کے لوگ محتاج ہیں اور دیتِ خراش مصحف میں ہے جبکہ یہ روایت کہتی ہے کہ وہ جامعہ میں ہے، لیکن اگر ضمیر کو جفر کی طرف پلٹائیں گے تو کوئی تعارض پیش نہیں آئے گا] کیونکہ لغت میں جفر اونٹ یا گوسفند کے بچے کے معنی میں ہے۔[1] اور روایات میں اس سے مراد جانور کی کھال ہے، اور بیان ہوا ہے کہ اس میں زبور، انجیل، تورات، صحف ابراہیمؑ، مصحف فاطمہؑ اور سلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔[2] نتیجتاً معلوم ہوتا ہے کہ جفر، جامعہ کے مقابل کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ ایک کھال ہے جس میں یہ سب کتابیں لپٹی ہوئی ہیں، بالخصوص جفر میں سلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بات معقول نہیں کہ سلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب کے الفاظ کا جز سمجھی جائے، اور ظاہراً اس سلاح سے مراد آپؐ کی تلوار

---

[1] لسان العرب: ج۴، ص ۱۲۴.

[2] بصائر الدرجات: ص ۱۷۰، ح ۱؛ ص ۱۷۴، ح ۹؛ ص ۱۷۵، ح ۱۱ و ص ۱۷۱، ح ۲.

ہے جس کے بارے میں دوسری روایت وارد ہوئی ہے۔[1] اور یہ بات بالکل واضح ہے۔ علامہ مجلسی نے بھی یہی احتمال ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: شاید مصحف (وہ مصحف جو بصورت نکرہ وارد ہوئی ہے نہ کہ مصحف فاطمہؑ) ان کتابوں کی جلد ہو نہ کہ وہ مطالب جو خود اس میں لکھے گئے ہیں۔[2] علامہ نے یہ کلام چوتھی حدیث کے تعلیقے میں لکھا ہے۔ بلکہ بعض روایات بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں کہ جفر کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ ایک کھال ہے جس میں دوسری کتب لپٹی ہوئی ہیں؛ من جملہ:

الف) کلینی ابو بصیر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے امام صادقؑ سے جفر کے بارے میں سوال کیا؛ امام نے فرمایا: قَالَ وِعَاءٌ مِنْ أَدَمٍ فِيهِ عِلْمُ النَّبِيِّينَ وَ الْوَصِيِّينَ وَ عِلْمُ الْعُلَمَاءِ الَّذِينَ مَضَوْا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيل. وہ کھال کا (بنا) ایک ظرف ہے جس میں گزشتہ انبیاء، اوصیاء اور بنی اسرائیل کے علماء کا علم ہے۔[3]

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ب) صفار قمی امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: هُمَا إِهَابَانِ إِهَابُ مَاعِزٍ وَ إِهَابُ ضَأْنٍ مَمْلُوَّانِ عِلْما. جفر احمر اور جفر ابیض دو کھالیں ہیں ان میں سے ایک

---

[1] ایضاً: ص ۲۰۶، ح ۴۷.

[2] مرآۃ العقول: ج ۳، ص ۵۹.

[3] کافی: ج ۱، ص ۲۳۹.

بکرے کی کھال ہے اور دوسری گوسفند کی جو علم اور کتاب سے پر ہیں۔[1]

ج) صفار قمی امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: إِنَّهُمَا جَفْرَانِ مَكْتُوبٌ فِيهِمَا لَا وَ اللَّهِ إِنَّهُمَا لَإِهَابَانِ عَلَيْهِمَا أَصْوَافُهُمَا وَ أَشْعَارُهُمَا مَدْحُوسَيْنِ كتبنا [كُتُباً] فِي أَحَدِهِمَا وَ فِي الْآخَرِ سِلَاحُ رَسُولِ اللَّهِ ص. جفر احمر اور جفر ابیض دو کھالیں ہیں کہ ان میں لکھا گیا موجود ہے خدا کی قسم وہ دو، دو کھالیں ہیں جن میں بال ہیں کہ ان میں سے ایک میں کتاب اور دوسری میں سلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔[2]

نتیجتاً دسویں روایت میں "فیہ" کی ضمیر اس حساب سے جفر کی جانب پلٹتی ہے، اور وہ ایک کھال ہے جس میں جامعہ اور دیگر کتب، وصایا، صحف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلاح لپٹی ہوئی ہے۔

اس مطلب پر دیگر روایات بھی دلالت کرتی ہیں من جملہ: بصائر الدرجات: ص ۱۷۴، ح ۱۰؛ ص ۱۷۰، ح ۲۶، ص ۱۷۵، ح ۱۲، ص ۱۷۶، ح ۱۵، ص ۱۸۱، ح ۳۴.

گیارہویں روایت: طبری شیعی ابو بصیر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے امام باقرؑ سے مصحف فاطمہؑ کے بارے میں سوال کیا، تو امام نے فرمایا: أُنْزِلَ عَلَيْهَا بَعْدَ مَوْتِ أَبِيهَا. فَقُلْتُ: فَفِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: مَا فِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ. قَالَ: قُلْتُ: فَصِفْهُ لِي. قَالَ: لَهُ دَفَّتَانِ مِنْ زَبَرْجَدَتَيْنِ عَلَى طُولِ الْوَرَقِ وَ عَرْضِهِ حَمْرَاوَيْنِ. قُلْتُ لَهُ:

---

[1] بصائر الدرجات: ص ۱۷۵، ح ۱۱.

[2] ایضاً: ص ۱۷۱، ح ۲.

جُعِلْتُ فِدَاكَ صِفْ لِي وَرَقَهُ. قَالَ: وَرَقُهُ مِنْ دُرٍّ أَبْيَضَ قِيلَ لَهُ: (كُنْ) فَكَانَ. قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، فَمَا فِيهِ؟ قَالَ: فِيهِ خَبَرُ مَا كَانَ، وَ خَبَرُ مَا يَكُونُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَ فِيهِ خَبَرُ سَمَاءٍ سَمَاءٍ، وَ عَدَدُ مَا فِي سَمَاءٍ سَمَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، وَ غَيْرُ ذَلِكَ، وَ عَدَدُ كُلِّ مَنْ خَلَقَ اللَّهُ مُرْسَلًا وَ غَيْرَ مُرْسَلٍ، وَ أَسْمَاؤُهُمْ، وَ أَسْمَاءُ الَّذِينَ أُرْسِلُوا إِلَيْهِمْ، وَ أَسْمَاءُ مَنْ كَذَّبَ وَ مَنْ أَجَابَ مِنْهُمْ، وَ فِيهِ أَسْمَاءُ جَمِيعِ مَنْ خَلَقَ اللَّهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْكَافِرِينَ، مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ، وَ أَسْمَاءُ الْبُلْدَانِ، وَ صِفَةُ كُلِّ بَلَدٍ فِي شَرْقِ الْأَرْضِ وَ غَرْبِهَا، وَ عَدَدُ مَا فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، وَ عَدَدُ مَا فِيهَا مِنَ الْكَافِرِينَ، وَ صِفَةُ كُلِّ مَنْ كَذَّبَ، وَ صِفَةُ الْقُرُونِ الْأُولَى وَ قِصَصُهُمْ، وَ مَنْ وُلِّيَ مِنَ الطَّوَاغِيتِ وَ مُدَّةُ مُلْكِهِمْ وَ عَدَدُهُمْ، وَ فِيهِ أَسْمَاءُ الْأَئِمَّةِ وَ صِفَتُهُمْ، وَ مَا يَمْلِكُ وَاحِداً وَاحِداً، وَ فِيهِ صِفَةُ كَرَّاتِهِمْ، وَ فِيهِ صِفَةُ جَمِيعِ مَنْ تَرَدَّدَ فِي الْأَدْوَارِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ. قَالَ: قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ وَ كَمِ الْأَدْوَارُ؟ قَالَ: خَمْسُونَ أَلْفَ عَامٍ، وَ هِيَ سَبْعَةُ أَدْوَارٍ؛ وَ فِيهِ أَسْمَاءُ جَمِيعِ مَنْ خَلَقَ اللَّهُ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ وَ آجَالُهُمْ، وَ صِفَةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَ عَدَدُ مَنْ يَدْخُلُهَا، وَ عَدَدُ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ، وَ أَسْمَاءُ هَؤُلَاءِ وَ أَسْمَاءُ هَؤُلَاءِ، وَ فِيهِ عِلْمُ الْقُرْآنِ كَمَا أُنْزِلَ، وَ عِلْمُ التَّوْرَاةِ كَمَا أُنْزِلَتْ، وَ عِلْمُ الْإِنْجِيلِ، وَ الزَّبُورِ وَ عَدَدُ كُلِّ شَجَرَةٍ وَ مَدَرَةٍ فِي جَمِيعِ الْبِلَادِ.... فَقُلْتُ: إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ كَثِيرٌ. فَقَالَ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، إِنَّ هَذَا الَّذِي وَصَفْتُهُ لَكَ لَفِي وَرَقَتَيْنِ مِنْ أَوَّلِهِ، وَ مَا وَصَفْتُ لَكَ بَعْدَ مَا فِي الْوَرَقَةِ الثَّالِثَةِ، وَ لَا تَكَلَّمْتُ بِحَرْفٍ مِنْه

وہ ان کے والد کی وفات کے بعد ان کے لیے نازل ہوئی۔ میں نے کہا: کیا اس میں قرآن میں سے کچھ موجود ہے؟ فرمایا: اس میں قرآن میں سے کچھ نہیں۔ میں نے کہا: مجھے اس کی خصوصیات سے آگاہ کیجیے۔ فرمایا: اس کی جلد زبرجد کی ہے... میں نے کہا: میں آپ پر قربان!

اس کے صفحات کیسے ہیں؟ فرمایا: اس میں خبریں (واقعات) ہیں جیسے کہ وہ تھیں اور قیامت تک جیسے رونما ہونگی، اس میں آسمانی خبریں، آسمانوں میں بسنے والے ملائکہ وغیر ملائکہ کی تعداد واسماء، ہر اس نبی وغیر نبی کی تعداد اوران کے اسماء جسے خدا نے خلق کیا ہے، ان سب کے اسماء جن کی جانب انہیں مبعوث کیا گیا اور جنہوں نے ان کی تکذیب کی اور جنہوں نے انہیں قبول کیا، مومنین وکافرین میں سے ان سب کے نام جنہیں خدا نے اولین وآخرین میں خلق کیا، زمینوں کے ساتھ، مشرق ومغرب میں ہر زمین کی الگ الگ صفات، ان زمینوں میں مومنین وکافرین کی تعداد، جھٹلانے والے ہر شخص کی صفت، گزشتہ اقوام کی صفات اور ان کے واقعات، طاغوت میں سے جو بادشاہ بنے، ان کی بادشاہت کی مدت، ان کی تعداد، آئمہ کے نام، ان کی صفات، ان کے الگ الگ اموال کی (تفصیل) ان کے بڑوں کی خصوصیات، اوران سب کی صفات جوادوار میں آئے یا گئے ہیں۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان! یہ ادوار کیا ہیں؟ فرمایا: پچاس ہزار سال اور یہ سات حصوں میں تھے۔ اس میں تمام مخلوقات کے نام اوران کی موت کا وقت ہے، اہل بہشت کی تعداد اور ان کا تذکرہ جو داخل بہشت ہونگے، اور وہ جو داخل جہنم ہونگے، اوراس میں ہے قرآن کا علم جیسے وہ نازل ہوا، اور تورات کا علم جیسے وہ نازل ہوئی، اور انجیل کا علم جیسے وہ نازل ہوئی، اور زبور کا علم جیسے وہ نازل ہوئی، اس میں ہر زمین میں موجود ہر درخت اور جھونپڑیوں کی تعداد... میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! یہ تو یقیناً بہت علم ہے! فرمایا: اے ابا محمد! میں نے جو کچھ تجھے بتایا وہ اس کے پہلے دو صفحوں میں لکھا ہے اور جو ان

کے بعد تیسرے صفحے میں ہے وہ میں نے بیان نہیں کیا اور اس کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا۔[1]

اس روایت کی سند میں محمد بن احمد بن حمدان، علی بن سلیمان اور جعفر بن محمد ہیں، جو ضعیف ہیں، نیز محمد بن ہارون بن موسیٰ تلعکبری ہے جس کی توثیق وارد نہیں ہوئی۔ ہاں شیخ نجاشی نے احمد بن محمد ربیع کے ترجمے میں محمد بن ہارون پر رحمت بھیجی ہے، جسے آیت اللہ خوئی کسی چیز کی دلیل نہیں جانتے لیکن علامہ مامقانی اسے حسن ہونے کی نشانی سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی اس کی سند میں جعفر بن محمد فنزاری ہے کہ علامہ مامقانی انہیں ثقہ جانتے ہیں لیکن سید خوئی ان کی توثیق و تضعیف میں تعارض کی وجہ سے انہیں ثقہ نہیں جانتے۔ ایسے ہی علی بن ابی حمزہ، کہ ان کے بارے میں اس سے قبل اختلاف نظر بیان کیا جا چکا ہے؛ یہ تو تھا سند روایت کا حال۔ البتہ متن کے حوالے سے یہ بات کاملاً واضح ہے کہ کتاب جامعہ اور دیگر کتب سے متعلق کثیر روایات کی جانب توجہ رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت مصحف فاطمہؑ کے متن کی بیان کنندہ نہیں اور اگر یہ سب کچھ فقط مصحف فاطمہؑ کا متن ہے تو پھر دوسری کتب من جملہ جامعہ کے لیے کوئی متن باقی نہیں بچتا جس کے لیے یہ چاہیں کہ وہ صحائف اور کتب مختلف میں جملہ مصحف فاطمہ کو شامل ہو، جیسا کہ چوتھی روایت، جس کی سند بھی صحیح تھی، میں امام نے ایک مصحف کی جانب

[1] دلائل الامامۃ: ص ۱۰۴، ح ۳۴.

اشارہ فرمایا جس کے متن کا ایک حصہ مصحف فاطمہؑ تھا۔ وہ روایات جو جفر و جامعہ کے متن سے متعلق کلام کرتی ہیں ان کی تعبیرات کا ملاً گویا ہیں؛ من جملہ :

الف) علم سے پر ہے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔[1]

ب) اس کتاب میں علم انبیاء و اوصیاء ہے۔ اس روایت کی سند بھی صحیح ہے۔[2]

ج) اس میں علم اولین و آخرین ہے۔[3]

د) جو کچھ تھا اور جو کچھ قیامت تک ہوگا وہ اس میں موجود ہے۔[4]

[جی ہاں یہاں فقط ایک اعتراض ہے اور وہ یہ کہ جفر و جامعہ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ لوگوں کو جس چیز کی احتیاج ہے وہ اس میں ہے جبکہ ان میں بیان کیے ہوئے بہت سے علوم جیسے درختوں کی تعداد وغیرہ، کی لوگوں کو احتیاج نہیں۔ جو مطالب ہم نے متعدد مرتبہ تکراراً پیش کیے ہیں ان سے اس کا جواب واضح ہے، کیونکہ ہم نے کہا ہے کہ مثبتین میں کبھی بھی تعارض نہیں ہوتا، لہذا وہ روایات جو کہتی ہیں کہ لوگوں کو جس چیز کی احتیاج ہے وہ جفر و جامعہ میں ہے، ان میں اس میں موجود ایک حصے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور جو روایات کہتی ہیں کہ :

---

[1] بصائر الدرجات: ص۱۷۳، ح۱.

[2] ایضاً: ص۱۷۱، ح۳.

[3] ایضاً: ص۱۵۴، ح۴.

[4] ایضاً: ص۱۸۰، ح۳.

تمام گزشتہ و آئندہ کے علوم اس میں ہیں وہ اس کے کل کی جانب اشارہ ہے، اور گیارہویں روایت اسی قبیل سے ہے۔

لیکن کیا وجہ ہے کہ امام نے جفر و جامعہ کو مصحف فاطمہؑ سے تعبیر فرمایا اور اس سے بہتر عبارت میں: کیا وجہ ہے کہ امام نے راوی کی درخواست جو مصحف کے متن سے متعلق تھی کے جواب میں جفر و جامعہ کے متن یعنی علوم آئمہؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا؟

جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ممکن ہے کہ کوئی سوال کرے جس سے اس کی غرض اس سوال کا جواب نہیں ہوتا بلکہ کسی اور مطلب تک پہنچنا ہوتا ہے، ایسی صورت میں یہ بات حکمت سے دور نہیں کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اس سوال کے جواب کی جگہ دوسرے مطالب بیان کرے تاکہ سوال کرنے والا کاملاً اپنی غرض تک رسائی حاصل کر سکے اور دوبارہ سوال نہ کرے۔

جیسے یہی ہماری بحث میں، راوی نے مصحف فاطمہؑ کے متن سے متعلق سوال کیوں کیا؟ ممکن ہے کہ اس کی اغراض میں سے ایک یہ ہو کہ وہ آئمہؑ کے علم کی وسعت کا درک چاہتا ہو، اس لیے امام نے جواب میں مصحف کے متن کے بارے میں بیان کرنے کی بجائے کتاب جامعہ کے متن کا ذکر کیا جو مصحف کے متن کی بھی حامل ہے اور ایسے مطالب کی بیان گر بھی کہ سوال کرنے والا کاملاً آئمہؑ کے علم کی وسعت سے مطلع ہو جائے، اور یہ اطلاق الجزء علی کل کے باب سے ہے یعنی جامعہ جس کا ایک جز مصحف ہے، کے نام کو جز کی جگہ استعمال کیا جائے کہ ایسا استعمال مشہور ہے۔ اور اس سب سے بڑھ کر، بعض روایات میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص

امام سے کسی ایک چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے اور امام جواب میں کچھ اور فرماتے ہیں کہ ظاہراًاس کااس سوال سے کوئی ربط نہیں ہوتا۔ من جملہ: عمار ساباطی کہتے ہیں: ہم منیٰ میں امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک مرد آیااور ان سے پوچھنے لگا: آپ نوافل کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: واجب ہیں۔ ہمیں اور اس مرد کو حراس لاحق ہوا۔ اس کے بعد امام صادقؑ نے فرمایا: میں نے اس جواب سے رسول اللہ ﷺ کے لیے نماز شب کا قصد کیا تھا۔[1] آپ نے دیکھا کہ سوال کنندہ نے نوافل یومیہ سے متعلق سوال کیاجو تمام مسلمانوں سے مربوط ہے لیکن امام نے نماز شب کے نوافل جو فقط رسول اللہ ﷺ پر واجب تھے کے بارے میں جواب دیا۔اب اس قسم کے عمل کی حکمت کیاہے تواس کی تحقیق اپنے مقام پر ہے۔

یہاں ایک مطلب باقی بچتاہے اور وہ یہ کہ یہ سارے علوم کس طرح ان دو ورقوں میں آ گئے، بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ امام کاپورا گھر بھی کتاب سے بھراہو تب بھی یہ سارے مطالب اس میں نہیں آ سکتے۔اس کے جواب میں ہم کہیں گے: آئمہؑ کااس قسم کے علم کا حامل ہوناایک ایسی نسبت ہے جو بہت ہی واضح ہے اور آیات و روایات کے ذریعے بہت ہی آسانی سے قابل اثبات بھی ہے، لیکن ان تمام علوم کاچند کتب میں جمع ہونایااس روایت کی تعبیر کے مطابق،ان تمام مطالب کا دو ورقوں میں موجود ہونا، دو طریق میں سے کسی ایک کی وجہ سے ہے: یاتو یہ

---

[1] وسائل الشیعۃ: ج۳، باب ۱۶، ح۶.

بطن ورمز کی صورت میں ہیں اور یا بصورت اعجاز، اگر یہ بطن کی صورت میں ہوں تو قرآن کے بواطن کی طرح ہونگے کہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ تمام علوم و معارف قرآن میں آئے ہیں[1] اور یہ بواطن قرآن میں سے جانے جاتے ہیں؛ اگر اسے رمزی صورت میں مانیں تو یہ اس علم کی مانند ہونگے جو امام علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا تھا جس کے بارے میں آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے علم کے ہزار باب وا کیے اور میں نے ہر ہر باب سے اپنے لیے ہزار ہزار باب کھولے۔[2] اور اگر یہ اعجاز کی صورت میں تھا تو یوں تھا کہ اس کتاب کے خطوط محو ہوتے تھے اور دوبارہ لوٹ آتے تھے اور یہ امام کے ارادے سے وابستگی رکھتے تھے اور یہ بحث بعد والی روایت میں بھی بیان ہوئی ہے۔]

بارہویں روایت: شاذان بن ابراہیم حدیث مرفوع میں سلیم بن قیس سے نقل کرتے ہیں: لَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ع بَكَى ابْنُ عَبَّاسٍ بُكَاءً شَدِيداً ثُمَّ قَالَ مَا لَقِيَتْ هَذِهِ الْأُمَّةُ بَعْدَ نَبِيِّهَا اللَّهُمَّ إِنِّي أُشْهِدُكَ أَنِّي لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ع وَ لِوُلْدِهِ وَلِيٌّ وَ مِنْ عَدُوِّهِ وَ عَدُوِّ وُلْدِهِ بَرِيءٌ فَإِنِّي مُسَلِّمٌ لِأَمْرِهِمْ وَ لَقَدْ دَخَلْتُ عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ع ابْنِ عَمِّ رَسُولِ اللَّهِ ص بِذِي قَارٍ فَأَخْرَجَ لِي صَحِيفَةً وَ قَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ هَذِهِ الصَّحِيفَةُ إِمْلَاءُ رَسُولِ اللَّهِ ص وَ خَطِّي بِيَدِي قَالَ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْرَأْهَا عَلَيَّ فَقَرَأَهَا وَ إِذَا فِيهَا كُلُّ شَيْءٍ مُنْذُ قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ ص إِلَى يَوْمَ قُتِلَ

---

[1] کافی: ج۱، ص۶۱، ح۸؛ سند صحیح کے ساتھ۔

[2] خصال: ح۱۲۲۱۔

الْحُسَيْنُ ع وَ كَيْفَ يُقْتَلُ وَ مَنْ يَقْتُلُهُ وَ مَنْ يَنْصُرُهُ وَ مَنْ يُسْتَشْهَدُ مَعَهُ فِيهَا ثُمَّ بَكَى بُكَاءً شَدِيداً وَ أَبْكَانِي وَ كَانَ فِيمَا قَرَأَهُ كَيْفَ يُصْنَعُ بِهِ وَ كَيْفَ تُسْتَشْهَدُ فَاطِمَةُ وَ كَيْفَ يُسْتَشْهَدُ الْحُسَيْنُ ع وَ كَيْفَ تَغْدِرُ بِهِ الْأُمَّةُ فَلَمَّا قَرَأَ مَقْتَلَ الْحُسَيْنِ وَ مَنْ يَقْتُلُهُ أَكْثَرَ مِنَ الْبُكَاءِ ثُمَّ أَدْرَجَ الصَّحِيفَةَ وَ قَدْ بَقِيَ مَا يَكُونُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ كَانَ فِيهَا لَمَّا قَرَأَهَا أَمْرُ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ كَمْ يَمْلِكُ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَ كَيْفَ بُويِعَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَ وَقْعَةُ الْجَمَلِ وَ مَسِيرُ عَائِشَةَ وَ طَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرِ وَ وَقْعَةُ صِفِّينَ وَ مَنْ يُقْتَلُ فِيهَا وَ وَقْعَةُ النَّهْرَوَانِ وَ أَمْرُ الْحَكَمَيْنِ وَ مُلْكُ مُعَاوِيَةَ وَ مَنْ يُقْتَلُ مِنَ الشِّيعَةِ وَ مَا يَصْنَعُ النَّاسُ بِالْحَسَنِ وَ أَمْرُ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى قَتْلِ الْحُسَيْنِ ع فَسَمِعْتُ ذَلِكَ ثُمَّ كَانَ كُلَّمَا قَرَأَ لَمْ يَزِدْ وَ لَمْ يَنْقُصْ وَ رَأَيْتُ خَطَّهُ أَعْرِفُهُ فِي الصَّحِيفَةِ لَمْ يَتَغَيَّرْ وَ لَمْ يُظْفَرْ فَلَمَّا أَدْرَجَ الصَّحِيفَةَ قُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ كُنْتَ قَرَأْتَ عَلَيَّ بَقِيَّةَ الصَّحِيفَةِ قَالَ لَا يَمْنَعُنِي فِيهَا مَا أَلْقَى مِنْ أَهْلِ بَيْتِكَ وَ وُلْدِكَ أَمْراً فَظِيعاً مِنْ قَتْلِهِمْ لَنَا وَ عَدَاوَتِهِمْ لَنَا وَ سُوءِ مُلْكِهِمْ وَ شُؤْمِ قُدْرَتِهِمْ فَأَكْرَهُ أَنْ تَسْمَعَهُ فَتَغْتَمَّ وَ يَحْزُنُكَ وَ لَكِنِّي أُحَدِّثُكَ بِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ص أَخَذَ عِنْدَ مَوْتِهِ بِيَدِي فَفَتَحَ لِي أَلْفَ بَابٍ مِنَ الْعِلْمِ تَنْفَتِحُ مِنْ كُلِّ بَابٍ أَلْفُ بَابٍ وَ أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ يَنْظُرَانِ إِلَيَّ وَ هُوَ يُشِيرُ لِي بِذَلِكَ فَلَمَّا خَرَجْتُ قَالا لِي مَا قَالَ لَكَ قَالَ فَحَدَّثْتُهُمْ بِمَا قَالَ فَحَرَّكَا أَيْدِيَهُمَا ثُمَّ حَكَيَا قَوْلِي ثُمَّ وَلَّيَا يُرَدِّدَانِ قَوْلِي وَ يَخْطُرَانِ بِأَيْدِيهِمَا ثُمَّ قَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ إِنَّ مُلْكَ بَنِي أُمَيَّةَ إِذَا زَالَ فَأَوَّلُ مَا يَمْلِكُ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وُلْدُكَ فَيَفْعَلُونَ الْأَفَاعِيلَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَأَنْ يَكُونَ نَسَخَنِي ذَلِكَ الْكِتَابَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. جب حسین بن علیؑ شہید ہوئے ابن عباس نے شدید گریہ کیا اور کہا: بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امت نے کیا کیا دیکھا! اے خدا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ

میں علیؑ اور ان کی اولاد کا محب ہوں اور انکے اور انکے بچوں کے دشمنوں سے بیزار ہوں۔ میں ان کے حکم کے آگے تسلیم ہوں، بے شک میں علی بن ابی طالبؑ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم تھے کے ساتھ ذیقار میں گیا، انہوں نے میرے لیے ایک صحیفہ آشکار کیا اور فرمایا: اے ابن عباس یہ صحیفہ رسول خدا کی املا اور میرے خط میں ہے، میں نے کہا: اے امیر المومنینؑ! اسے میرے لیے پڑھیے، انہوں نے اسے پڑھا اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے لے کر شہادت حسینؑ تک کی تمام چیزیں تھیں، اور یہ بھی کہ وہ کیسے شہید ہونگے اور کون انہیں شہید کرے گا، کون ان کی مدد کرے گا اور کون ان کے ساتھ شہید ہوگا یہ سب اس صحیفے میں تھا۔ اس کے بعد علیؑ نے شدید گریہ کیا اور مجھے بھی رلا دیا۔ جو کچھ علیؑ نے پڑھا تھا وہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ کیا کریں گے اور کس طرح فاطمہؑ کو شہید کیا جائے گا اور کس طرح محسن کو شہید کیا جائے گا اور امت ان پر حیلے کرے گی، جب انہوں نے امام حسین اور ان کے اصحاب کی شہادت کا حال پڑھا، ان کا گریہ اور زیادہ بڑھ گیا، انہوں نے صحیفہ بند کر دیا اور یوں قیامت تک ہونے والے واقعات بیان کرنے سے رہ گئے، انہوں نے اس صحیفے میں سے خلفائے ثلاثہ کے کاموں کو پڑھا اور یہ کہ ان میں سے ہر کوئی کس قدر حکومت کرے گا، اور علیؑ کے ساتھ بیعت کا ہونا، واقعہ جمل، عائشہ، زبیر و طلحہ کا علیؑ کے ساتھ رویہ، واقعہ صفین، وہ لوگ جو اس واقعے میں ماریں جائیں گے، واقعہ نہروان، حکمین کا ماجرا، معاویہ کی حکومت، وہ شیعہ جو اس کے ہاتھوں مارے جائیں گے، اور وہ کام جو لوگ حسنؑ کے ساتھ کریں گے، یزید بن معاویہ کے کارنامے، یہاں تک کہ قتل حسینؑ تک بات پہنچی، میں نے انہیں سنا اور جس طرح امام نے بیان کیا تھا یہ واقعات کمی و زیادتی کے بغیر ویسے ہی واقع ہوئے۔ میں نے اس صحیفے میں امام کا خط پہچان لیا تھا

کہ (اتنے سال گزرنے کے بعد بھی) نہ (تو اس کی روشنائی) میں تغییر آیا تھا اور نہ وہ زرد ہوا تھا۔ پس جب امام نے صحیفہ بند کر دیا تو میں نے ان سے کہا: اے امیر المومنینؑ کاش کہ آپ باقی بھی پڑھتے، آخر حدیث تک۔[1]

اس روایت کی سند ارسال کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کے علاوہ اس میں کوئی اشارہ بھی موجود نہیں کہ اس صحیفے کا کیا نام تھا، لیکن چونکہ اس میں اس زمانے کے بادشاہوں کے نام اور امام حسنؑ و حسینؑ سے مربوط واقعات درج تھے، لہذا احتمال دیا جا سکتا ہے کہ یہ مصحف فاطمہؑ ہی تھا۔

[البتہ جو کچھ بھی ہو اس روایت میں مصحف میں احکام کے موجود ہونے کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی گئی اور اس کا کل متن مغیبات پر مبنی ہے]

نتیجہ: کثیر روایات کی جانب توجہ رکھتے ہوئے جن کا ایک حصہ یہاں نقل کیا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ مصحف فاطمہؑ میں حلال و حرام سے متعلق احکام نہیں ہیں۔

علامہ سید عبد الحسین شرف الدین موسوی العاملیؒ کا سہو قلم:

آپ مصحف فاطمہؑ کے بارے میں لکھتے ہیں: قرآن کی کتابت سے فارغ ہونے کے بعد امیر المومنینؑ نے سیدۃ النساء العالمینؑ کے لیے ایک کتاب لکھی جو ان کی اولاد طاہرہ کے نزدیک مصحف فاطمہؑ کے نام سے جانی جاتی تھی، اس میں ضرب الامثال، حکمتیں، نصائح، عبرتیں،

---

[1] الفضائل: ص ۱۴۱.

اخبار اور نوادرات تھے، جو رسول اللہ ﷺ کے فراغ میں جناب سیدہؑ کے لیے تسلی کا موجب بنے۔[1]

آپ نے مصحف کے بارے میں ہماری نقل کی گئی تمام روایات کا مطالعہ کیا ہے؛ ان میں سے کسی ایک میں بھی ضرب المثل، حکمت، عبرت اور نصیحت کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آیا، یہ ایک آشکار سہو قلم ہے، نیز علامہ نے اپنے انداز بیان میں اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے امیر المومنینؑ نے یہ مطالب اپنی جانب سے لکھے تھے اور یہ بھی کھلا سہو قلم ہے۔

[چونکہ کتاب مراجعات علامہ مذکور اور ایک سنی عالم کے مابین خطوط کے ردوبدل پر مشتمل ہے، لہذا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے چاہا ہو کہ مصحف کا تعارف اس انداز میں پیش کریں کہ یہ معاملہ مقابل کی عقل کے ساتھ میل کھا جائے، اور یہ احتمال علامہ بزرگوار کی جلالت علمی کے ساتھ زیادہ سازگاری رکھتا ہے۔]

مرحوم سید ہاشم معروف الحسنی کا سہو قلم:

یہ مصحف فاطمہؑ کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ بات کوئی عجیب نہیں جبکہ ایسا ہی ہے کہ سیدہ فاطمہؑ نے اپنے بابا اور شوہر کے کلام میں احکام و اخلاق و آداب نیز آئندہ واقع ہونے والے حوادث و واقعات میں سے جو سنا تھا وہ اس کا ایک حصہ جمع کریں، اور ان کی اولاد میں سے ہونے

[1] المراجعات: ص ۴۱۱، مرجعہ ۱۱۰.

والے آئمہؑ نے فاطمہؑ سے جو چیزیں ارث میں پائیں ان میں سے ایک یہ کتاب بھی تھی۔

اس کے بعد انہوں نے ابو بصیر سے روایت نقل کی اور اس کے بعد حسین بن ابی العلاء کی روایت (جسے ہم نے روایت نمبر ۱۰ کے عنوان سے نقل کیا ہے) کو غلط طور پر نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اور اس لیے تاکہ کسی کے لیے مطلب مشتبہ نہ ہو اور کوئی یہ گمان نہ کرے کہ کلمہ مصحف یعنی قرآن کوئی ایسا قرآن ہے جو عامۃ المسلمین کے ہاتھوں میں موجود ہے یا کوئی اس نام سے سوئے استفادہ نہ کرے، اور اسے تشویش اور کسی دوسرے قرآن کے تعارف کے سلسلے میں لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال نہ کرے، امام فرماتے ہیں: ((ما ازعم فیه قرآنا بل فیه ما یحتاج الناس الیه...))[1]

[آپ معزز قارئین نے مصحف سے متعلق روایات کا مطالعہ فرمایا ہے! ان میں سے کس میں وارد ہوا ہے کہ جناب سیدہؑ نے خود ہی ایک کتاب کی جمع آوری کی تھی؟ ان میں سے کس میں آیا ہے کہ انہوں نے مصحف کے مطالب اپنے شوہر سے سنے تھے؟ اور ان میں سے کس میں ایسا وارد ہوا ہے کہ اس کا مضمون احکام شرعی، اخلاقی اور آداب پر مشتمل تھا؟] اس کے علاوہ ہم نے مذکورہ حدیث (نمبر ۱۰) کا متن اس سے قبل نقل کیا تھا، اس میں کلمہ ((فیه)) سے

---

[1] سیرۃ الآئمہ اثنا عشر: ج۱، ص ۱۰۴.

پہلے ((بل)) نہیں ہے اور نقل کرنے میں اسی غلطی نے معنی یکسر بدل کرر کھ دیے ہیں۔

اعتراض: بعض علماء نے یہ مانا ہے کہ مصحف کا متن احکام شرعی پر مشتمل تھا نہ کہ اخبار غیبی پر؛ جیسے علامہ محسن الامینؒ لکھتے ہیں: ظاہراً مصحف فاطمہ سے مراد وہی کتاب فاطمہؑ ہے جو بعض روایات میں وارد ہوئی ہے، اس کے بعد روایت (۹) نقل کرتے ہیں جس میں مسئلہ زکات کے بارے میں کلام وارد ہوا ہے۔[1]

اسی نظر کی طرف علامہ محمد جواد مغنیہ اور سید محمد رضا حسینی جلالی بھی میل رکھتے ہیں۔[2]

جواب: یہ بزرگ علماء کلی اور جامع طور پر مصحف فاطمہؑ کی تحقیق کے درپے نہ تھے، بلکہ انہوں نے حاشیے کے طور پر مختصراً مطلب کہا اور آگے نکلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے تو بعض دوسروں کے کلام پر تکیہ کیا ہے۔ جیسے سید رضا جلالی نے اپنے اس کلام میں ہاشم معروف حسنی کے کلام پر تکیہ کیا ہے، جبکہ ہم نے ان کا سہو قلم آشکار کر دکھایا ہے۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ یہ افراد اس بارے میں کلی تحقیق کے درپے نہیں تھے، تو اس کی تائید ان میں سے بعض کا دوسری کتب کی جانب مراجعہ کرنے کا مشورہ دینا ہے، جیسے سید جلالی، جب بیان کرتے ہیں کہ اس کا مضمون حلال و حرام اور احکام شرعی تھے، تو پڑھنے والے کو کتاب مرآۃ الکتب کی جانب رجوع کرنے کا کہتے ہیں۔ اور جب ہم نے مذکورہ کتاب کی جانب رجوع کیا تو دیکھا کہ

---

[1] اعیان الشیعۃ: ج ۱، ص ۹۷.

[2] الشیعۃ فی المیزان: ص ۶۱؛ تدوین السنۃ الشریفہ: ص ۷۷.

مرآۃ الکتب کے مؤلف میرزا علی تبریزیؒ یوں راقم ہیں: مصحف وہ کتاب ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جبرائیل نے املاء کروایا اور امام علیؑ نے اسے لکھا، اس کے بارے میں بصائر میں کثیر روایات وارد ہوئی ہیں، من جملہ روایت حماد بن عثمان جس کے آخر میں آیا ہے: ... آگاہ رہو جاؤ اس مصحف میں حلال و حرام میں سے کوئی چیز نہیں بلکہ اس میں علم مایکون ہے۔[1]

اور میرزا تبریزی کا یہ کہنا اس بات کی تصریح ہے کہ اس مصحف کا مضمون احکام شرعی پر مشتمل نہیں تھا، اور سید جلالی کے اس کتاب کی جانب رجوع کا کہنے کی وجہ سے یہ کشف ہوتا ہے کہ وہ مصحف کے مضمون کی تحقیق کے درپے نہیں تھے [لہذا وہ خود کہتے ہیں کہ اس کا مضمون احکام شرعی تھے اور اس کے بعد ایک ایسی کتاب کی جانب رجوع کا کہتے ہیں جس میں تصریح تھی کہ اس کا مضمون احکام شرعی پر مشتمل نہیں تھا۔ صاحب اعیان الشیعہ کے کلام میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ ان کے کلام کا تکیہ حبیب خثعمی کی اسی ضعیف السند روایت پر ہے ۔اور جب روایات مصحف ہمارے سامنے ہیں اور ان کے مطالب بھی واضح ہیں تو پھر روایات کے مطالب قبول کرنے سے فرار کرنے کی خاطر دوسروں کے کلام سے استناد کرنے کے کیا معنی ہیں؟

[1] مرآۃ الکتب: ص٦.

دوسرے اعتراض کا جواب: (مصحف کے مضمون سے متعلق بحث کرنے کا کیا فائدہ جبکہ وہ اس وقت موجود ہی نہیں؟)

شیعوں میں ایسے افراد موجود ہیں جنہوں نے تشیع کے عقائد خراب اور سست کرنے پر کمر کس لی ہے، یہ ہر نئے دن کے ساتھ ایک نیا شبہہ ایجاد کرتے ہیں اور اس طرح شیعوں کے ذہن کو مشوش کرتے ہیں، انہوں نے جن چیزوں پر اپنا ہاتھ رکھا ہے ان میں سے ایک مصحف فاطمہ ؑ ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ مضمون مصحف کے لیے یہ ثابت کرکے کہ یہ احکام کے بارے میں ایک مختصر سے رسالے کے سوا اور کچھ نہیں، جبرائیل کا مسائل احکام کے بارے میں نازل ہونا بعید شمار کریں اور کہیں کہ جس طرح امام علیؑ نے چند مختلف ناموں کے ساتھ کتب احکام من جملہ فرائض رسول اللہ ﷺ سے نقل کرکے تالیف کی ہے، ایسے ہی مصحف فاطمہ ؑ بھی ویسی ہی ایک کتاب احکام ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، یہ کوئی اہم چیز نہیں۔ اور دراصل اس طرح یہ جناب زہراءؑ کے بزرگ ترین فضائل میں سے ایک کا انکار کرنا چاہتے ہیں یعنی ان پر خدا کی اس امین و عظیم روح کے نزول کا، جو اس کے تمام انبیاء پر نازل ہوئی ہے ، انکار کریں جو امام خمینی کے بقول جناب فاطمہ ؑ کی بزرگ ترین فضیلت ہے اور دوسری کوئی بھی فضیلت اس کی برابری نہیں کرسکتی۔ اس وجہ سے ہم نے کوشش کی کہ مصحف فاطمہ ؑ کے بارے میں کامل انداز میں ایک تحقیق انجام دی جائے تاکہ اس حیلے کی جڑ

اکھاڑ پھینکی جائے، اس بناپر مصحف فاطمہؑ کے مضمون کو جاننا جناب فاطمہؑ کی معرفت میں دخیل ہے۔]

امامت کی اہم علامات میں سے ایک

مصحف سے متعلق بعض روایات میں اسے عظمت سے یاد کیا گیا ہے نیز اسے علامات امامت میں سے شمار کیا گیا ہے۔ من جملہ:

الف) صفار قمی سند صحیح کے ساتھ ابو بصیر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام صادقؑ سے سنا: مَا مَاتَ أَبُو جَعْفَرٍ ع حَتَّى قَبَضَ مُصْحَفَ فَاطِمَةَ ع. امام باقرؑ اس دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ مصحف فاطمہؑ (اپنے بعد والے امام کو) نہ دی۔[1]

ب) شیخ صدوق امام رضاؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: لِلْإِمَامِ عَلَامَات... وَ يَكُونُ عِنْدَهُ مُصْحَفُ فَاطِمَةَ ع. امام کے لیے علامات ہیں...اور اس کے پاس مصحف فاطمہؑ ہوتی ہے۔[2]

اس کی سند میں محمد بن ابراہیم طالقانی کے سوا کسی کے بارے میں اختلاف نہیں، آیت اللہ مامقانی اسے شیخ صدوق کے رحمت بھیجنے اور شیخ اجازہ ہونے کی وجہ سے حسن جانتے ہیں لیکن آیت اللہ خوئی اور امام خمینی اسے قبول نہیں کرتے، علامہ مجلسی نے اس سند کو قوت کا حامل جانا

---

[1] بصائر الدرجات: ص۱۷۸، ح۲۳.

[2] خصال: ج۱، ص۵۲۷، ابواب ۳۰ کے بعد، ح۱.

ہے۔[1]

ج) صفار قمی ابو عبیدہ حذاء سے روایت کرتے ہیں کہ امام باقرؑ نے مجھ سے فرمایا: قَالَ لِي أَبُو جَعْفَرٍ ع يَا أَبَا عُبَيْدَةَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ سَيْفُ رَسُولِ اللَّهِ ص وَ دِرْعُهُ وَ رَايَتُهُ الْمِغْلَبَةُ وَ مُصْحَفُ فَاطِمَةَ قَرَّتْ عَيْنُهُ. اے ابو عبیدہ جو کوئی بھی (مدعی امامت ہے اور) اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی شمشیر، ان کا فتح بخش پرچم اور مصحف فاطمہؑ ہے اس کی آنکھیں روشن ہیں (یعنی اس کا دعویٰ امامت درست ہے)۔[2]

اس کی سند میں حسین بن سیف بن عمیرہ ہے جسے آیت اللہ خوئی ثقہ نہیں جانتے لیکن علامہ مامقانی حسن شمار کرتے ہیں۔

د) جو روایات ہم نے نمبر ۴ و ۵ پر نقل کی ہیں ان میں بھی امام نے فرمایا: اگر فلاں افراد (جو امامت کا دعویٰ کرتے ہیں) سچ کہتے ہیں تو پھر مصحف فاطمہؑ کو آشکار کریں۔

[یہ سب روایات مصحف فاطمہؑ کی بے نہایت عظمت سے پردہ اٹھاتی تھیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ: ہم خدا کی خلق پر اس کی حجت ہیں اور ہماری جدہ فاطمہؑ ہم پر خدا کی حجت ہیں۔[3]]

---

1 معجم رجال الحدیث: ج۱، ص۷۸؛ المکاسب المحرمۃ: ج۲، ص۸۴؛ عین الحیاۃ: ج۱، ص۱۷۸.

2 بصائر الدرجات: ص۲۰۶، ح۴۷.

3 عوالم العوام: ج۱۱، قسم ۲، ص۱۰۳۰.

کیا مصحف میں قرآن میں سے کچھ آیا ہے؟

یہاں دو قسم کی روایات موجود ہیں:

۱۔ایک وہ قسم جو اس بات کی نفی کرتی ہے؛

۲۔وہ جو بظاہر اس بات کا اثبات کرتی ہے۔

پہلی قسم: وہ روایات جو مصحف میں آیات قرآنی کے وجود کا انکار کرتی ہیں:

۱۔ کلینی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: و إن عندنا لمصحف فاطمة، و ما يدريهم ما مصحف فاطمة، قلت: و ما مصحف فاطمة؟ قال: مصحف فيه مثل قرآنكم هذا ثلاث مرات، و الله ما فيه من قرآنكم حرف واحد ...ہمارے پاس مصحف فاطمہؑ ہے...میں نے کہا: مصحف فاطمہؑ کیا ہے؟امام نے تین بار فرمایا: ایک ایسی مصحف جس میں خدا کی قسم تمہارے قرآن جیسا ایک حرف بھی نہیں۔[1]

یہ روایت علامہ مجلسی کی نظر میں صحیح اور سید خوئی کی نظر میں ضعیف ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس جانب اشارہ کیا جا چکا ہے۔

۲۔ کلینی، حسین بن ابی العلاء سے اور وہ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: و مصحف فاطمة ما أزعم أن فيه قرآنا...اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ مصحف فاطمہؑ میں قرآن ہے۔[2]

---

[1] اصول الکافی: ج۱، ص۲۳۸.

[2] ایضاً: ص۲۴۰.

اس روایت کی سند صحیح ہے۔

۳۔ صفار قمی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: و عندنا مصحف أما و الله ما هو بالقرآن ...اور ہمارے پاس مصحف ہے، خدا کی قسم! مصحف قرآن نہیں ہے۔[1]

محمد بن عبد الملک کی وجہ سے اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ چند افراد کے درمیان مشترک ہے جو سب کے سب یا تو ضعیف ہیں یا مہمل۔

۴۔ صفار قمی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: عندي مصحف فاطمة ليس فيه شئ من القرآن. میرے پاس مصحف فاطمہؑ ہے اس میں قرآن میں سے کوئی چیز نہیں۔[2]

اس حدیث کی سند عباد بن سلیمان اور علی بن ابی حمزہ بطائنی کی وجہ سے آیت اللہ خوئی کی نظر میں ضعیف جبکہ مامقانی کی نظر میں حسن ہے۔

۵۔ صفار قمی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: و عندنا والله مصحف فاطمة ما فيه آية من كتاب الله ... خدا کی قسم! ہمارے پاس مصحف فاطمہؑ ہے جس میں قرآن کی ایک بھی آیت نہیں۔[3]

اس کی سند علی بن سعید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

---

[1] بصائر الدرجات: ص ۱۷۱، ح ۲

[2] ایضاً: ص ۱۴۷، ح ۸.

[3] ایضاً کیجئے: ص ۱۷۳، ح ۵.

۶۔ صفار قمی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: و مصحف فاطمة ما أزعم أنه قرآن... میں دعویٰ نہیں کرتا کہ مصحف فاطمہؑ میں قرآن ہے۔[1]

عنبسہ بن مصعب کی وجہ سے حدیث کی سند ضعیف ہے۔

۷۔ صفار قمی امام باقرؑ یا امام صادقؑ میں سے کسی ایک سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا: و خلفت فاطمة مصحفا ما هو قرآن. اور فاطمہؑ نے ایک مصحف ارث میں چھوڑا ہے جو قرآن نہیں ہے۔[2]

اس کی سند میں ابو زکریا یحییٰ اور عمرو بن زیات ہیں کہ اس بارے میں اس سے قبل بحث کی جا چکی ہے۔

۸۔ صفار قمی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: و فيه مصحف فاطمة ما فيه آية من القرآن... مصحف میں قرآن میں سے کوئی آیت نہیں ہے۔[3]

اس روایت کی سند علی بن سعد یا سعید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۹۔ صفار قمی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: و عندنا مصحف فاطمة أما و الله ما فيه حرف من القرآن. آگاہ ہو جا خدا کی قسم! مصحف میں قرآن کا کوئی حرف نہیں۔[1]

---

[1] ایضاً: ص۱۷۴، ح۹.

[2] ایضاً: ص۱۷۵، ح۱۴.

[3] ایضاً: ص۱۷۶، ح۱۵.

علی بن حسین کی وجہ سے سند حدیث ضعیف ہے۔

۱۰۔ صفار قمی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مصحف فاطمة، ما فيه شئ من كتاب الله. مصحف فاطمہؑ میں کتاب خدا میں سے کوئی چیز نہیں۔[2]

سند موسی بن جعفر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۱۔ صفار قمی امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: و فيه مصحف فاطمة ما فيه آية من القرآن... آگاہ ہو جاؤ خدا کی قسم مصحف میں قرآن کا ایک حرف نہیں۔[3]

اس کی سند میں علی بن ابی حمزہ ہے؛ امام خمینی و علامہ مامقانی کے مطابق اس کی روایت پر عمل ہو سکتا ہے لیکن سید خوئی اسے ضعیف جانتے ہیں۔

۱۲۔ طبری شیعی ابو بصیر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ سے پوچھا: و عندنا مصحف فاطمة أما و الله ما فيه حرف من القرآن. کیا مصحف میں قرآن میں سے کوئی چیز موجود ہے؟ فرمایا: اس میں قرآن میں سے کچھ موجود نہیں۔[4]

چند وجوہات کی بنا پر سند ضعیف ہے۔

---

[1] ایضاً: ص۱۷۷، ح۱۹.

[2] ایضاً: ص۱۷۹، ح۲۷.

[3] ایضاً: ص۱۸۱، ح۳۳.

[4] دلائل الامامۃ: ص۱۰۴، ح۳۴.

[**روایات کی سند کی تحقیق:** جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا دوسری روایت کی سند سب کی نظر کے مطابق، پہلی روایت کی سند علامہ مجلسی کے مطابق اور گیارہویں روایت کی سند امام خمینی اور علامہ مامقانی کی نظر کے مطابق صحیح ہے، اور یہ بقیہ ۹ روایات کی بھی تائید کرتی ہیں۔

روایات کے جہت صدور کی تحقیق: چونکہ صدر اسلام میں قرآن کریم مصحف کے نام سے مشہور تھا، لہذا آئمہ کی یہ کوشش تھی کہ مصحف فاطمہؑ کے بارے میں یہ وہم ایجاد نہ ہو کہ چونکہ اس کا نام مصحف ہے پس ان کے پاس مسلمانوں سے ہٹ کر کوئی اور قرآن بھی موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ بڑی تاکید اور قسم کھا کر اس مطلب کو بیان کرتے تھے کہ مصحف فاطمہؑ کی ماہیت قرآن سے جدا ہے، یہ ایک الگ چیز ہے اور اس میں قرآن میں سے کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اس بات سے منافات نہیں رکھتا کہ اس میں آیات موجود ہوں کیونکہ قرآن کی آیت یا اس کے حرف کے مصحف میں موجود ہونے کی نفی مطلق، اس کے قرآن ہونے کے توہم کو دور کرنے کے لیے صادر ہوئی ہے۔ لہذا روایت نمبر ۳، ۶ و ۷ میں مصحف کے قرآن ہونے کو رد کیا گیا ہے]

ان روایات کی دلالت: علامہ مجلسی اس حوالے سے لکھتے ہیں: اگر تم کہو کہ قرآن میں بھی بعض خبریں آئی ہیں [اور اگر مصحف فاطمہؑ میں بھی گزشتہ و آئندہ سے متعلق خبریں ہیں، تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ قرآن کا ایک حصہ مصحف میں آیا ہو جبکہ روایات اس کی نفی کرتی ہیں] تو ہم کہیں گے: شاید جو قرآن میں ذکر ہوا ہے وہ مصحف میں نہ آیا ہو... اگر تم کہو کہ کثیر روایات

میں بیان ہوا ہے کہ (باطن) قرآن میں جو کچھ گھٹ چکا ہے اور جو کچھ گھٹے گا اس سب سے متعلق تمام احکام اور اخبار بیان ہوئے ہیں [تو قرآن کا متن شامل متن مصحف بھی ہو جائے گا اور مصحف شامل قرآن] تو ہم کہیں گے: شاید مصحف میں قرآن کے وجود کی نفی سے منظور ظاہر قرآن ہو جسے ہم سمجھتے ہیں (یعنی آیات و کلمات) نہ کہ باطن جو اہلبیتؑ جانتے ہیں لہذا امام نے (روایت نمبر ۱) میں فرمایا: تمہارے قرآن میں سے کوئی چیز [یعنی ظاہر قرآن کے وہ کلمات جو تم سمجھتے ہو) اس میں نہیں۔[1]

نتیجہ: یا تو مصحف میں قرآن کے وجود کی نفی کے الفاظ جیسے یہ کہنا کہ اس میں قرآن کا کوئی حرف نہیں، فقط مصحف فاطمہؑ پر قرآن ہونے کے تو ہم کو دور کرنا ہے، جیسے کے اہلسنت ہم پر تہمت باندھتے ہیں کہ تمہارا قرآن ہمارے قرآن سے جدا ہے اور یا اس سے منظور ظاہر میں آیات و کلمات قرآن کا مصحف میں موجود نہ ہونا ہے نہ کہ علوم و اخبار غیبی جو وسیع پیمانے پر باطن قرآن میں موجود ہیں، اس بات کی ۱۲ نمبر روایت تائید بھی کرتی ہے کہ ابو بصیر پوچھتا ہے کیا اس میں قرآن میں سے کوئی چیز ہے اور امام باقرؑ جواب میں کہتے ہیں: اس میں قرآن میں سے کوئی چیز نہیں، لیکن تقریبا ۱۲ سطور بعد فرماتے ہیں: اس میں علوم قرآن اسی طرح موجود ہیں جیسے کہ وہ نازل ہوئے ہیں۔

[1] مرآۃ العقول: ج۳، ص۵۵ و ۶۲.

دوسری قسم: وہ روایات جو ظاہراً مصحف میں وجود آیات قرآنی پر دلالت کرتی ہیں:

اس حوالے سے فقط دو روایات وارد ہوئی ہیں جن میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ مصحف فاطمہ میں بعض آیات ان کی تاویل کے ساتھ درج ہیں۔[1] لیکن ان دونوں کی اسناد محمد بن سلیمان دیلمی اور اس کے والد تک منتہی ہوتی ہیں جن کے بارے میں شیخ کشی کہتے ہیں: وہ غالیوں کے بزرگان میں سے تھا؛ اور شیخ نجاشی اس کے اور اس کے والد کے بارے میں لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ یہ دونوں غلو کرنے والے اور بہت جھوٹ بولنے والے تھے؛ اور شیخ طوسی محمد بن سلیمان کے بارے میں لکھتے ہیں: اس کی غلو سے پر ایک کتاب ہے اور ضعیف ہے۔[2]

دوسری روایت بھی مختلف جہات کی وجہ سے ضعیف ہے، اب اگر ہم ان تمام عیوب سے گزر بھی جائیں اور چشم پوشی کریں تو وہی بات کہی جا سکتی ہے جو ہم نے گیارہویں روایت کے ذیل میں کی ہے۔

[نتیجہ: روایات مصحف میں مصحف فاطمہؑ کے اندر وجود و عدم وجود قرآن کے حوالے سے کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔]

---

[1] الکافی: ج۸، ص۵۷، ح۱۸؛ بحار الانوار: ج۳۷، ص۱۷۶، ح۶۳ بہ نقل از کنز الفوائد و تاویل الآیات الظاہرۃ (مخطوط)

[2] معجم رجال الحدیث: ج۸، ص۲۷۳ و ۲۸۶ و ج۱۶، ص۱۲۶.

فصل چہارم
جنابِ سیدہؑ کا گریہ کرنا

اعتراض: ہم بعض روایات میں دیکھتے ہیں کہ جناب سیدہؑ اپنے والد کی وفات کے بعد بہت زیادہ گریہ فرمایا کرتی تھیں،ان کا گریہ ختم نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ اہل مدینہ اس سے تنگ آ گئے اورانہوں نے شکایت کرتے ہوئے کہا: یارات میں رویا کیجیے یادن میں۔ پس اگرایسا ہے توان کا صبر کیا ہوااور رضا بر ضائے الٰہی کہاں گئی اور ایسا گریہ جو لوگوں کو تکلیف پہنچائے ایک معصوم سے کیسے سرزد ہو سکتا ہے؟اوراگر ہر وقت گریہ کرتی تھیں اوراس قدر گریہ کرتی تھیں تو پھر باقی کام کیسے انجام دیتی تھیں؟

جواب: ہم چند نکتوں کی صورت میں اس اعتراض کا جواب پیش کرتے ہیں:

۱۔روز وشب کا گریہ:

مرحوم آیت اللہ العظمیٰ میرزا جواد تبریزیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں: شب وروز کے گریے سے مراد یہ نہیں کہ ان کا گریہ کبھی ختم نہیں ہوتا تھااور ہر وقت یہی چلتا تھااور وہ کوئی دوسرا کام نہیں کر پاتی تھیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی خاص وقت میں گریہ نہیں کرتی تھیں اور گاہ و بے گاہ گریہ فرمایا کرتی تھیں۔

۲۔ گریہ اور مخالفت رضا بہ قضا:

قضائے الٰہی پر راضی رہنا ایک صفت باطنی ہے جو دل شکستگی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، لہذا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص عین اس حال میں کہ قضائے الٰہی پر راضی ہو، پیش آنے والے ناگوار حالات کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ جائے اور یہ ٹوٹا ہوا دل روئے، لیکن ساتھ ہی نہ تو رضائے الٰہی سے ناراضی ہو اور نہ کوئی ایسا کلمہ زبان سے جاری کرے جو اس کے راضی نہ ہونے کا اظہار کرے، ویسے ہی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر روئے لیکن ساتھ ہی فرمایا: آنکھ روتی ہے اور قلب محزون ہے، لیکن پھر بھی کوئی ایسا کلام زبان پر نہیں لائیں گے جو خدا کو ناراض کرے۔[1]

۳۔ زیادہ رونا صبر کے مخالف:

زیادہ رونا مقام صبر کے ساتھ منافات نہیں رکھتا کیونکہ اس کے باوجود کہ قلب صبر کرتا ہے لیکن انسانی احساسات اپنا اثر رکھتے ہیں، جو حد سے زیادہ ناگوار حادثات کے مقابل اشکوں کو جاری کر دیتے ہیں، یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ قابل جمع ہیں۔ جیسے جناب آدمؑ نے جنت کے فراغ میں تین سو سال گریہ کیا، یہاں تک کہ شدت گریہ کی وجہ سے ان کے چہرے پر آنسوں کے نشان رگوں کی طرح باقی رہے؛ ایسے ہی جناب یعقوبؑ نے اپنے بیٹے کے فراغ

---

[1] بحار الانوار؛ ج ۲۲، ص ۱۵۷؛ السیرۃ الحلبیۃ: ج ۳، ص ۳۴۔

میں اس قدر گریہ کیا کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ کہتے تھے کہ میں اسی گریے اور غم میں اپنی جان دونگا؛ امام سجادؑ چالیس سال تک جب بھی ان کے سامنے پانی یا کھانا لایا جاتا یا کسی گوسفند کو ذبح ہوتا دیکھتے، شب و روز، گھر میں، صحرا میں اپنے والد اور شہدائے کربلا کی یاد میں گریہ کیا کرتے۔[1]

۴۔ کون تھے جنہیں جناب فاطمہؑ کے رونے سے تکلیف ہوتی تھی؟

شروع میں ہم عرض کریں کہ شاید اس جملے سے کہ اہل مدینہ جناب سیدہؑ سے صدائے گریہ کی وجہ سے شکایت کرتے تھے، بعض افراد یہ سمجھیں کہ ان کی آواز بہت زیادہ اونچی تھی اور وہ نالہ وفریاد کے ساتھ گریہ فرمایا کرتی تھیں، جو اہل مدینہ سنتے تھے، لیکن کسی شخص کی آواز جس قدر بھی بلند ہو وہ ایک (پورے) شہر کے باسیوں کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا، بی بی بھی گریہ کرتے وقت کوئی مدینے کی گلیوں میں نہیں ہوتی تھیں جو ان کے گریے کی صدا اہل مدینہ کو تکلیف پہنچائے، تو پھر اس تعبیر کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اول تو قطعی طور پر اہل مدینے سے تمام ساکنان مدینہ مراد نہیں ہیں کیونکہ مدینے میں چند ہزار افراد ساکن تھے جو مدینے کے اطراف میں قبیلے اور گروہوں کی صورت میں رہتے تھے۔ دوم چونکہ بی بی کا گھر مسجد کے بالکل ساتھ تھا اور اہل مدینہ شب و روز اس مسجد میں

---

[1] خصال: ج۱، ص ۲۷۲، ح ۱۵؛ امالی صدوق: ص ۱۲۱، مجلس ۲۹، ح ۵۔

عبادت اور قرائت قرآن کے لیے آتے جاتے تھے، بالخصوص ایام غصب خلافت میں لوگوں کا مسجد میں آنا جانا اور خلیفہ کا خطبہ سننا اور یہاں مجمع کا لگا رہنا زیادہ ہو گیا تھا، اور کیونکہ بی بی کا گھر مسجد کے ہمسائے میں تھا اس لیے وہ لوگ قدرتی طور پر آپ کی آواز سنا کرتے تھے، اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ سے مراد وہی افراد ہیں جو مسجد میں آتے جاتے تھے نہ کہ وہ جو کوچہ و بازار میں ہوتے تھے یا ادھر ادھر کے دسیوں گھر چھوڑ کر رہتے تھے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ جناب سیدہؑ کے گریے پر اعتراض ایک سیاسی مسئلہ تھا جو مسند خلافت پر متمکن افراد کی جانب سے بنایا گیا تھا، کیونکہ خلیفہ ہر روز مسجد میں آتا تاکہ خطبہ دے، لیکن مظلومہ کائنات کے رونے کی صدا اس تک پہنچتی جو باطن اور زبان حال میں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہوتی تھی: تو غاصب ہے! لہذا وہ افراد جنہیں بی بی کے رونے کی آواز سے تکلیف ہوتی تھی وہ دراصل بی بی کی آواز سے نہیں بلکہ رونے سے تھی، اور یہ کوئی نہ تھا سوائے غاصبان خلافت اور ان کے طرفداروں کے، البتہ لوگوں کو تکلیف دینے کے حرام ہونے کا جواب ہم اگلے نکتے میں دیں گے۔

۵۔ گریہ کرنے کی وجہ کیا تھی؟

رونے کی پہلی وجہ احساسات ہیں جو فطری طور پر ہر انسان میں پائے جاتے ہیں۔ بیٹا باپ کے فراغ میں روتا ہے لیکن اگر بیٹی ہو تو اس کا دل زیادہ غمگیں ہوتا ہے اور وہ زیادہ گریہ کرتی ہے،

باپ جس قدر زیادہ مہربان ہو اس کا داغ فراغ اتنا ہی گہرا اور گریہ بھی اسی قدر بیشتر ہوتا ہے۔ اب اگر وہ باپ رحمت العالمین اور تاریخ عالم کا مہربان ترین باپ ہو تو فقط خدا جانتا ہے کہ اس کی بیٹی کا اس کے فراغ میں غم و اندوہ کس قدر شدید ہو گا۔ جیسے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی وفات کی وجہ سے جناب سیدہؑ پر اس قدر غم وارد ہوا کہ اس کی شدت خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔[1]

جس قدر غم زیادہ ہو گا، اسی قدر گریہ بھی بڑھے گا۔ وہ بیٹی کہ جب بھی اپنے والد کے پاس جاتی تھی اس کا والد اس کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوتا، اس کے ہاتھوں کا بوسہ لیتا، اس کو سونگھتا اور فرماتا: میں فاطمہؑ سے جنت کی خوشبو سونگھتا ہوں۔ تو ایسے والد کے فراغ میں اس قسم کا گریہ کرنا سزاوار ہے۔

دوسری وجہ الٰہی و سیاسی تھی، جو وفات رسول ﷺ کے بعد لوگوں کے عمل کی وجہ سے تھی۔ لوگوں نے جیسے ہی سنا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے ہیں انہوں نے خلافت پر جھگڑا شروع کر دیا، اور یہاں رسول اللہ ﷺ کا جنازہ تین دن تک زمین پر رکھا رہا، اور بالآخر کمال غربت میں قریبیوں میں سے چند افراد کی موجودگی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ خلفائے ثلاثہ میں سے کوئی بھی اس میں شریک نہ تھا، یہ اتنا بڑا حادثہ فراموشی کے سپرد کر دیا گیا تھا، دوسری

[1] اصول الکافی: ج ۱، ص ۲۴۰، ح ۲.

جانب متعدد تاریخی شواہد کے مطابق صاحبان خلافت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام و یاد کو فراموشی کے سپرد کرنے کے درپے تھے، اور اس فراموشی سے خوش تھے۔ لیکن فاطمہ ؑ کا گریہ انہیں ان کے کھینچے گئے نقشوں میں کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد کو تازہ رکھنا شعائر الٰہی بلکہ ان میں بھی سب سے بڑھ کر ہے جسے زندہ رکھنے کی ہمت جناب فاطمہ ؑ نے جتائی۔ لیکن یہ سب اپنی، اپنے بچوں اور شوہر کی مظلومیت، اپنی حرمت کی پامالی اور اپنے محسن کے قتل ہونے پر گریے کے ساتھ تھا۔

جیسا کہ شیخ صدوق سلمان فارسی سے نقل کرتے ہیں: فاطمہ ؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور جب انہوں نے اپنے والد کی ضعیفی دیکھی تو رونے لگیں اس صورت میں کہ ان کے آنسو ان کے رخساروں پر رواں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ ؑ کس چیز نے تجھے رلا دیا؟ (بی بی نے فرمایا) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے آپ کے بعد اپنی اور اپنے بچوں کی حرمت کے پامال ہونے کا ڈر ہے۔[1]

اس حدیث کی سند آیت اللہ مامقانی کی نظر کے مطابق صحیح ہے۔ شیخ مفید بھی جناب زینب ؑ سے نقل کرتے ہیں کہ: جب ابو بکر نے فدک اور اس کے ملحقہ علاقوں کو واپس نہ لوٹانے کا ارادہ کر لیا، فاطمہ ؑ قبر رسول کی طرف گئیں اور خود کو قبر رسول پر گرا دیا اور جو کچھ لوگوں نے

---

[1] کمال الدین: ص ۲۶۲، ح ۱۰؛ طبرانی معجم الکبیر میں علی ہلالی سے متن میں تفاوت کے ساتھ: ج ۳، ص ۵۷، ح ۲۶۷۵.

ان کے ساتھ کیا تھا اس کی شکایت کی اور اس قدر گریہ فرمایا کہ قبر رسول ﷺ کی خاک ان کے اشکوں سے تر ہو گئی، اور یہ شعر پڑھا:

قد كان بعدك انباء و هنبئة لو كنت شاهدها لم تكثر الخطب
تجهمتنا رجال و استخف بنا بعد النبی و كل الخير مغتصب [1]

ترجمہ: آپ کے بعد خبریں اور جھوٹی کہانیاں منتشر ہوئیں کہ اگر آپ خود ہوتے تو یہ اختلافات اس قدر ہوا نہ پکڑتے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں نے ہم پر ہجوم کر دیا اور ہمیں کمتر شمار کیا اور تمام اچھائیاں غصب ہو گئیں۔

نیز علی بن ابراہیمؒ قمی سند صحیح کے ساتھ ان معنی کے قریب روایت نقل کرتے ہیں جس کے ضمن میں آیا ہے: عمر نے نامہ فدک فاطمہؑ سے چھین کر اسے چاک کر ڈالا... پس فاطمہؑ ابو بکر و عمر کے سامنے سے شکستہ دل اور روتی ہوئی واپس لوٹ آئیں۔ [2]

اس جذبات سے بھرپور وجہ کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی وجہ بھی تھی تاکہ وہ لوگ جو روزانہ مسجد آتے ہیں، ان کے سوئے ہوئے دل بیدار کریں کہ بالآخر کیا وجہ ہے کہ فاطمہؑ اس قدر گریہ فرماتی ہیں! اور ایک فریاد رہے کہ اے لوگوں جو لوگ خلافت کے مدعی ہیں انہوں نے ہمارا حق غصب کیا ہے، جو خلافت کا ادعا کرتے ہیں انہوں نے ہماری حرمت پامال کی ہے، جو

---

1 امالی مفید: ص ۴۰، مجلس ۵، ح ۸.

2 تفسیر قمی: ج ۲، ص ۱۵۵ تا ۱۵۸.

خلافت کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے منتظر تھے تاکہ ان کے خاندان کے خلاف اپنے کینے کا اظہار کریں اور یہ چیز صاحبان خلافت کے رخسار پر ایک محکم طمانچہ تھا۔[1]

۵رجب المرجب ۱۴۳۹ ہجری، روز ولادت باسعادت جدنا و امامنا علی بن محمد الہادی النقی علیہما السلام، بمطابق ۲۲مارچ، ۲۰۱۸، رات ۳۰:۱۱پر اس کتاب کے ترجمے سے فراغت حاصل ہوئی۔ خدا اس حقیر سی کاوش کو اس گناہگار سے قبول فرما کر فقیر کے گناہوں کی بخشش کا سہارا قرار دے۔ آمین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، بحق محمد و آلہ الطاہرین۔

بندۂ ثقلین؛ سید سبطین علی نقوی امروہوی
مقیم حال، عش آل محمد، قم المقدس ایران

[1] ہم نے یہ فصل مفہومی طور پر خلاصہ و ترجمہ کی ہے۔ (سیستانی)

فہرست

مطالب | صفحہ نمبر